دار الثقافة الإسلامیة پاکستان

موضوعات متنوعہ

(اجتہاد ۔ متعہ ۔ توسل)

اثر

علی شرف الدین

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (نساء:۵۹)

قال امیر المؤمنین (ع) فَرَدُّهُ إِلَى اللَّهِ أَنْ نَحْكُمَ بِكِتَابِهِ وَرَدُّهُ إِلَى الرَّسُولِ أَنْ نَأْخُذَ بِسُنَّتِهِ (خ:۱۲۵)

موضوعات متنوعہ

(اجتهاد ۔ متعہ ۔ توسل)

اثر

علی شرف الدین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ← موضوعات متنوعہ

اثر ← علی شرف الدین

کمپوزنگ ← سید محمد روح اللہ

ناشر ← دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

سال طبع ← رجب المرجب ۱۴۳۱ھ ق

انتساب

- ہراس انسان کے نام سے جو دعوائے آزادی قلم و بیان رکھتا ہے۔
- ہراس انسان کے نام جو دعوائے اظہار عقائد وافکار رکھتا ہے۔
- ہراس انسان کے نام جو نقد وانتقاد کا استقبال کرتا ہے۔
- ان ذوات کے نام جو اپنے عقائد پر قرآن وسنت سے دلائل رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔
- ان اعضا حلف فضول کے نام جنہوں نے بے سہارا، مظلومین کو ظالمین سے حق دلانے کیلئے معاہدے پر دستخط کیے۔ دار الثقافہ اسلامیہ کی مطبوعات بھی حرب فجار کے غنائم جنگی میں شامل ہوگئی ہیں۔

فہرست

عرض ناشر ۷
حصار فتاویٰ ۸
حصار تشخیص مصلحت ۱۰
تمہید ۱۷
مولانا محمد علی توحیدی ۲۵
اجتہاد و تقلید ۳۱
اجتہاد ہماری دین کی اساس ہے ۳۳
ہماری عرائض بھی پڑھیں ۳۴
مجتہد کی تقدیس و احترام کا دائرہ ۳۴
کسی فقیہ کی حمایت یا مخالفت ۳۶
اجتہاد ایک اہم مسئلہ ۳۷
فروعات کی تقسیم ۳۹
اجتہاد سے تنسیخ و تنقیض شریعت تک ۳۹
ہمارا نقطہ نظر ۴۱
اجتہاد یا تلاش مصادر شریعت ۴۲
سیاہ روزگار کا آغاز ۴۳
شریعت اسلام کے مقاصد ۴۴
شریعت کا زمان و مکان کے تقاضوں
سے مقابلہ ۴۵
الٰہی قانون ۴۶
قوہ مجریہ ۴۷
ملت کی طرف سے تحمل و پذیریش کا
فقدان ۴۸
ضرورت اجتہاد ۴۸
اجتہاد کے لغوی و اصطلاحی معنی ۴۹
تقلید لغت و اصطلاح میں ۵۱
نیا مسائل و موضوعات اور اجتہاد ۵۲
اجتہاد بے سہروں کیلئے شجرہ ممنوعہ ۵۳
درپیش مسائل میں ۲ حالت ناگزیر ہیں ۵۴
شریعت اور نظریہ ضرورت ۵۵
فقہ اور عصر حاضر کے تقاضے ۵۶
منطقہ فراغ ۵۸
زمان کے لحاظ سے موضوع بدلنے
کی مثال ۶۱
مکان کے لحاظ سے موضوع بدلنے
کی مثال ۶۱
موضوع بدلنے کے ساتھ حکم بدلنے
کی مثال ۶۲
عنوان اولی و ثانوی ۶۲
اجتہاد کے تین درجات ہیں ۶۵
نظام اجتہاد کے مفاسد ۶۶
دھنسے ہوئے قلعے کی بالائی منزلیں ۶۷
فقہاء و مجتہدین کے بھوسے کے ٹیلے پر
قائم فتویٰ ۶۸

اختیارات مجتہدین ۷۰
حق افتاء ۷۰
حق اختیارات ۷۰
قضاوت ۷۲
حق حکومت ۷۲
ولایت فقیہ ۷۴
حکومت دوطرف سے ملتی ہے ۷۶
امور حسبیہ حکومت کا ذیلی ادارہ ۷۸
مجتہدین کے اختیارات مالی ۷۹
آیت اللہ شمس الدین کا بیان ۸۰
مجہول المالک مال کی ولایت اور تصرف ۸۰
مال للقطعہ ۸۱
مال مخلوط بہ حرام، خمس نکالنے سے حلال ہو
جاتا ہے ۸۳
حلال ۸۳
حرمت تکوینی ۸۴
محرمات کی اقسام ۸۴
حرام ۸۵
مجتہدین کا دعویٰ اور عملی میدان ۸۵
جنگی غنائم کے علاوہ دیگر درآمدات پر بھی
وجوب خمس کا اصرار ۸۷
بحث کا تجزیہ اور تحلیل ۸۹
مصارف مال امام ۹۱
بیت اللہ الحرام ۹۳
میقات نظری اور احرام نظری ۹۴
احرام نظری ۹۴
حاجی کا استحصال ۹۸
حج کی چونگی ۹۹
فقہاء اور کھیل ۱۰۰
رویئت ہلال ۱۰۶
رویئت ہلال اور عید ۱۰۹
رویئت شرط ہے نہ کہ چاند کا تحت الشعاع
سے نکلنا ۱۱۱
تواتر ۱۱۲
طہارت اہل کتاب سے طہارت
انسان تک ۱۱۴
حق تصنیف وتالیف ۱۱۶
حق ملکیت ۱۱۷
دوسروں کی طباعت شدہ کتاب کی
طباعت ۱۱۸
طبع شدہ کتاب کی طبع کی صورتیں ۱۲۰
تیسری عدالت گاہ ۱۲۱
مقام شامخ وعظیم ۱۲۲
مراجع عظام کی نظارت میں ترویج دین کے
چند نمایاں مظاہر ۱۲۴
شخصیات ونوابغ ۱۲۵
تقلید علماء نفس کی نظر میں ۱۲۷
مصادر خاصہ اجتہاد ۱۲۹
متعہ ۱۳۳
نکاح سری ومخفی ۱۳۵

زواج اور اس کی نامشروع فروعات ۱۳۵
ظہور زواج مسیار ۱۳۶
قرآن میں زواج کی حکمتیں ۱۳۹
فقیہ ومرجع، محقق عالی آیت اللہ خوئی ۱۵۳
نسخ فی شریعہ الاسلامیہ ۱۵۴
شیخ علی توحیدی ۱۵۵
علامہ توحیدی سے استفسار ۱۵۹
متعہ ایک ضرورت ناگزیر ۱۶۱
داعیان متعہ ۱۶۲
علامہ بزرگوار شیخ محسن علی نجفی ۱۶۴
عقد دائمی اور متعہ کے مشترکات ۱۶۵
فوارق وامتیازات متعہ ۱۶۶
مفارقات نکاحین ۱۶۸
ولی کی اجازت ۱۶۹
متعہ اور حق مہر ۱۶۹
عدت ۱۷۲
متعہ میں عدت ہوتی ہے ۱۷۳
مدت کا تعین ہوتا ہے ۱۷۴
متعہ اور نسل ۱۷۴
اولاد کا وارث بننا ۱۷۵
عقد نکاح میں شہادت کی ضرورت
سے انکار ۱۷۵
عقد، سببی اور نسبی کا خیال رکھتا ہے ۱۷۷
متعہ، مترادف زنا ہے ۱۷۸
متعہ، عقد نکاح کے احکامات سے خالی
وعاری ۱۷۹
متعہ، کتب اہلسنّت والجماعت میں ۱۸۳
روایات کے حجت ہونے کی شرط ۱۸۵
روایات صحیح مسلم کی سند پر نقد وجرح
علمائے رجال ۱۸۸
متعہ کے بارے میں وارد روایات ۱۹۱
راویاں باب متعہ از کتاب
وسائل الشیعہ ۲۰۳
جواز متعہ اور امام باقر کی لاجوابی ۲۲۴
کتاب ضعفاء حدیث ملبووی ۲۲۸
روایات متعہ کے راویان ۲۳۰
مظلوم عورتوں سے دفاع ۲۳۴
فلسفہ بہ حکمت تشریع ۲۳۵
جواز متعہ اور کتاب وسنت ۲۳۸
متعہ اور اس کے بارے میں وارد
روایات ۲۴۰
نکاح متعہ روایات اہلسنّت میں ۲۴۰
متعہ زنا سے بچنے کا ضامن ۲۴۳
نکاح متعہ ۲۴۴
عدت ۲۴۵
فلسفہ عدت ۲۴۶
متعہ، جاہلیت کا روشہ یا زنا کی چھوت ۲۴۷
خواتین اور فتاویٰ مجتہدین ۲۴۷
بیچارہ متعہ، مجتہدین عظام کے ستے کلے
احتیاط سے بھی محروم ۲۴۸

متعہ اور اجماع امت ← ۲۴۹
مسادر خاصہ نکاح سری و مخفی ← ۲۵۰
توسل ← ۲۵۱
منکر توسل ہیں ← ۲۵۳
مشفق و مہربان معالج کی خواہش ← ۲۵۴
توسل کا موضوع ← ۲۵۵
غیر اللہ سے توسل شرک یا عین توحید ← ۲۵۶
توسل کے بارے میں فقیہ وقت
کا بیان ← ۲۵۸
خلاصہ متن، مصاحبہ مرجع تقلید ← ۲۶۱
آیت اللہ جعفر سبحانی ← ۲۶۷
مصادر و منابع مفاتیح الجنان ← ۲۸۲
علامہ محسن نجفی ← ۲۹۱
شرک کیا ہے ← ۳۰۴
قرآن کی روشنی میں شرک کو پہچانئے ← ۳۰۵
علم غیب مختص بہ اللہ ← ۳۰۸
اللہ کے سوا کوئی بھی بندہ، چاہے وہ کچھ بھی
ہو، کچھ نہیں کرسکتا ← ۳۰۹
ہر چیز اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، کوئی
اسے چرا نہیں سکتا ← ۳۰۹
رزق اللہ ہی دیتا ہے ← ۳۱۰
تقرب الی اللہ ← ۳۱۱
الفاظ و کلمات والے وسائل ← ۳۱۶
ایمان اور عمل والے وسائل ← ۳۱۸
ایمان اور عمل میں ربط ← ۳۲۳
وسائل عملی ← ۳۲۴
حج کی بجائے عتبات کیوں
نہیں جاتے ← ۳۲۶
اہمیت زیارات ← ۳۲۹
ولائے اجتماعی ← ۳۳۴
وسائل اجتماعی و سیاسی ← ۳۳۵
مصادر خاصہ توسل ← ۳۳۷
اختتامیہ ← ۳۳۹
سب و شتم صحابہ بالخصوص خلفاء
دوم و اول ← ۳۴۳
حق و باطل کے مختلف اسلحے ← ۳۴۶
حدیث سازوں کا قرآن کو گرانے
پر اصرار ← ۳۴۸
فرقوں سے بیزار ہوں ← ۳۵۸
اسلام کے دو اصول ہیں ← ۳۶۲
مصادر عمومی ← ۳۶۳
فہرست ← ۳۶۹

عرض ناشر

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ

اَحْضَرَتْ ؕ ﴿۱۴﴾

(سورہ مبارکہ تکویر)

عرض ناشر

عرض ناشر میں جاری روایات کے اصول کے مطابق کتاب پیش کرنے کی ضرورت یا اظہار خوشی و مسرت کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ادارہ' کتاب کن وجوہات یا ضروریات کے پیش نظر نشر کررہا ہے۔ اسی تناظر میں اگر ہم اپنے قارئین کو ادارے' اسکے بانی یا کتاب حاضر کو پیش کرنے کی ضرورت کے بارے میں کچھ معلومات پیش کرنا چاہیں تو کچھ تمہید بطور مقدمہ کسی معروف مالوف یا مانوس اصطلاح سے مدد لینا پڑے گی جیسے کہ دین و دنیا میں جاری جنگ کی مثال؟ دین کی حدود و سرحدیں کہاں ختم ہوتیں ہیں؟ دنیائے الحاد' کفر و شرک تو ایک طرف ہمارے بعض متدینین مومنین بھی کہتے ہیں کہ دین کو اس کی حدود میں رکھنا چاہیے۔ زیادہ عین غین نہ کریں' دین دین کی رٹ نہ لگائیں' دین کو اپنی چاردیواری تک محصور رکھنا ضروری ہے۔ یہ تھی تمہید۔

اب یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ آیا یہ بات درست ہے کہ دین کو اپنے حدود میں محصور رکھنا چاہیے؟ کیا دین انسانی زندگی کے دیگر شعبے جیسے صحت' تعلیم وغیرہ کا نام؟ اس کا داعی کون ہے اور حدود اربعہ کیا ہے؟ بعض کا کہنا ہے کہ دین اور دنیا یکجا قابل جمع نہیں۔ جس طرح جاہل و عالم میں تضادم تضاد پایا جاتا ہے دین اور دنیا میں بھی تصادم موجود ہے۔ یہ جنگ ایک عرصہ سے چلی آرہی ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا جس وقت دنیا میں دین کی سربلندی اور حکمرانی تھی' سب کچھ رہبران دینی کی سرپرستی میں چلتا تھا۔ جن کا کہنا تھا کہ ہم اللہ کے بندے ہیں' اللہ ہمارا حاکم ہے' انبیاء رہبران ملت ہے' کتاب آسمانی ہماری آئین حیات ہے۔ جیسا کہ نبی کریمؐ کے بعد خلفائے راشدین کی حکومت چلتی تھی لیکن جس دن مغرب کے صلیبیوں اور یہود کے علماء نے دین اللہ کو مسخ کر کے پیش کرنا شروع کیا' لوگوں میں دین سے

نفرت بڑھنے لگی۔

جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو دین کو کنارے پر لگا دیا گیا اور دینی حدود کے تعین کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور کہا جانے لگا کہ دین کو عبادتگاہوں کی چار دیواری میں محصور رکھنا چاہیے۔ یہ فکر یورپ سے ہمارے یہاں سیر وسیاحت' فلاح و بہبود اور علاج و معالجہ کے ناموں سے آنے والے ہمدرد نوازوں اور علم وصنعت کے حصول کیلئے جانے والے واپسی پر بطور تحفے لائے ہیں۔ ان کا کہنا ہے؛ امور دنیا میں دین کو شامل نہ کریں دین کو اپنی چار دیواری میں محصور رہنے دیں۔

ہمارے علمائے اعلام اور دین شناس رہبران کہتے ہیں؛ یہ بات یورپ والوں کیلئے تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن ہمارے یہاں دین' دنیا اور علم میں تضاد' تصادم یا تناقص نہیں ہے۔ خاص کر جب ایران میں امام خمینیؒ کی قیادت میں انقلاب اسلامی آیا اور امام خمینی نے دین و سیاست کے بارے میں فرمایا؛ ہماری سیاست عین دین اور ہمارا دین عین سیاست ہے۔ تو یہ جملہ ایک نعرے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ اس وقت علماء کی اس جملہ سے مراد کلمۃ الحق مراد بہا الباطل تھی' چاہے لفظی طور پر ہی تھی۔ یہاں کے علماء فرماتے ہیں؛ ہمارا موازنہ یورپ سے نہ کریں ہم علم اور دین کو یکجا جمع کرتے ہیں' ہمارے یہاں دین میں چند افراد کی اجارہ داری میں نہیں چلتی۔ اسکی مثال اس گھر جیسی ہے جہاں مکینوں کے درمیان ہمیشہ جھگڑا فساد چلتا رہتا ہے اور ہر ایک دوسرے سے تنگ ہے لیکن باہر جب ایسے گھروں کی مذمت ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہمارے ہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا حالانکہ گھر والے جانتے ہیں یہاں کتنی سختیاں اور پریشانیاں ہیں۔ ہمارے ہاں اس وقت مسلمان فرقوں کا حشر عیسائیوں جیسا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے اور دین کئی حصار میں محصور ہے بطور مثال چند حصار کا ذکر کرتے ہیں:

حصار فتاویٰ

پہلے دین کا مصدر قرآن وسنت نبی تھا۔ علماء وفقہا سے جب مسائل شرعی پوچھا جاتا تو وہ جواب' آیات قرآن اور سنت نبی سے دیتے تھے لیکن اب انھوں نے مرحلہ وار ان سے جان

چھڑالی ہے۔ پہلے مرحلے میں انھوں نے اختصار کے بہانے سے اسناد حذف کیں، پھر عوام کی سہولت کا بہانہ بنا کر یہ وعدہ دیا کہ تمام احکام شرعیہ آپ کو قرآن وسنت سے استنباط کر کے بتائیں گے، اس کے ساتھ ہی فتویٰ کے سمندر میں طغیان وطوفان آنا شروع ہوگیا۔ ایک عرصے سے دینی مسائل کا جواب فتویٰ تک محدود ومحصور رہا۔ یہاں تک حج بیت اللہ الحرام جس کے تمام اجزاء سوائے رمی جمرات کے آیات محکمات پر مشتمل ہیں پھر بھی مناسک حج میں آیت کے ایک ٹکڑے پر تبرک کرتے ہیں۔

آیات اور روایات کے غیاب کے بعد مفتی حضرات اختیارات کا بھی ادعاء کرنے لگے، جب لوگوں میں کچھ سمجھ بوجھ آنے لگی اور وہ فتویٰ کے ساتھ دلیل پوچھنے لگے تو عصائے ارتداد نیام سے نکل آئی اور جواب ملنے لگا کہ تم کون ہوتے ہو، تمہاری جرأت کیسے ہوئی دلیل پوچھنے کی، تمہارا اس سے کیا واسطہ، کیا تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ دلیل سمجھ سکو، تم سے پہلے کبھی کسی نے ایسی جرأت کی ہے؟

قرآن اور سنت سے استفسار اور استناد کرنے کی درخواست پر باقاعدہ پابندی لگنے کے بعد انہوں نے قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ صادر کرنا شروع کیا۔ یہاں اس کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا اصرار ہے کہ متعہ زواج شرعی ہے۔ قرآن کریم میں ارث، زوج اور زوجہ کی بنیاد پر رکھا گیا ہے جبکہ انہوں نے زوجہ کو ارث سے محروم رکھا ہوا ہے۔ اس بحث کو کھولنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب ہم نے اپنی ماں کی ارث کے ساتھ نانی کے حق زوجہ کیلئے خاندان وفرو پا پر دعویٰ کیا۔ ان کے بڑے، غلام رضا کا موقف تھا کہ ہماری نانی کا نکاح متعہ تھا اور متعہ والی عورتوں کو ارث نہیں ملا کرتا اب چونکہ وہاں کے قضات کا آخری مصدر توضیح المسائل یا مجتہدین کے استفتاء ہیں اور علماء توضیح المسائل کے تحت ہی شریعت کرتے ہیں، لہٰذا مجھے اس کے بارے میں قلم اٹھانا پڑا کہ یہ شریعت، قرآن وسنت کے خلاف ہے، اس کے ذریعے انہوں نے بہت سی خواتین کا ارث لوٹا ہے۔ اس مسئلہ کو اٹھانے کی بنیاد تنہا خاندان وفرو پا سے اپنی نانی کا ارث لینا نہیں تھا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمیں ارث نہ دیں، یہاں اسلام کا ایک حکم معطل ہو رہا ہے جس سے لاکھوں خواتین کے حقوق تلف ہو

رہیں ہیں۔ ان کا دین، ماتمسراء میں سینہ کوبی اور علم کے نیچے رکھے صندوق میں پڑنے والی رقوم تک محدود ہے۔ ان میں بعض فاسق وفاجر ہیں، ان کے ذاکرین کا مذہب جعلی، خودساختہ بے بنیاد کہانیوں کو مصیبت اہل بیتؑ کا نام دینا اور یہی پڑھ کر رلانے کی حد تک محدود ہے۔ انہیں حلال وحرام سے واسطہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہاں پارٹیوں کی حکومت چلتی ہے یہ ان کا ساتھ دیتے ہیں اور وہ ایسے موقع پر ان کے کام آتے ہیں۔

مجتہدین قرآن وسنت سے استنباط کریں کہ ان کے فتویٰ کی حیثیت کیا ہے۔ یہ جب قرآن کے خلاف فتویٰ دیں تو ان کے فتویٰ شیطانی فتویٰ تصور ہوں گے۔ ارثِ زوجہ ثابت کرنے کیلئے پہلے متعہ کی شرعی حیثیت کو قرآن اور سنت کی روشنی میں پیش کرنا ضروری تھا کہ متعہ کھلم کھلا زنا اور عورتوں کی حق تلفی ہے۔ اس کے علاوہ مجتہدین کے قرآن وسنت کے خلاف فتاویٰ اور اختیارات مستبدانہ وظالمانہ جو کلیسا کی مانند معاشرے میں رائج ہیں ان کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھا، لہٰذا کچھ صفحات اجتہاد وتقلید کے بارے میں لکھنا پڑے۔

حصارِ تشخیص مصلحت

ایک عرصے سے آمریت، انتہا پسند اور استبدادی مزاج رکھنے والے حکمران ملک میں قائم اداروں سے اختیارات چھیننے کیلئے ایک نئے ادارے کے قیام کی ضرورت کی تحریک چلا رہے تھے جو ہمارے یہاں مستہزی دین کی حکومت میں قائم رہا، اس کے کیا مقاصد تھے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ یہ اپنی جگہ موضوع نقاش بنا رہا لیکن اب الحمد للہ اس کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی یہ بھی ختم ہوگیا۔

یہ ادارہ بعض ملکوں میں ابھی بھی قائم ہے۔ بعض جگہوں پر صرف نظارت کرتا ہے، اور شاید غیر رسمی طور پر فعال بھی ہوگا۔ اب تو یہ ادارہ بعض فرقوں کے اندر بھی موجود ہے، خاص کر اپنے فرقے میں تو یہ کافی عرصے سے موجود ہے، شروع میں یہ غیر رسمی اور غیر علانیہ طور پر کام کرتا تھا، صرف خاص خاص افراد جانتے تھے کہ اس کی کیا سرگرمیاں اور اختیارات ہیں۔ ہمیں بھی اس کا علم نہیں تھا۔ اس ادارے کا کام ہر اس چیز کو جو اس فرقے کے خلاف قرار دی

جائے اسے کنارے پر لگانا ہے۔ ایک عرصے سے یہ کلمات' ابہامی اور اجمال گوئی کی صورت میں ہم تک پہنچ رہی تھیں جیسے جناب آقائے سلمان نقوی' جناب مظہر کاظمی اور دیگر حوزات کے فارغ' امید ملت فرماتے تھے کہ یہ ادارہ کسی کی نظارت اور سرپرستی میں دینا ضروری ہے۔

فضائل تقلید' مجتہدین اور ان کے غیر محدود اختیارات' خمس وغیرہ کے محافظین و مدافعین ہماری نقل و حرکت اور سرگرمیوں کا دقت اور باریک بینی سے نظارہ کر رہے تھے۔ جس طرح راڈار پر مامور شخص پرندوں کا بھی جہاز کی طرح خیال رکھتا ہے۔ اسی طرح کیسانیہ' نصیریہ' باطنیہ کے راڈار پر مامور افراد' خوردبین سے ہر جگہ نظر رکھتے ہیں کہ کون ان کے فرسودہ و بوسیدہ عقائد سے پردہ اٹھاتا ہے تاکہ بروقت تادیب کریں' چنانچہ ان ناظروں کی نگاہیں میری ذات پر پڑی۔

یہاں علمائے اعلام حوزات و مدارس نے اجماع کیا کہ یہ شخص ہم سب کی نظر میں متنازع ہے۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چونکہ ہم دین کے تمام عقائد و احکام کو کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق پیش کرنے کے داعی ہیں جو ان کے بقول قطعاً مصلحت نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر چیز بتانے کی نہیں ہوتی۔ کچھ چیزیں' ہمارے اسرار ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ آپ اپنا ادارہ تنہا نہیں چلا سکتے۔ ہم نے عرض کی' یہ ادارہ کسی کی شراکت یا چندے سے نہیں' بنا ہم نے اسے اپنا لقمہ کاٹ کر بنایا ہے۔ اس پر علامہ نقوی فرمانے لگے: گرچہ اپنے ذاتی سرمایہ سے کیوں نہ بنا ہو اسے نظارت میں دینا ضروری ہے۔ معلوم نہیں یہ ان کی ذاتی رائے تھی یا اوپر سے انہیں تلقین کی گئی تھی۔ بہر حال ہم نے ان کی بات نہیں مانی' اور انہوں نے اوپر گزارش دی ہوگی کہ وہ نہیں مانتے تو یقیناً وہ کوئی عملی فیصلہ کرنے پر آمادہ ہوئے ہوں گے۔ یہ ذوات کون ہیں' اس بارے میں واضح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ہمارے ملک کے جید' مایہ ناز' نامور عالم جیسے جناب قبلہ آقائے جوادی' پنجاب سے جناب حافظ ریاض نقوی صاحب' قبلہ سرکار آیت اللہ محمد حسین نجفی' خطیب مصقع آقای سید علی موسوی' ادیب بارع جناب آقائے شیخ محسن علی نجفی اور

بلتستان کے عوام وایوان کے قائد جناب آقائے شیخ محمد حسن جعفری شامل ہوں گے۔ ہم علم کے حوالے سے ان سے بہت چھوٹے' ان کے اشاروں پر چلنے والے' ان کے پہلو میں بیٹھنے کو افتخار سمجھنے والے اور ان کے اوامر و ہدایات کے منتظر رہنے والوں میں ہیں لیکن انہوں نے کبھی سرگوشی کے انداز میں بھی بطور نصیحت اشارہ نہیں فرمایا کہ آپ کی کتابیں دین و مکتب کے خلاف ہیں۔ ابھی جب ان ذوات کی ناراضگی ظاہر ہونے لگی تو پتہ چلا کہ اراکین محترم تشخیص مصلحت یہی ذوات خوش قسمت ہے' اور ان کے معتوب قرار پانے والے بدقسمت محصور ناظم آبادی ہے۔ شاید انہی کے اشارے پر ہمارا جینا حرام کیا گیا ہوگا۔ یہ ذوات تو علم، عقل اور بعض دیگر امتیازات میں بہت بڑے مرتبے کے حامل ہیں' لیکن ہمارے اپنے علاقے شگر کے مقامی عالم جناب آقائے شیخ ضامن علی مقدسی اور جناب آقای سید محمد طٰہٰ صاحب جنہوں نے کتنا پڑھا ہے مجھے علم نہیں لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ دونوں احکام قرآن وسنت سے بے بہرہ ہیں۔ نصیریوں اور غالیوں کے عقائد کی ترجمانی اچھی طرح کرتے ہیں' آئمہ طاہرینؑ کے بارے میں عقائد تناسخ ہنود کو فضیلت اہل بیتؑ کے طور پر پیش کرتے ہیں' ان کا خیال میں ہماری کتابیں ان کے تعلیم کردہ عقائد نصیریت کیلئے بہت بڑا خطرہ ہیں لہٰذا اسے کم از کم شگر میں نہیں آنا چاہیئے۔ جناب شیخ ضامن علی صاحب نے اپنے بھائی جعفر سے فرمایا کہ اگر ہم آغا صاحب کی کتابوں کے خلاف لکھیں تو یا آغا صاحب جیل جائیں گے یا ہم شیخ صاحب سے عرض ہے کہ آپ کا جیل جانا تو مشکل ہے کیونکہ قائد ایوان آپ کے حامی ہیں' رہی ہماری بات تو اس کی فکر آپ نہ کریں۔

ان کے خاندان وفرو پا کے ساتھ دوستانہ رویئے' تبسم' خوش مزاقی اور ہمارے حق کو روکنے کے حیل شرعی سکھانے کی وجہ سے ہم ابھی تک اپنے حق سے محروم ہیں۔ مومنین بھی یہی تصور کرتے ہیں کہ جب علماء انھیں کچھ نہیں کہتے' ان کے ہاں سے آنے والے حرام تبرک کھانے سے نہیں جھجکتے تو ہماری کیا حیثیت ہے ہم تو مجلس امام حسینؑ سننے جاتے ہیں اگر یہ لوگ ہمیں جھوٹ بھی سنائیں تو بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی ان علماء سے ان کی مجالس میں شرکت کے بارے میں استفسار کرے تو بے حرجی کا جواب دیدیتے ہیں۔ دوسری جانب علماء حضرات

اس شرط پر مداخلت پر راضی ہوتے ہیں کہ وہ جو فیصلہ کریں اسے من وعن تسلیم کیا جائے گا اور اس میں کسی کو چون وچرا کی اجازت نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے ہم نے صرف ان کے ہاں سے ملنے والے اپنے حق سے محروم ہیں بلکہ دیگران کی بھی حوصلہ افزائی ہورہی ہے کہ وہ ہمارے حقوق کی طرف تجاوز کریں۔

تمہید

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۷۰

(سورہ مبارکہ قصص)

تمہید

الحمد لله وان اتى الدهر بالخطب الفادح والحدث الجليل . الحمدلله كلما وقب ليل و غسق و الحمدلله كلما لاح نجم و خفق. والحمدلله غير مفقود الانعام و لا مكافا الافضال. الحمدلله الذى لا يفره المنع والجمود ولا يكديه الاعطاء و الجود. اذ كل معط منتقص سواه. وكل مانع مذموم ما خلاه. وهو المنان بفوائد النعم. وعوائد المزيد و القسم. عياله الخلق.ضمن ارقاقهم وقدر اقاتهم. ونهج سبيل الراغبين اليه. والطالبين ما لديه. وليس بما سئل باجود منه بمالم يسال. انا قد اصبحنا فى دهر عنود. وزمن كنود يعد فيه المحسن مسيئاً.ويزداد الظالم فيه عتوا. لا ننتفع بما علمنا.ولانسال عما جهلنا ولا نتحوف قارعه حتى تحل بنا. الحمد لله غير مقبوط من رحمته. ولا مخلو من نعمته. اللهم اغفرلى ما انت اعلم به منى.فان عدت فعد على بالمغفرة.اللهم اغفرلى ما وايت من نفسى و لم تجد له وفاء عندى.اللهم اغفرلى ما تقربت به اليک بلسانى ثم خالفه قلبى. اللهم اغفرلى رمزات الالحاظ.وسقطات الالفاظ.وشهوات الجنان.وهفوات اللسان.اللهم انى اعوذبک من وعثاء السفر وكابة المنقلب و سوء المنظر فى الاهل و المال. اللهم انت الصاحب فى السفر و انت الخليفة فى الاهل ولا يجمعهما غيرک.لان المستخلف لا يكون مستصحبا و المستصحب لا يكون مستخلفا.
و الصلاة و السلام على رسوله محمد المنسوب اليه جموع الفضائل و المفاخر، المذكور في كتب اللّه تعالىٰ بأشرف الأسماء والألقاب والنعوت والمآثر. ارسله على حين فترهم الرسل.وطول هجعة من الامم واعتزام من الفتن انتشار من الامور. و تلظ من الحروب والدنيا كاشفة النور ظاهرة الغرور.على حين اصفرار من ورقها واياس من ثمرها.واغورار من مائها.قد درست منار الهدى. وظهرت اعلام الردى.فهى متجهمة لاهلها عابسة فى وجه طالبها ثمرها الفتنه.وطعامها الجيفة. وشعارها الخوف.وعلى آله الطيبين الآماثل وصحبه النجوم الزواهر.

حمد وستائش اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس کی الوہیت میں کسی کی تعریف یا تنقیص و انکار سے اضافہ یا کمی واقع نہیں ہوتی۔کوئی اس کا ساتھ دے یا چھوڑ دے اس سے اس کی

الوہیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ خاصیت' صرف مخلوق کی ہے کہ اسکی زندگی کرب واضطراب' کشمکش' نشیب وفراز کی موجوں کا شکار رہتی ہے' اسی لئے ایسے انسان کو کبھی جزوع' کبھی ملوع اور کبھی ضعیف کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

صفحات حاضر' ایک ایسے شخص کے آثار ہیں جسے اسی کے ہم صنف علمائے اعلام نے جنہیں معاشرے میں پذیرائی حاصل ہے کونے پر لگانے کیلئے شخص متنازع کے نام سے یاد کرنا شروع کیا۔ لیکن جب ان سے سوال کرتے ہیں کہ ہم کیوں متنازع ہیں تو جواب میں کوئی کہتا ہے آپ کی تالیفات ہمارے دشمنوں کے ہاتھ لگتی ہیں' کوئی کہتا ہے وہابی عقائد کی باتیں کرتے ہیں' کوئی دشمن اہل بیتؑ کہتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ شیخین کیلئے نرم گوشہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے حامی اور مدافع ہیں۔

میرے لئے اس کلمہ سے اسم گزاری کرنے کی ابتکار کرنے والوں میں امام زمانہ کی آمد میں تعجیل وتاخیر کا اعلان کرنے والے اور ظہور کی تیاریوں کے نام سے بہت سی دوسری سرگرمیاں انجام دینے والے گروہ شامل ہیں۔ جن میں بعض کا خیال ہے کہ امام ابھی پیدا نہیں ہوئے' ہونے والے ہیں' بعض کہتے ہیں پیدا ہو چکے ہیں' بعض کہتے ہیں ظہور صغریٰ ہو چکا ہے اور امام خاص خاص افراد سے ملتے ہیں' جن میں قابل ذکر ابطحی' بہجت' بہلول وغیرہ ہیں' بعض کا کہنا ہے کہ عصر ظہور بہت نزدیک آچکا ہے تیاری کیلئے بہت کم وقت رہ گیا ہے' بعض کہتے ہیں ظہور کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ ابھی بھی ہماری قیادت ورہبری فرما رہے ہیں' وہی مالک ومدبر کل کائنات کہتے ہیں۔

امام زمان سے متعلق آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ الندوہ میں فرماتے ہیں: یہ غیبۃ الٰہیہ ہے' اس بارے میں ہماری کوئی ذمہ داری نہیں' ہماری ذمہ داری اسلام کے اصول وفروع پر عمل کرنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس پر یہ اعتراض ابھرتا ہے کہ پھر امام زمان کی سلامتی کیلئے دعا اور صدقات جمع کرنے کی کیا منطق ہے' کیا امام زمانہ مریض ہیں یا کسی ظالم کے زندان میں محبوس ہیں کہ ہم ان کیلئے صدقہ دیں' دعائیں پڑھیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موضوع سے بہت سے افراد کے مفادات وابستہ ہیں۔ انہی میں سے ایک شخصیت

ہمارے حج کے پرانے ساتھی جناب علامہ علی مرتضیٰ زیدی سلمہ اللہ اور ہمارے پرانے طبیب جسمانی، مشیر روحانی فاضل محترم ڈاکٹر عقیل موسیٰ سلمہ اللہ ہیں۔ جو دو سال پہلے تک تو یہی فرماتے پھر رہے تھے کہ شرف الدین اب ذہنی طور پر مفلوج ہو چکا ہے، اس سال ہمارے ایک دوست علامہ غلام مہدی سے راستے میں ملے اور پوچھنے لگے کہ کہاں گئے تھے، انہوں نے جواب دیا آپ کے محصور شرف الدین کے پاس، اس پر ان کا چہرہ عبوس وقمطریر جیسا بن گیا۔

اسی طرح فاضل حوزہ علمیہ قم جناب محترم جناب ڈاکٹر مہدی صاحب نے بھی بھوجانی ہال میں منعقد کتب میلے میں ہماری کتاب "قرآن میں محمد مصطفیؐ" اور "حوزات علمیہ و مدارس دینی پر نگارشات" ہٹانے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک ہم متنازع شخصیت بن چکے ہیں۔

ان کے علاوہ مدارس دینی اور حوازت کے قرآن وسنت، عقائد و تاریخ اسلام کی بجائے رونے رُلانے کی تربیت میں منہمک، سند اجتہادی اور صدور فتویٰ بغیر اسناد کتاب وسنت، وصول اختیارات غیر محدودہ کے منتظرین بھی ہماری مخالفت اور معاومت و جسارت پر اترے ہوئے ہیں جو تہمت تراشی، ظن وتحرص کے علاوہ کہتے ہیں ان کی کتابوں اور باتوں کا کوئی جواب نہیں۔ میری کتابیں اگر باطل مواد پر مشتمل ہے تو کیوں جواب نہیں دیتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے جنگ جمل ونہروان وصفین میں اپنے مخالفین کو جواب نہیں دیا۔ کیا امام حسینؑ نے معاویہ کا جواب نہیں دیا۔ کیا امام حسینؑ ولید ابن عتبہ کا عمر سعد وشمر کا جواب نہیں دیا۔ کیا حضرت موسیٰؑ نے فرعون کا جواب نہیں دیا کیا نبی کریمؐ نے ابولہب اور ولید ابوجہل کا جواب نہیں دیا کیا۔ اللہ نے شیطان کا جواب نہیں دیا، مشرکین ومنافقین کا جواب نہیں دیا۔

نعوذ باللہ آپ میں فرعون سے کچھ زیادہ ہی انا ربکم الاعلیٰ آیا ہے۔ آئمہ طاہرینؑ، انبیاء کرام، محمد مصطفیؐ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ سے بھی کچھ اونچا محسوس کر رہے ہیں اور "ام کنت من العالمین" بن گئے ہیں۔ آپ جواب اس لئے نہیں دے رہے ہیں کیونکہ آپ قرآن وسنت نبیؐ سے بے بہرہ ہے۔ آپ اس لیے جواب نہیں دیتے چونکہ آپ کو دلیل کی بجائے تہمت سستی پڑتی ہے۔ اس لئے جواب نہیں دیتے کیونکہ آپ علوم لاحاصل پر مغرور ہیں۔

کلمہ "متنازع" اپنی جگہ دو مفہوم رکھتا ہے۔ ایک سادہ جو چنداں برا محسوس نہیں ہوتا

کیونکہ دنیا دار تزاحم ہے اور تزاحم سے ہی تنازع پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کے تنازعات کا خاتمہ ان کے پاس موجود قانون سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس تمام تنازعات کا حل قرآن اور سنت ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی نابغہ روزگار کیوں نہ ہو خطاء اور غلطی سے پاک نہیں لہٰذا ہم سے بھی سرزد ہوسکتی ہیں' آپ ثابت کریں کہ فلاں آیت یا فلاں روایت کے تحت آپ کی کتاب کے مندرجات غلط ہیں' ہم اصلاح کیلئے حاضر ہیں۔ جبکہ دوسرے مفہوم کے تحت دور رہنے کی ہدایت کا اشارہ ملتا ہے یعنی ان سے دور رہنا اور انہیں دور رکھنا ہی بہتر ہے۔ یہ متنازع کی ایک نئی شکل ہے جسے پندرہویں صدی کا متنازع کہا جاسکتا ہے یہاں دلیل و برہان' عدالت کی سماعت کی گنجائش نہیں' یہاں قومی قائدین کی تشخیص مصلحت ہی حاکم ہوتی ہے۔

یہ طاقتور اور کمزور کا تنازع ہے جہاں بھیڑیا لومڑی سے کہتا ہے کہ تم نے نیچے سے پانی پی کر میرا اوپر سے آنے والا پانی گندہ کیا تھا۔ ہمارے ساتھ بھی کچھ اس طرح ہو رہا ہے کوئی بھی ہمیں جو چاہے کہہ سکتا ہے جیسے وہابی' پرویزی' دشمن اہل بیتؑ لیکن ہمیں کچھ بولنے کا حق نہیں کیونکہ ہم متنازع شخصیت ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے قبلہ علامہ کیا دنیا میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جو غیر متنازع اور سب کا پسندیدہ و محبوب ہو۔ کیا خلفاء اربعہ' امام حسنؑ' امام حسینؑ' امام جعفر صادقؑ' ابوحنیفہ' شافعی' مالکی اور ہمارے ملک کے قائدین اپنے اپنے ادوار میں متنازع شخصیت نہیں تھے؟ کیا موجودہ قائد ملت متنازع شخصیت نہیں ہیں' ابھی بھی ان کے مقابلے میں چار پانچ امیدوار قیادت کیلئے عباء و قباء اچھال رہے ہیں؟ کیا آپ حضرات خود متنازع شخصیت نہیں ہیں؟ کیا متنازعہ شخصیت کی سزا روزگار تنگ کرنا' اقتصادی پابندی لگانا' بیوی بچوں کو بھوکا رکھنا ہے۔

ہمارے متنازع ہونے کی وجوہات' ان علمائے اعلام نے بیان نہیں کی بلکہ اجمال و ابہام گوئی کر کے وجوہات و توجیہات کی وضاحت کو مسئلہ تقلید پر چھوڑا ہے یعنی اگر ہم انہیں عالم دین مانتے ہیں تو جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے تسلیم کریں۔ اسی کا نام تقلید ہے۔ لیکن میں از خود بقول "پیاسا کنواں" بن کر اس کی وجوہات تلاش کرنا چاہتا ہوں اور قارئین کرام سے

استبصار کروں گا کہ وہ ہمارے سوالات کے روشنی میں جوابات کا جائزہ لیں:

۱۔ علمائے اعلام سے پوچھیں کہ ہمارا کونسا عمل ان کے نزدیک متنازعہ ہونے کی وجہ بنا؟ ابتدائی مراحل میں تشیع سے دفاع پر مبنی کتب جیسے؛ مذہب اہل بیت، شیعیت کا آغاز، فلسفہ امامت وغیرہ کتابیں باعث بنیں۔

۲۔ کیا امام حسینؑ کی حیات و قیام کے بارے میں پچاس سے زائد کتابیں ترجمہ‘ تالیف اور نشر کرنا باعث بنا۔

۳۔ کیا ائمہ طاہرینؑ کی سوانح وحیات پر منتشر کردہ سیرت معصومین‘ سیرت اہل بیت (در راہ حق)‘ آئمہ معصومین کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ‘ اہل بیت آیہ تطہیر کی روشنی میں‘ اہل بیت کی زندگی زمانہ کی نیرنگی جیسی کتابیں سبب بنیں۔

۴۔ کتاب اصول عزاداری‘ جس میں عزاداری کو عقل‘ عقلا‘ قرآن وسنت اور سیرت آئمہ طاہرین کے چارچوب کے سایہ میں قائم کرنے اور عزاداری سے فرق باطلہ‘ باطنیہ‘ قرامطہ اور نصیریوں کے شامل کردہ خرافات کو پاک کرنے اور آئمہ کی سیرت کے مطابق منانے کی سفارشات مرتب کی گئیں تھیں‘ جس سے فقیہ ”جامشورو“ خفا ہو گئے۔ یہ سبب بنی۔

۵۔ کتاب ”مثالی عزاداری“ جس میں فقہاء و مراجع کی طرف سے قمہ زنی‘ زنجیر زنی دیگر غیر شرعی مراسم کی حرمت پر مشتمل آراء ونظریات جمع کی گئیں تھیں جن سے برادران لالچی خفا ہو گئے۔ یہ سبب بنی۔

۶۔ کتاب ”امام وامت“ جس میں ہم نے نبی کریمؐ سے لے کر دور حاضر تک کے آئمہ حق اور آئمہ باطل کے جاری سلسلہ پر قرآن کریم کی آیت کے تحت تبصرہ کیا‘ جن سے نقویان خفا ہوئے۔ یہ سبب بنی۔

۷۔ ہماری کتاب عقائد ورسومات شیعہ سبب بنی‘ جس سے ہمارے پرانے احباب جناب آقائے صلاح الدین وجناب آقائے محمد علی صابری اور جناب آقائے شیخ عباس حیدری ناراض ہوئے۔

۷۔ کتاب "شکووں کے جواب" سبب بنی جس سے ہمارے سرکار "فقیہ اخباری" خفا ہوئے۔

۸۔ بقول خطیب بارع آغا سید علی موسوی صاحب دراصل ہمارے ہاں خرافات نامی کوئی چیز ہے ہی نہیں لہٰذا کلمہ خرافات کا استعمال نہیں کیا جانا چاہیے یا بقول خطیب آقای علامہ سید محمد تقی شاہ انہی خرافات سے ہمارے دین کو فروغ ملتا ہے ہم انھیں نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ایک حوالے سے درست بھی ہے کیونکہ دین اس سے فروغ ملے نہ ملے آپ کو تو مل رہا ہے۔

۹۔ قرآن سے پوچھو، قرآن اور مستشرقین، تفسیر موضوعی شہید صدر، انبیاءِ قرآن، سیرت نبی کریمؐ سے متعلق کتابیں باعث تنازع بنیں ہیں۔

اگر ہمارے علمائے اعلام قرآن وسنت نبی کریم کے تابع ہوتے تو اس تنازعہ کا حل قرآن کریم کی سورہ مبارکہ نساء کی آیت ۵۹ سے کرنا چاہئے تھا جہاں حکم دیا گیا ہے کہ کہیں بھی کوئی تنازع یا مسئلہ پیش آجائے چاہے وہ امام وقت کی تشخیص وتعین کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو، اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹا دو۔ اسی لئے مولا امیر المومنینؑ نے مسئلہ خلافت کے تنازع میں معاویہ کی پیشکش پر قرآن وسنت کے فیصلے کو تسلیم کیا۔ لیکن علماء کے نزدیک ان کی اپنی ذات تشخیص مصلحت اسلام وملت میں علیؑ سے مافوق ہے یا پھر وہ ہمیں معاویہ سے بدتر قرآن وسنت کو نظر انداز کرنے والا سمجھتے ہیں۔ مسئلہ چاہے جتنا اہم، خطرناک اور متنازع ہو اسکا حل قرآن کریم اور سنت نبیؐ میں موجود ہے کیونکہ اللہ اپنی کتاب کے بارے میں فرماتا ہے: "اس میں ہر خشک وتر کا فیصلہ ہے" جبکہ نبی کریمؐ نے فرمایا: "میری سنت میں خارش کے دیہ کا ذکر ہے" لہٰذا کہیں بھی اختلافی مسائل پیش آئیں تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف رجوع کریں۔

ہم اس تنازع کو جسے ہمارے علمائے اعلام نے ادھورا چھوڑا ہوا ہے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہم اسے ادھورا نہیں چھوڑیں گے کیونکہ اس مسئلہ میں اجمال گوئی وابہام گوئی سے انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا، نقصان تو ہمارا ہو رہا ہے لہٰذا ہم کوشش کریں گے کہ

اسکا فیصلہ ہو جائے لیکن ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ شکایت کہاں اور کس سے کی جائے۔ کتابوں کے ذریعہ کریں تو اگر بالفرض کوئی خریدتا بھی ہے تو اسے پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایوان عوام و عدالت سے کریں (معلوم نہیں پہلے فصلنامہ عدالت میں دی گئی درخواست کس کچرے کی ٹوکری میں پڑی ہیں) تو فرماتے ہیں؛ یہاں صرف قوم پرستوں اور لوٹا ازم کے حامیوں کی شکایات سنی جاتی ہے۔ یہاں دینی، اسلامی اور بحیثیت فرد مسلمان کسی قسم کے تنازعات کی سماعت نہیں ہوتی۔

یہاں غیر متنازع وہ ہے جو اثر اور رسوخ اجتماعی قوت بیانی جیسی بے نہایت صلاحیت کا حامل ہو ساتھ ہی اسے ایسے سامعین و ناظرین نصیب ہوں جن کی دلی خواہش ہو کہ مولوی یا عالم دین جتنی غیر عقلی گفتگو کرے اتنا ہی اچھا ہے کیونکہ اس سے دین جلدی فرسودہ ہوتا ہے۔ یہاں وہی عالم دین ہے جسے قلب حقائق کرتے ہوئے سفسطائی اور میکاولی کرنا آتا ہو، جو قرآن وسنت میں بیان، فضائل و مناقب اہل بیتؑ کے مقابل میں جاہلیت کے اشعار جسے اللہ نے اپنی کتاب قرآن اور نبی کی ساحت کیلئے نازیبا قرار دیا ہو، اسے بیان کرے اور سامعین سے داد وصول کرے یا پھر دشمنان اسلام کی خود ساختہ، بے سند روایات کو عقلی موازین سے عالمانہ، دانشورانہ، ملفوفات و ملفوظات کے انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت کا حامل ہے اور اس قسم کے واقعات نقل کرتا ہو:

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اپنے گھر میں پشت دروازہ کھڑی تھی۔ دروازہ کو دھکا دے کر گرا دیا گیا۔ زہرا گر گئی اور ان پر دروازہ گرا، اس وقت زہرا نے یا مہدی کہہ کر فریاد بلند کی۔

اگر یہ واقعہ بالفرض محال تسلیم کر بھی لیا جائے، تو وہ زہرا جس کی ماں خدیجہ الکبریٰ سرزمین مکہ میں دولت مادی کے ساتھ عقل فراست میں مونس رسول ہو۔ وہ زہرا جس کی بیٹی کا لقب عقیلہ قریش ہو۔ نعوذ باللہ اتنی بے عقل نہیں ہو سکتی کہ زندہ شوہر شہسوار میدان جنگ، فاتح بدر و احزاب وحنین کو نہ پکارے، جوار میں صاحب عزت و وقار چچا عباس کو نہ پکارے بلکہ اڑھائی سو سال بعد آنے والے امام حسن عسکری کے فرزند سے فریاد کرے۔ اس بات کا

امکان بھی رہتا ہے کہ انسان اس دنیا سے جانے والوں سے خطاب کرے جیسے اپنے پاس مدفون باپ کو "یا ابتا یا رسول اللہ" کہہ کر پکارے کیونکہ آپ عالم برزخ میں ہیں۔

اس قسم کا خطاب عقل وجدان دین وشریعت سے باہر تو ہے ہی لیکن اسے منبر سے بیان کرنے کے داد حاصل کرنے کا مطلب یہ ثابت کرنا ہے کہ یا تو قوم غیر عاقلانہ باتیں پسند کرتی ہے یا پھر مولوی حضرات فرسودہ و باطل ہیں تاکہ مسلمانوں کو یرغمال بنا کر کفر کے سپرد کرسکیں' لہٰذا جو مولوی بھی احمقانہ بات کرتا ہے یہ اسے پسند کرتے ہیں۔

اور ایسا ہی ہے کیونکہ اس وقت معاشرے پر نصیریوں' غالیوں' فرقہ ضالہ کے عقائد ہر طرف' ہر دینی درسگاہوں اور مراکز علماء پر چھائے ہوئے ہیں۔ وہ جو چاہتے ہیں ان سے کہلوا لیتے ہیں۔ یہ بھی ان کی خوشنودی اور مفاد کی بات کرنے میں ذرا بھی نہی جھجکتے' اسی لئے غیر متنازع شخصیت بنے ہوئے ہیں۔ ہم چونکہ ان کے عقائد اور رسومات کیخلاف لکھتے اور بولتے ہیں' لہٰذا متنازع بن گئے ہیں۔

مجھے بھی وقت و حالات اور قوم وملت کے پسندیدہ موضوعات پر لکھنا چاہیے تھا جیسے فضائل ذوالجناح' فضائل علم' چندہ' جعلی ضریحوں کا طواف' نذر و نیاز' یا کسی پرانے مجتہد کی توضیح المسائل کے سرورق اور آثار کو اپنے نام سے چھاپنے اور صبح و شام امام وقت سے ملاقات کرنے والوں کی کہانیاں شائع کرنی چاہیے تھیں۔ قادیانیوں' بابیوں اور بہائیوں کی آمد کیلئے زمینہ سازگار کرنا چاہیے تھا۔ دین وشریعت کو کنارے پر لگا کر آیت اللہ بہجت جیسوں کیلئے راہ ہموار کرنے والوں' مارکسیزم کی تاسی کرتے ہوئے بے جا مسلمانوں کی املاک تباہ کرنے والوں کو داد دینے والوں' سرمایہ داروں کی عیش ونوش اور گذر اوقات' فضائل تقلید و مجتہدین اور ان کے غیر محدود اختیارات' خمس وغیرہ پر تنقید نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مجھے ان کے خلاف نہیں لکھنا چاہیے تھا جو دین کے تمام عقائد و احکام کو توڑ موڑ کر کتاب اللہ کی صریح آیات اور مسلمہ سنت رسول کے خلاف محفل ومجالس سجاتے ہیں۔

یہی حضرات آزادی کا نعرہ لگا کر ان لوگوں کے اباطیل کی تائید فرماتے ہیں گویا اس ملک میں اگر باطل زندہ اور آئے دن ان کی طاقت وقدرت میں اضافہ ہو رہا ہے تو یہ انہی

علماء کے شریف کاندھوں کی مرہون منت ہے۔ یہاں غالیوں اور نصیریوں کا راج ہے اور یہ حضرات ان کی زرخرید خطیب وامام ہیں۔ آپ حضرات اسی لئے غیر متنازع شخصیات ہیں۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہماری کتابیں نوجوان نسل کے عقائد خراب کر رہی ہیں اور اس سے زیادہ خطرناک یہ کہ دشمن کے ہاتھ لگ رہی ہیں۔

اگر ان سے کہا جائے کہ اس قسم کی بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھی جا چکی ہیں۔ تو بقول دوست گرامی فیاض صاحب مقیم کینڈا کہ آئندہ اردو کی بجائے فارسی یا عربی میں کتابیں لکھیں تاکہ یہاں کے لوگوں پر اس کا اثر نہ پڑے' لیکن شاید اس نوجوان شاعر کو' جو اپنا دین پھیلانے کیلئے بلاد کفر ہجرت کر گئے ہیں پتہ نہیں کہ ہم پاکستانی ہیں اللہ نے ہمیں اپنی قومی زبان میں تبلیغ کا حکم دیا ہے۔

ملک کے گوشہ وکنار میں موجود عوام اور جاہل ونادان انسانوں کی سنی سنائی باتوں کو وحی مُنزل' حقیقت ناقابل انکار کے طور پر تسلیم کرنے والے فرسودہ خرافات فروشوں اور ان کے پرستاروں نے اپنے غصے' بددعاؤں اور لعن وطعن کا رخ میری طرف کیا ہوا ہے۔ ان کی یہ تبلیغات اتنی پھیل گئی ہیں کہ بعض دیرینہ دوستوں پر بھی ان کا اثر ہوا اور وہ بھی ہم سے کٹ کر حزب مخالفین میں شامل ہو گئے۔ کل تک ہم جن کیلئے مرشد تھے' آج ان کے نزدیک مفسد بن چکے ہیں' وہ ہم سے ملنا پسند نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں عام نشست وبرخاست' مکالموں کے علاوہ علاقائی اجتماعات میں بھی ہمارے بارے میں اظہار نظر کرنے کیلئے کہا جاتا ہے جس کا مقصد ہماری مذمت کرنا ہے۔ اس سلسلے میں بعض علمائے اعلام کبھی نام لے کر اور کبھی نام لئے بغیر ہمیں مطعون کرنے اور ایک کونے پر لگانے میں مصروف ہیں۔ اس سلسلے میں چند گزارشات کا خلاصہ بطور نمونہ ذیل میں پیش کرتے ہیں؛

مولانا محمد علی توحیدی

مولانا جب مروجہ علوم میں سند وکالت حاصل کر کے واپس آئے تو بہت سے لوگوں کو ان پر رشک آتا۔ انہوں نے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیں کہ یہ شخص دوسروں سے

مختلف ہوگا کیونکہ آج کل ہمارے ہاں علوم دینی حاصل کرنے والے دنیا و مافیھا سے جاہل و نادان ہوتے ہیں، ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں جبکہ مروجہ علوم والے دین و مذہب سے نابلد و نادان ہے چنانچہ جب شمالی علاقہ جات میں اسلامیات کا تصفیہ کر کے غیر اسلامیات جاگزین کرنے کی تحریک چلی تو دانشگاہوں میں مصروف اور فارغان کا مطالبہ تھا کہ اس وقت باعث انتشار اسلامیات ہے لہٰذا اسے نصاب سے خارج کر دیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں دین سے ضد ہے۔ ہمارا معاشرہ ایک حوالے سے دیندار ہے تو دوسری طرف معاملات زندگی، دین با آمیزش مغرب گرائی کا خواہاں بھی ہے، لہٰذا انہیں دو آنکھوں والے عالم دین کی ضرورت ہوتی ہے اسی لئے ان کی امیدوں کا پرندہ، کسی گم گشتہ شکار کی تلاش کرتے کرتے آپ کے سر پر آبیٹھا۔

آپ نے حوزہ علمیہ قم میں دوران قیام، نہج البلاغہ پر ایک کتاب "سیری در نہج البلاغہ" تالیف شہید مطہری کا اردو میں با محاورہ ترجمہ کر کے ہمیں عنایت کیا جسے خاص و عام میں مقبولیت حاصل ہوئی لیکن آپ کے بلتستان پہنچنے اور میدان عمل میں وارد ہونے کے بعد، سلف وخلف صالحین بلتستان میں ڈھلنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے بہت سوں کی امید و آرزو پر پانی پھر گیا اور آئندہ کسی سے امید باندھنے کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا۔ ساتھ ہی اور بہت سوں کے خواب شرمندہ تعبیر بھی ہوئے جیسے درسگاہوں سے اسلامیات نکالنے یا اسے کونے پر لگانے کے خواہشمند حضرات۔ مولانا کے بھی داخلی محرکات اور نقطہ نظر ہمارے دیگر اکابر علماء سے ملتے جلتے ہیں جن کا فرمان ہے کہ جب تک ہم اقتصادی طور پر خودکفیل نہ ہو جائیں، علوم جدید حاصل نہ کرلیں، اشرف انسان نہیں ہو سکتے، ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمارے بزرگان قوم جناب آقای علی موسوی، آغا شیخ محمد حسن جعفری، مرحوم شیخ غلام محمد، قائد ملت جعفریہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے کہ ہم خالص دین لوگوں کو نہیں سکھا سکتے، دین کے ساتھ ان کی روزمرہ معاشی زندگی کا بھی بندوبست کرنا ضروری ہے۔ یہ بیدار اور آگاہ علماء کی محققانہ و مدبرانہ آخری تحقیقات ہیں جو طویل عرصہ بعد مارکسیزم، کمیونزم اور سوشلزم سے گزرتے ہوئے بالآخر لوٹا ازم تک پہنچی ہے۔ اسی لئے قائد مرحوم علامہ شیخ غلام

محمد اور دیگر اکابر علماء بلتستان نے پہلے دن سے ہی مذہبی عبا اتار کر سوشلزم کی عبا اپنے دوش پر رکھی۔ علامہ موصوف سے اسلام و مسلمین کیلئے توقعات رکھی جا رہی تھیں لیکن انھوں نے بھی اپنے سلف صالح کے تجربات سے انحراف کو غیر مصلحت سمجھا۔ اسی نقطہ نظر کے تحت انہوں نے جامعۃ النجف بنانے کے بعد پہلے مرحلہ میں طالب علموں کو سادہ صرف ونحو کے ساتھ کمپیوٹر اور کالج کا امتحان پاس کروانے کی ذمہ داری بھی اپنے دوش پر لی۔

دوسرے مرحلے میں بواشاہ عباس کے غنا سے بدتر قصائد ہیں۔ میں ان قصائد کو غنا سے بدتر اس لئے کہتا ہوں کہ غنا ایک فعل حرام ہے جس کے مرتکبین کو آج بھی بلتستان کے عام مومنین کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں غناء کے مرتکبین کا عمل ان کے گلے پر ہے' جبکہ بواشاہ عباس کے قصائد تناسخ ارواح آئمہ طاہرینؑ' ان کی ارواح کی خلقت قبل از خلقت عالم کے علاوہ قرآن کریم سے استہزائی باتوں پر مشتمل ہے اس حوالے سے یہ غنا سے بھی بدتر ہے۔

آپ نے ان شرک' کفر وغلو سے پُر قصائد کا پرچار کیا تاکہ ملک میں موجود نصیر یزم' الحادیزم' لوٹا ایزم کا ٹولہ آپ کو جہاں دیدہ روشن خیال عالم کہے اور اسی سلسلے میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کیلئے آپ کو ایک بحر فیاض سے رشتے جوڑنے کی توفیق بھی نصیب ہوئی۔

ان کے علاوہ آپ کے کارناموں میں سے ایک' فرقے کی ایک شاخ کو کاندھا دینا ہے یعنی "فرقہ نوربخشیہ" جو امامیہ کی شاخ ہے جس کی آپ پشت پناہی کرتے ہیں' دوسرا فرقہ صوفیہ کا ہے۔ ہم کسی بھی فرقہ مسلمان جو کلمہ گو' ضروریات اسلام کا پابند ہو احترام کرتے ہیں تعجب اس بات پر ہے کہ آپ کو فرقہ امامیہ' صوفی سے بہتر کیوں نظر آیا۔ فرقہ امامیہ بھی صوفی کی طرح ہی ہے؛ امامیہ تقلید کے قائل ہے' تقلید چاہے زندہ کی ہو یا مردہ کی صوفیوں کی اختراع وابتکار ہے یہ شناخت صوفی ہے۔ دوسرا آئمہ اور اولیاء کے معجزات اور کرامات اور امامت کو نبوت کے برابر قرار دینا بھی صوفیوں کا عقیدہ ہے۔

علی آباد کے نئے تعمیر کردہ ماتم سراء کا افتتاح ہوا۔ یہ ماتم سراء بنا بر نقل وقرائن اور شاہدین ایسے افراد کے اموال سے تعمیر ہوا ہے جن کا کاروبار' تجارت اور تمام سرگرمیاں وکاوشیں لوگوں کو دین اسلام سے دور رکھنے کے لیے صرف ہوتیں ہیں۔ اس وقت مفاد پرست بلکہ

دین سے اجنبی لوگ مقامی علماء کی عبا کے نیچے مساجد وامام بارگاہ بنانے میں مصروف ہیں۔ یہ ماتم سراء ایسے مال سے تعمیر کی گئی ہے جو نص قرآن کے تحت حرام ہے۔ چنانچہ اس سے یہ توقع رکھنا کہ یہاں آئندہ ترویج واشاعت اسلام کی باتیں ہوں گی (جو پہلے کبھی نہیں ہوئیں) سراب ہے کیونکہ خطیب وذاکر کا اصرار ہے کہ وہ جعلیات وخرافات چھوڑنے کو تیار نہیں۔ جبکہ دین جاہلیت اور جھوٹ سے فروغ نہیں پاتا، لہٰذا انہوں نے اسی مناسبت سے ایسے علماء کو بلایا جو ان کے اہداف ومقاصد کی وضاحت وترجمانی کریں۔ ان علماء میں سے ایک ہمارے پرانے دوست جناب مستطاب قبلہ مولانا محمد علی توحیدی صاحب ہیں۔

مولانا ۱۵ شعبان کو ہمارے علاقہ علی آباد میں مدعو تھے اور اس سال کے جلسہ کا عنوان (تقریباً غیر اعلانیہ طور پر) "شرف الدین کی کتابیں اور ان کے افکار ونظریات کا تجزیہ" تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ آپ نے علامہ حافظ نوری سے پہلے خطاب فرمایا یا بعد میں لیکن یہاں انھوں نے انصاف پر مبنی ایک جملہ ارشاد فرمایا: "ہمیں دوسروں کی منطق کو فوراً رد نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کے دلائل بھی سننے چاہیے۔" یہ انسان عاقل ومنصف کا کلام ہے لیکن پھر آگے جا کر اسے پھر انہی فرسودہ افکار سے جوڑتے ہوئے فرماتے ہیں: "لیکن ہماری بنیادی افکار اور مسلمات مذہب کو نہیں چھیڑنا چاہیے جیسے اجتہاد وتقلید وغیرہ"

میں اس سلسلے میں علامہ موصوف سے استفسار کروں گا کہ آپ نے جو فرمایا بنیادی عقائد کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔ بنیادی عقائد سے آپ کی مراد کیا ہے؟ کیا ہمارے بنیادی عقائد میں ذوالجناح اور جھنڈے جو ترقی کرتے کرتے سکردو میں میلہ پرچمی کی شکل اختیار کر گئے ہیں جس کی مقتدر علماء سرپرستی فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: "جیسے اجتہاد وتقلید"۔ تعجب کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو اجتہاد کے نام پر قرآن اور سنت نبی کریم کے خلاف فتویٰ صادر کرنے کا حق' غیر محدود اختیارات کے ساتھ دیتے ہیں، لیکن ہمیں اس قسم کے اجتہاد کو باطل کہنے کا بھی حق نہیں دیتے۔ ہمیں بھی اس اجتہاد کے خلاف اجتہاد کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ اب تو مجتہدین نے اپنے بڑے القابات سے استفادہ کرتے ہوئے اصل وعدے یعنی فتویٰ کا قرآن وسنت سے استنباط سے

انحراف کرتے ہوئے فتاویٰ' قرآن وسنت کے خلاف دینا شروع کر دیئے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے حضور اس حکم کی سند کس آیت اور روایات سے ملتی ہے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں مسلمات مذہب کے خلاف سوال کرنے کا حق نہیں یہ حق تمہیں کس نے دیا؟ اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے بہت سے فتاویٰ قرآن وسنت کے خلاف صادر کر دیئے ہیں۔ ممکن ہے آپ جیسے دیگر افراد یہ کہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا' کس کی ذمہ داری ہے اس کا تعین کون کرتا ہے؟

بہر حال علامہ بزرگوار سے بہت سوں کی طرح اس حقیر نے بھی یہ امید باندھی ہوئی تھی کہ آپ دین کو سادہ زبان میں پیش کر کے ہماری لکنتِ زبانی کے خلل کا جبران کریں گے اور اب لوگ دین کو آپ کے توسط سے بڑی خوشی سے اپنائیں گے لیکن آپ کو بھی یہ نصیب نہیں ہوا کیونکہ آپ میں خدمت دین سے زیادہ خدمت خلق گھر کی ہوئی تھی لہٰذا آپ نے خدمت خلق والے امر کو ترجیح دی تاکہ آپ ایک وسیع نظر عالم دین بن سکیں' جو اپنی توانائیاں امت مسلمہ کو لاحق خطرات کے ازالہ میں صرف کرے لیکن یہاں بھی آپ نے اپنی تمام تر توجہ ایک چھوٹے فرقے تک محدود رکھی جو دیگر بزرگان دین کی سیرت رہی ہے۔

ایک عرصے سے مذہب کی جڑوں اور بنیادوں کو بوسیدہ کرنے کیلئے مختلف و متعدد ذرائع و وسائل اپنائے جا رہے ہیں۔ جس کی ایک کڑی مذہب میں شامل کردہ خرافات' فرسودہ و بے اساس عقائد و افکار ہیں' اسی کا ایک تسلسل "اجتہاد و تقلید" ہے۔ جس کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرے یا ان میں موجود سقم کی نشاندہی کرے تو وہ مورد عتاب قرار دیا جاتا ہے۔ ابتدائی مراحل میں اسے سنی یا وہابی کا لقب ملتا ہے کیونکہ یہ الزام انہیں دلائل و براہین دینے کی زحمت سے بری کر دیتا ہے' بعد میں استعماری ایجنٹ کا تمغہ دیا جاتا ہے' اور آخر میں جینے' بولنے اور لکھنے والوں کا روزگار کو تنگ کیا جاتا ہے۔ بہر حال کوئی مافوق انسان ہی ہوگا جو یہ کہے کہ یہ پروپیگنڈہ' استہزاء' اہانتیں اور ان جیسی دوسری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ غلط ہے' بہت اثرات پڑتے ہیں اگر یقین نہیں آتا تو تجربہ کر کے دیکھ لیں۔

ہم یہاں پر کسی کو مقابل بالمثل مناظرہ مجادلہ یا دیگر طرائق مقابلہ کی دعوت دیں گے نہ

خود کو درویش پیش کریں گے کہ یہ چیزیں مجھے روک نہیں سکتی ۔ میرے اندر کسی قسم کی حول و قوت نہیں ہے جو کچھ تھی وہ بھی ختم ہو چکی ہے ۔ اب وہ جتنے دن مجھے یہاں رکھنا چاہتا ہے اس سے اتنے دن کی غذائے جسمانی کے ساتھ، غذائے روحی یعنی سکون قلب کا طالب ہوں ۔ تاہم ان صفحات کو سیاہ کرنے میں مدد کرنے والوں کی خدمت اور احسانات کو نظر انداز اور فراموش نہیں کر سکتا، اگر میں انھیں اپنی طرف سے حق زحمت پیش نہ کر سکا تو رب العزت سے ان کیلئے طلب عزت کا خوستگار ہوں، رب جلیل سے متمنی ہوں کہ وہ انہیں سعادت دارین نصیب کرے ۔

جن عزیزان و برادران نے میرے محفوظات وملفوظات کو صفحات قرطاس پر لانے میں میری معاونت کی ان میں میرے عزیز بھتیجے سید محمد، میری عزیز بیٹی زہرا بتول، بہو ذکیہ موسوی محمد باقر، جناب ملک اظہر، جناب خادم حسین، جناب مبشر حسین، جناب تاثیر شاہ، جناب ارشد عباس شیرازی، جناب محمد علی نقوی، جناب ابرار حسین اور جناب سید ناصر شاہ نقوی صاحب ہیں ۔ جو کچھ ان صفحات میں قارئین کیلئے ناگوار ہو وہ میرے کھاتے میں حساب کریں، ان ذوات نے صرف میری معاونت کی ہے ۔

اسلام و مسلمین کی سربلندی اور روئے زمین پر عباد صالحین کے پرچم کی بلندی کا متمنی

علی شرف الدین

کراچی

یکم رجب المرجب ۱۴۳۱ ھ ق

اجتهاد

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ لا

وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ لا وَاحْلُلْ

عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ لا يَفْقَهُوْا

قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾ ص

(سورہ مبارکہ طٰہٰ)

اجتہاد وتقلید

پاکستان میں موجود مصانع خرافات کی طرف سے مجتہد پرستی اور تقلید فروشی کے بارے میں اب تک مندرجہ ذیل اشتہارات دیئے گئے ہیں۔

اجتہاد وتقلید ہماری ضروریات مذہب میں سے ہیں۔ اس سے چھیڑ چھاڑ' شیعہ مذہب کی اساس و بنیاد سے چھیڑ چھاڑ تصور کی جائے گی۔ ان کے بقول مستشرقین کو اس سے بہت چڑ ہے۔ ان کا کہنا ہے؛ شیعہ مذہب کی بقاء ودوام اس اجتہاد وتقلید کی وجہ سے ہے۔

تقلید جس کے بہت ترانے گائے جاتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کتنی اقوام و مذاہب نے تقلید کے ذریعے ترقی کی منازل طے کیں ہیں یا کر رہی ہیں۔

اجتہاد ہمارے دین کی اساس ہے

اس بارے میں چون و چرا' چھیڑ چھاڑ کرنے والے مطعون و معتوب اور مبغوض ملت قرار پاتے ہیں۔

ہماری کتاب "افق گفتگو" کے منظر عام پر آنے کے بعد بہت سے علماء' طلباء و دانشوران نے یہ نظریہ بنالیا کہ میں اجتہاد وتقلید کا مخالف ہوں۔ اس نظریہ کے داعیوں میں قائد محترم علامہ ساجد نقوی صاحب پیش پیش ہیں۔ سنا ہے انہوں نے حوزہ علمیہ قم میں چندین بار نجی وغیر نجی محافل میں کہا ہے کہ اب تو ہماری اساس کو چھیڑا جا رہا ہے۔ اس طرح ڈیرہ اسماعیل خان کے مدرسہ جاڑا کے بانی علامہ حسین بخش جاڑا' علامہ محی الدین کاظمی اور علامہ افتخار نقوی بھی اس کے داعیوں میں سرفہرست ہیں۔ بعض مواقعوں پر دیگر علماء نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ انہیں میں سے ایک ہمارے علاقے کے علوم قدیم و جدید کے جامع علامہ توحیدی صاحب ہیں۔

ہمیں بزرگوں سے مباہلہ، مناظرہ اور مجادلہ نہیں کرنا بلکہ ہمیں اسکی اساس دین ہونے کے دعویٰ کو واضح و روشن کرنا ہے۔ جہاں تک تقلید کے دین کی اساس ہونے کی بات ہے تو اس بارے میں بہت وضاحت سے "فصلنامہ عدالت" میں بیان ہو چکا ہے۔ یہاں ہم اجتہاد کے دین کی اساس ہونے کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ اس سلسلے میں ہماری طرف سے ان بزرگان کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں۔

۱۔ کیا کسی چیز کے اساس ہونے کیلئے صرف بزرگان کا دعویٰ یا اجماع نقلی کافی ہے یا پھر اساس بننے کیلئے کسی مسلم اساس سے جوڑنا یا ملانا ضروری ہے؟ اجتہاد اساس ہے۔ اس کی اساس کیا ہے؟

۲۔ اجتہاد جو آپ کے دین کی اساس ہے، اس میں مجتہدین اپنی ذاتی، نفسیاتی، علاقائی، قومی، فرقہ کے مصالح و مفاسد کے تناظر میں فتویٰ دینے میں خودمختار ہیں؟ جو کچھ وہ اظہار نظر فرماتے ہیں وہ ملت پر واجب اور حجت ہے؟ چاہے اس کے فتاویٰ صریح آیات قرآنی، سنت پیغمبر سے متصادم ہی کیوں نہ ہو یا اسکی مطابقت قرآن و سنت سے ہونا ضروری ہے۔

۳۔ اجتہاد جسے اساس کہا جاتا ہے۔ کیا ایک انسان کے مجتہد بننے کے بعد لوگوں کی جان و مال اور مقدرات کا مالک بن جانا اور بے تحاشا اختیارات کا حامل ہونا بھی اس اساس نامہ کا حصہ ہے۔

ہماری عرائض بھی پڑھیں

ذیل میں ہم اجتہاد کے بارے میں چند سطور نظر قارئین کریں گے تاکہ دانشمندان و دانشوران ہمارے عرائض بھی بزرگان کی فرمائشات کے ساتھ پڑھیں۔

مجتہد کی تقدیس واحترام کا دائرہ

مجتہدین کو انتہائی عزت واحترام دے کر ان کا چرچہ کرنے والے، دین کے چور، ڈاکو اور اسلام کو یرغمال بنانے والے سیکولر اور لادین طاقتیں ہیں جو دین کا گلہ گھونٹ کر تھوڑی بہت

دینی غیرت رکھنے والوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتی ہیں۔ یہ لوگ اس کام کیلئے عمامہ پوش شخصیات کی سرپرستی، مراجع کی نگرانی یا پھر مجتہدین کے فتاویٰ کے زیرِ سایہ چلنے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس گروہ کیلئے اگر مقامی عمامہ پوش افراد کارآمد ثابت نہ ہوں تو ان کا کہنا ہوتا ہے ہم یہاں کسی کی بات نہیں مانتے ہم صرف مراجع کی بات مانتے ہیں لیکن جب کسی ایسے مرجع کا فتویٰ آتا ہے جو ان کے مفاد سے متصادم ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ ہمارے مجتہد کا فتویٰ نہیں۔ اگر کام پھر بھی کام نہ بنے تو دفتر استفتاء کے مسئولین سے رابطہ کرتے ہیں اور ان سے کہلوا دیتے ہیں کہ یہ فتویٰ اس علاقے کیلئے نہیں یا سرمایہ داروں کیلئے نہیں کیونکہ وہ تو خود مجتہدین کو فتویٰ دیتے ہیں۔ اسی لئے بیان میں چندین بار "اگر، مگر" کا تکرار کر کے فتویٰ اپنے حق میں تبدیل کرا لیتے ہیں تاکہ اپنی من مانی اور من پسند توجیہہ کے مطابق کام چلا سکیں۔ جب ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مجتہدین اور مراجع کا کوئی تقدس و احترام نہیں۔ چاہے یہ صورتحال پاکستان کی ہو یا دیگر مقامات کی۔ جہاں کہیں بھی یہ گروہ موجود ہے ان کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ان کی گزر اوقات انہی باتوں کی مرہون منت ہے۔ فقہاء کے اسی قسم کے فتاوی کی وجہ سے مذہب خرافات سے پُر ہو چکا ہے اور باطل اس میں داخل ہو رہا ہے۔

قوم و ملت کی بقاء کا دوسرا ستون تعلیم ہے۔ ملحدین و کافرین سے اس کے حصول کے بارے میں یہ شخصیات پہلے دن لاحرج، دوسرے دن جائز اور تیسرے دن احتیاط کہہ کر پہلو بدلتے ہیں۔ اس کے متعلق "اشکال، حرام، منع" کا فتویٰ ہرگز نہیں دیتے اور نہ دینے کیلئے آمادہ ہیں۔ اسی طرح انہوں نے قسم قسم کی جھوٹی کہانیوں، افسانوں اور فرضی مجہول الحال یا معلوم الحال جھوٹی کتابوں اور گمنام وضعیف حوالوں سے فضیلت کا نام دے کر عزاداری میں بیان کیا اور پھر انہی رائج باطل رسومات کی تائید میں فتویٰ دیئے جس کی وجہ سے آج رائج عزاداری میں دین نام کی کوئی چیز نہیں رہی بلکہ جھوٹ اور بدعات وخرافات نے دین کی جگہ لے لی ہے۔

کسی فقیہ کی حمایت یا مخالفت

ہمیں ان صفحات پر فقہائے عظام میں سے کسی کی بھی فرد کی حمایت کرنی ہے نہ مخالفت بلکہ ہمارا مدعا یہ ہے کہ یہ دین پوری انسانیت کیلئے ہے اور پوری انسانیت کیلئے پیش کیا جانے والا دین گونگا بہرا نہیں ہوسکتا۔ اس عالمی دین میں ایسا کوئی مواد نہیں جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ ”تم اسے نہیں سمجھ سکتے‘ سب باتیں تمہیں بتانے کی نہیں ہوتیں صرف اوپر والے جان لیں تو کافی ہے‘ نیچے والے گلہ گوسفند ہیں جو ہمیشہ دیوانے اور نابالغ کا حکم رکھتے ہیں۔“

اجتہاد جس کی موافقت ومخالفت اور ضد ونقیض میں طنزیہ ترانوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں وہ امت مسلمہ کو حقائق کے ساحل پر پہنچانے اور حقیقت سے روشناس کرانے کی بجائے اسے پیٹھ دکھانے‘ حقائق سے آنکھ چرانے اور منزل کی طرف جانے کی بجائے رجعت پسماندگی وقہقرائی کی طرف لے جانے دلیل دیتا ہے‘ اسے تحقیقات کے راستے سے ہٹا کر تقلید کی پٹڑی پر لگا رہا ہے۔ اس صورتحال کے بارے میں صاحبان ذوق وادب بہترین مرثیہ سرائی کرسکتے ہیں لیکن اردو ادب سے آشنائی نہ ہونے اور شعر اور شعراء کی مخالفت کی وجہ سے ہم اس وادی میں نہیں جانا چاہیں گے۔

ایک مسلمان کی زندگی میں دو قسم کے ارتباط پائے جاتے ہیں: ایک اس کا اللہ سے رابطہ ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے جبکہ اس کا دوسرا رابطہ کائنات اور اس میں موجود ذخائر اور انسانوں سے ہے کہ ہر انسان کا اس میں سے کتنا حق بنتا ہے اور وہ کیسے صاحب حق بنتا ہے۔ ان دونوں رابطوں کے بارے میں موجود اصول وضوابط کو ”فقہ“ کہتے ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی‘ نماز وروزہ‘ حج وزکوٰۃ‘ انفاق وغیرہ کے احکام آتے ہیں۔ دوسرے لوگوں سے رابطہ کے سلسلے میں جہاد امر بہ معروف ونہی از منکر‘ خرید وفروخت‘ قصاص‘ دیات‘ رہن و اجارہ وغیرہ کے احکام آتے ہیں۔

پیغمبرؐ کی حیات طیبہ کے دوران مسلمان ان دونوں رابطوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ احکام ومقررات پر قرآن کریم کی آیات سے یا خود پیغمبر اسلامؐ سے

سوال کرکے عمل کرتے تھے۔پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد مسلمان درپیش مسائل میں برجستہ، صف مقدم، عالم ودانا، حافظ آیات وروایات اصحاب سے استفسار کرتے تھے۔جیسے جیسے فاصلہ بڑھتا گیا، اخذ احکام شرعیہ میں مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں، یہاں تک کہ علمائے اعلام جو عام انسانوں کی طرح بشری تقاضے اور موثرات خارجی اور حکمرانوں کی دباؤ کے علاوہ فہم احکام میں اختلاف درجات کی وجہ سے بھی اختلافات رکھتے تھے، آپس کے تعلقات وروابط میں بھی تضاد، تناقض اور تزاحم وغیرہ کی نوبت آئی۔اسی لئے دور خلافت عباسی میں مستفتی سے زیادہ مفتیان بن گئے۔اخری ادوار عباسی میں خلیفہ وقت نے تمام فقہائے اعلام کو مجبور کیا گیا کہ اب چار فقہائے عظام کے فتاویٰ تک محدود رہا جائے۔یہیں سے تقلید نے جنم لیا اور "اجتہاد" کا دروازہ بند ہوگیا۔اگر برائے نام "اجتہاد" باقی رہا بھی تو وہ تیسرے درجے کا اجتہاد تھا یعنی فتاوائے مجتہدین پر عبور حاصل کرنا جو تقلید ہی کی شکل ہے۔
حتی مجتہدین کی اجتہاد بھی آراء اور تصرفات علماء وفقہا پر انحصار کرتی ہے۔

موضوع اجتہاد کو کبھی کھولنے کی جرأت وہمت نہیں کی گئی۔یہاں تک کسی حکم کے بارے میں قرآن وسنت سے استناد کا سوال بھی مسلمات دین کے خلاف قرار پایا۔جس طرح اجتہاد کیلئے بعض نے قصائد انشا کئے اور ترانے پڑھے ہیں، اسی طرح تقلید کے فوائد اور ثمرات کے بارے میں بھی مدح سرائی کی گئی ہے۔اور جو چیز دین اسلام کی اساس کے خلاف تھی، اُسے دین کی اساس میں شمار کیا جانے لگا۔

اجتہاد ایک اہم مسئلہ

عصر حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل اور ان کے اذہان کو سرگرم ومضطرب رکھنے والا ایک اہم مسئلہ اسلام کا جدید دور کی ترقی وتمدن کے بارے میں نقطہ نظر اور موقف ہے۔کیا اسلام انسانیت کو لاحق جدید اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں کسی قسم کی فکر ونظر اور عملی ہدایات وتجاویز پیش کرسکتا ہے؟ اسلام عالمی سطح کے اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں امت مسلمہ، مسلمان ممالک میں بسنے والے غیر مسلموں اور غیر اسلامی ممالک

میں قیام پذیر مسلمانوں کیلئے کیا ہدایات اوران کی مذہبی ودینی مشکلات کا کیاحل پیش کرتا ہے؟ خاص کرجب ملحدین وکافرین نے اپنی سیاہ وپست ثقافتی جنگ کا رخ مسلمانوں کی طرف کیا ہوا ہے؟

اسلام' جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آلعمران:۱۹)

لہٰذا اسلام کسی قسم کے تغیرات اوردگرگونی سے متاثر نہیں ہوتا' چاہے انسان اس کرہ ارضی پر رہے یایہاں سے کہیں اور چلا جائے' اسلامی عقائد ناقابل تغیر ہیں۔ اسلام' تغیرات سے مقابلہ ومبارزہ کرتا ہے' تغیرات میں اتنی طاقت وقدرت نہیں کہ وہ اسلامی عقائد کو چیلنج کر سکیں۔ اگرکسی عقیدے میں کوئی خلل یااس کی تعبیر وتفسیر میں کوئی پیچیدگی یا گونگاپن ہواوروہ ناقابل فہم ودرک ہوتو سمجھ لیں کہ وہ مذاہب باطلہ کی پیدا کردہ ہے۔ اسی لئے انسان کوالفاظ و معانی کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ اس کے الفاظ کاغلبہ سرحد سے نکل کرجھوٹ میں داخل ہوجاتا ہے جسے عرف عام میں مبالغہ کہتے ہیں جبکہ عرف خاص میں اسے شعرکہا جاتا ہے۔ اگرمعانی' الفاظ کے قالب سے باہر ہوں تو کلام معما اور گونگ بن جاتا ہے' جیسے عقائد ثنویت' تثلیث اورغلو' خلقت کائنات سے پہلے آئمہ کا وجود' حلول' تناسخ وغیرہ۔

دین مقدس اسلام کے مصادر قرآن اورسنت رسول اللہ ہیں۔ قرآن ہر قسم کے عیب ونقص سے مبراء ہے۔ دین اسلام کوتسلیم کرنے کے بعداس کی فروعات پراگرغور کریں تو واضح ہوگا کہ دین کی فروعات' زمانے کی دگرگونی کے ساتھ مقابلہ ومزاحمت کرتیں ہیں کیونکہ یہاں فروعات کا سرچشمہ ومنشاء عقیدہ ہے' اس لئے یہ دیگرنظاموں کی مانند نہیں جووقت وزمان اور حوادث کے تناسب سے تبدیل ومتغیر ہوجاتی ہیں جہاں ایک گروہ کی ضروریات دوسرے گروہ سے مختلف ہوتی ہے۔ فروعات دینی مِنْ جانبِ اللہ ہیں۔ اس نے یہ فروعات' علاقہ و زمان اوررنگ ونسل کی بنیاد پرنہیں بنائے بلکہ یہ انسان اوربشریت کی بنیاد پربنے ہیں یہاں علماءفروعات کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

فروعات کی تقسیم

۱۔ وہ فروعات جو رہتی دنیا تک انسان کی ضروریات میں سے ہیں۔ جن کا ہونا ہر انسان کیلئے ضروری ہے۔ قطع نظر رنگ، نسل، عالم، جاہل یا آزاد و غلام کے۔ یہ فروعات وقوانین اس سے بالاتر ہیں کہ متاثر ہوں۔ اگر ان فروعات کو تغیر پذیر تسلیم کیا جائے تو پھر خالق اور مخلوق کے بنائے ہوئے نظام میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

۲۔ انسان کے کمالات و جمالات، اسکی ثانوی احتیاجات تغیر پذیر اور زمان و حالات سے متاثر ہوتی ہیں۔ یہاں تغیر و تبدیلی ناگزیر ہے۔

اجتہاد سے تنسیخ و تنقیص شریعت تک

اجتہاد، اگر شریعت کی حدود و قیود کے اندر ہو تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اگر اجتہاد، انسان کی غیر ضروری یا غیر شرعی خواہشات کی تکمیل میں حائل ہر رکاوٹ و مشکلات کو رفع کرنے کیلئے ہو، جیسے مخلوط تعلیم (لڑکے لڑکیوں کا گھل مل کر تعلیم حاصل کرنا) دفاتر اور کارخانوں میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دینا اور یہ کہنا کہ خواتین پردے میں رہ کر مخلوط اجتماعات میں جاسکتی ہیں۔ مغربی تمدن کے دباؤ میں حدود الٰہی کو وقت اور حالات کی ضرورت کے تحت اجتہاد کرنے کی بات، دین نہیں ہوسکتی بلکہ اس عمل کو بے دین عناصر کا مولویوں کے کاندھے پر بندوق رکھ کر دین کو گولی مارنا اور فرقہ باطنیہ کے جال گمراہی میں ان کا ساتھ دینا، کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ انسان کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے قانون جعل کرتا ہے اور رسول اس سے مطلع کرتا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے لیکن اگر مجتہد کو بھی یہ اختیار دیا جائے کہ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ملنے والے آئین و قانون میں کوئی نقص، کمی یا خلل نظر آئے تو وہ اس خلا کو پُر اور خلل کو دور کرسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانی زندگی کیلئے الٰہی آئین بنانے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ مجتہدین بھی شریک اور حصہ دار ہیں۔

قرآن وشریعت کی مخالفت پر مبنی اس قسم کے اجتہادات سے مجتہدین یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ بشریت پر انکا احسان ہے کہ انہوں نے انسانی زندگی کو آسان اور اسے درپیش مشکلات کو رفع کیا ہے۔اسی لئے مجتہدین کی شان میں اہل مسجع مقفع نثر وشعر گویاں کہتے پھرتے ہیں؛ان کا اسلام ومسلمین پر بہت احسان ہے۔

دنیائے کفروشرک اور مغرب نوازوں کا کہنا ہے کہ شریعت اسلام کے مصادر یعنی قرآن وسنت' زمانِ نزول وحی تک محدود ہیں' جیسے ہی حالات' زمانہ اور زندگی کے رہن وسہن بدلے صفحاتِ نصوص کی بساط بھی لپیٹ دی گئی۔

دنیائے کفروشرک کا یہ نقطہ نظر' دین اسلام کے نصوص وقوانین کو دنیا کے دیگر عام قانون ساز اداروں میں انسانوں کی نگرانی میں بنائے گئے قوانین کی مانند قرار دینا ہے۔اجتہاد کے اس تصور ومفہوم کو ہمیشہ سے لادین اور مفاد پرست لوگوں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے' جنھوں نے دین کو کنارے پر لگانے کیلئے اس قسم کے اجتہاد کا ڈھنڈورا پیٹا ہے۔اسی لئے وہ کبھی دبے اور کبھی واضح الفاظ میں کہتے ہیں کہ" دین کو زندگی کے معاملات سے بالکل جدا رکھیں۔" اس سے ان کا مقصد دین کو کنارے پر لگانا ہے۔دوسری طرف اجتہاد کے ذریعے دین کو اتنی وسعت دی گئی ہے کہ دین کی حصار چاردیواری سرِنگوں ہو جائے۔

قرآن کے منع کردہ' طوق تقلید کو گردن میں ڈال کر ہمیشہ کیلئے زمین گیر فالج زدہ کی صورت میں رکھنے کے عمل کو احسان گردانا لمحہ فکریہ ہے۔ان کا کہنا ہے' اس کے بغیر دین نہیں چل سکتا کیونکہ زمانے کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے عقائد' افکار ونظریات کو اپنایا جائے جو تغیرات کے ساتھ چل سکتے ہوں اور انسان کی نت نئی ضروریات کو پورا کرتے ہوں۔

اس فکر کے داعیان وحامیان کے نزدیک دین کے پرانے افکار ونظریات اس وقت قطعاً بشریت کی مصلحت میں نہیں چنانچہ اکثر کہتے ہیں،" دین کو کلی طور پر پھینکنے اور چھوڑنے کی بجائے بہتر ہے ہم اجتہاد کریں' اس وقت ہمارے پاس دو ہی راستے ہیں اجتہاد کے سائے میں دین کو باقی رکھیں یا دین کو بالکل رخصت کردیں۔دین کا اگر کوئی حامی وداعی ہے تو اسے اس اجتہاد کو قبول کرنا چاہیے۔"

ہمارا نقطہ نظر

ہم اس کے قائل نہیں کہ ہر قدیم نظریہ فاسد ہے اور ہر پرانی فکر انسان کو جہنم کے دہانے پر لے جاتی ہے اور نہ ہی ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر جدید فکر و نظر اپنی جگہ حسن رکھتی ہے اور انسان کیلئے سعادت آور ہے۔ اس سوچ وفکر کی کوئی منطق نہیں۔ بہت سی نئی چیزوں اور جدید افکار نے انسان کو موت اور جہنم کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔ چکاچوند کر دینے والی روشنی' زرق و برق اور چمکدار لباس کے باوجود جدید افکار و اشیاء نے انسان کو تاریکی میں سرگرداں کر دیا ہے۔ کون عاقل کہتا ہے' جدید دور یا نئی ایجادات ہر انسان کیلئے سعادت بخش ہیں۔ ہاں! یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض کیلئے باعث سعادت ہیں لیکن اس کے مقابل میں بہت زیادہ لوگوں کیلئے شقاوت اور بدبختی کا سبب بھی بنی ہوئی ہیں۔ اس وقت کتنے لوگ ایسے ہیں جو جدید آلات' وسائل' سہولتوں اور جدید نظام و افکار سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور اس کے مقابلے میں کتنے ایسے ہیں جو انہیں کی وجہ سے ظلم و زیادتی اور بدبختی و شقاوت میں جکڑے ہوئے ہیں لہٰذا یہ اصول صحیح نہیں کہ تمام قدیم و پرانے افکار و نظریات برے ہیں اور ہر نئی چیز اچھی ہے۔

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان ہمیشہ اس چوک پر کھڑا ہوتا ہے' جہاں اس کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں ایک راستہ اسے پیچھے کی طرف لے جاتا ہے اور دوسرا آگے کی طرف۔ گویا ایک راستہ سعادت کی جانب لے جاتا ہے جبکہ دوسرا شقاوت و بدبختی کے دہانے پر۔ لیکن سعادت کس چیز کا نام ہے اور شقاوت کسے کہتے ہیں یہ موضوع اپنی جگہ بحث طلب ہے۔ یہاں اس کی واضحت بھی ضروری ہے کہ اس سعادت میں کتنے انسانوں کی گنجائش ہے اور یہ شقاوت کتنے انسانوں کو اپنا شکار بنا چکی ہے' اسی طرح سعادت اور شقاوت کی چابی کس کے ہاتھ میں ہے۔

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو تغیرات انسان کے سامنے ہیں' آیا وہ تمام انسانوں کو مقابلہ و مبارزہ کی دعوت دے رہے ہیں یا صرف ایک خاص گروہ سے مخصوص

ہیں؟ ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان تغیرات سے متاثر ہونے، انھیں گلے لگانے، تغیرات کا چشم بستہ استقبال کرنے اور ان کے سامنے خاضع وخاشع ہونے کی صورت میں انسانی زندگی کے سعادت وخوش بختی سے ہمکنار ہونے کی کیا ضمانت ہے؟

اجتہاد یا تلاش مصادرِ شریعت

اجتہاد یعنی تلاشِ مصادر شریعت۔ اس میں جائے شک نہیں کہ اگر کسی نے اجتہاد کے اس مفہوم کو مسترد کیا تو سمجھ لیں اس نے علم کی مخالفت اور اندھی تقلید کی حمایت کی ہے۔ لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جس اجتہاد کو آپ نے ضروریات دین و مذہب قرار دیا ہوا ہے، اس کی دائرہ پذیرش اور عمل کی حدود کیا ہیں؟ آیا جس طرح تحقیق اور جستجو تمام ادیان وملل و مذاہب سماوی وارضی میں موجود ہے، اجتہاد بھی تمام دین یعنی عقائد، تفسیر، حدیث، رجال، اخلاق اور تاریخ ہر موضوع میں اور سب کیلئے ہے یا صرف باب طہارت وصلاۃ کے علاوہ خمس وحج تک محدود ہے۔

بہت سی چیزوں میں اجتہاد کرنے پر سخت پابندی اور نا قابل معاف سزائیں ہیں۔ جس اجتہاد کو آپ اساس دین سمجھتے ہیں، کیا وہ صرف ایک مخصوص نژاد کیلئے ہے؟ ان لوگوں کیلئے جو اس کی تشہیر کر سکتے ہوں؟ ان لوگوں کیلئے ہے جو ریڈ کراس کے اصولوں پر چلتے ہوئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کر سکتے ہوں؟ یا پھر ہر فکر وسوچ رکھنے والے کو بھی اسکی اجازت ہے اگر ایسا ہے تو ہمیں کیوں ان مجتہدین کے خلاف بولنے کی اجازت نہیں۔ جہاں انہوں نے سینکڑوں فقہی مسائل میں اجتہاد کے نام پر محکم آیات قرآن اور سنت قطعیہ رسول کے خلاف فتاویٰ صادر کیے ہیں۔ بطور مثال فقیہ عالیقدر پاکستانی نے ہر سیاہ عمامہ کے احترام کو واجب قرار دیا اور فقیہ قرآنی آیت اللہ سبحانی نے ہر وہ قبر جس پر چادر چڑھی ہوا سے شعائر دین قرار دیا ہے۔

سیاہ روزگار کا آغاز

اس وقت ہر ذی شعور مسلمان احساس و درک کر رہا ہے کہ اسے رو بہ زوال' شقاوت بدبختی کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ یہ سیاہ روزگار کب' کیوں اور کیسے ان کا مقدر بنا' اس کا آغاز کہاں سے ہوا اور انجام کیا ہوگا؟ اس سوال کا جواب ہے مسلمین کی آئین حیات' قرآن وسنت محمدؐ سے روگردانی۔ نظام حیات' اللہ کی کتاب قرآن اور صاحب ﴿وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ کی جگہ قرآن وسنت سے متصادم فتاویٰ کو حجت گردانتے اور حاکمان ملت' ۲۳ سال حضرت محمدؐ کے حضر و سفر' جنگ و سلم' فقر و تنگ دستی میں جان و مال سے بے دریغ ایثار و قربانی کرنے والوں کی بجائے مفاد پرست' اقربا پرور' مغرب نواز اور سیکولروں کے آراء و نظریات ہمارے حاکم بنے ہیں۔ اور ایک دن کے اقتدار میں عمر بھر کی ضرورت کیلئے دولت' خزانہ مسلمین سے لوٹنے والوں کی حکمرانی نے دن اور رات جیسا فرق نمایاں کیا ہے۔

۱۔ وہ صاحبان و حاملان کتاب شریعت الٰہی تھے۔ جس کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا تمہارے لئے خیر دنیا و آخرت لے کر آئے ہیں ان کو جرأت نہیں تھی کہ ازخود قانون و شریعت جعل کریں' وہ جو کچھ سلوک یا سیاست رکھتے تھے قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ کے سانچے میں رکھتے ہوئے کرتے تھے لہٰذا یہ ذوات اور اس وقت کے مجرمین کے بارے میں قرآن کریم کی آیت فرماتی ہے۔

﴿أَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾
(انعام:۱۲۲)

۲۔ یہ ذوات منصب اقتدار پر آنے سے پہلے ایک طویل عرصہ یعنی ۲۲، ۲۳ سال نبی کریمؐ کے سایۂ مہر و محبت میں تزکیہ نفس حاصل کر چکے تھے۔ یہ ذوات نور قرآن سے نبی کریمؐ کے اپنائے ہوئے راستے پر گامزن تھے۔ عیش و نوش' عصبیت سے پاک' زہد و الورع میں عفاف' امانت داری' ایثار' خشیت الٰہی سے آراستہ تھے۔ وہ

اقتدار کو وظیفہ الٰہی اور امانتداری کے عنوان سے اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ امت کو کہتے تھے اگر ہم صحیح راستے پر نہ چلے تو ہماری اصلاح کریں۔ وہ وظیفہ خور نہیں تھے وہ اقتدار تک پہنچنے کیلئے دباؤ یا رشوت استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ عام رعیت کی طرح سادہ فرش پر بیٹھتے تھے۔

۳۔ یہ مقتدر ذوات کسی خاص خاندان قبیلے اور خاص علاقے کے خدمتگار نہیں تھے بلکہ تمام شعوب، اقوام، ملل، علاقے اور سفید وسیاہ کے خدمت گزار تھے۔ ان کی خواہش میں امپراطور بننا نہیں تھا، وہ تکبر وغرور میں غرق نہیں تھے بلکہ تکبر وغرور والے روم وفارس کے حکمرانوں کے نرغے تلے دبے ہوئے مظلوموں کو نجات دینے کیلئے پرعزم تھے۔ ان کے نزدیک تمام اقوام وملل، سیاہ وسفید ایک جیسے تھے، امتیاز صرف تقویٰ کی بنیاد پر تھا۔

۴۔ رہبران دین اسلام اس فکر پر قائم تھے کہ انسان جن عناصر سے مرکب ہے وہ قلب وعقل، عواطف وجوارح اور ترقی وتمدن کی حامل ہیں یہ ان چیزوں میں توازن رکھتے تھے۔ لہٰذا خیر وشر میں تمیز کرنے والوں اور تعریف ومذمت میں توازن رکھنے والوں نے اسلام کے ابتدائی دور حکمرانی کو مدینہ صالحہ اور بعض نے خلافت راشدہ کا نام دیا ہے۔

شریعت اسلام کے مقاصد

دین اسلام، انسانیت کیلئے اہم مقاصد ومصالح کا حامل ہیں۔ علمائے اعلام نے دین اسلام کے اہداف ومقاصد کا خلاصہ پانچ چیزوں کا حصول وحفظ قرار دیا ہے۔

۱۔ تحفظِ نفس: دین اسلام انسانی نفس کے تحفظ کیلئے آیا ہے۔ ہر وہ چیز جو نفس انسانی کے حفظ کے خلاف ہو جیسے قتل، اغواء یا ہر وہ چیز جو اس کیلئے باعث خطر ہو، دین اس سے منع کرتا ہے۔ اگر کوئی فرد یا جماعت عام انسانوں کی جان سے کھیلے تو ایسے افراد سے قصاص لیتا ہے، یعنی یہاں دیگران کا تحفظ نفس ہے

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (بقرہ:۱۷۹)

۲۔ تحفظ دین: دین اسلام دائم وقائم رہنے کیلئے آیا ہے۔ اگر دین نہ ہوتو بھی کوئی اور چیز دین کا بدل نہیں ہوسکتی کیونکہ دین ان تمام چیزوں کی بنیاد ہے جن کے تحفظ میں ہماری بقاء ہے۔ اس وجہ سے دین اسلام میں جنگ وجہاد کو فروع دین میں شمار کیا گیا ہے اس جنگ وجہاد کی دعوت کو قبول کرنے والوں کی پذیرائی کا حکم دیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (انفال:۲۴)

۳۔ حفظ عقل: دین کا ایک مقصد عقل کی حفاظت ہے چنانچہ جو چیز خلاف عقل ہو دین اسے مسترد کرتا ہے کیونکہ عقل ہی سے وجود باری تعالیٰ، ضرورت بعثت انبیاء، ضرورت ایمان بہ آخرت ثابت ہے۔ قرآن نے عقلاء سے خطاب کیا ہے اور تعقل نہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔

۴۔ حفظ مال: اسلام انسان کو اپنے اور دوسروں کے مال کی حفاظت اور اس کو لاحق خطرات سے بچانے کا حکم دیتا ہے۔ جیسے اسلام میں اسراف وتبذیر کرنے والوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ چوری کی سختی سے مذمت کی گئی ہے یہاں تک کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

۵۔ حفظ آبرو: اسلام انسان کی عزت وآبرو کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے، اس آبرو کے بغیر زندگی کا مفہوم ختم ہوجاتا ہے۔
فرمایا: عزت، اللہ اور اس کے رسول کے بعد مومنین کو حاصل ہے۔
انہی پانچ ضروریات کے تحفظ کی خاطر شریعت مقدس نے قوانین بنائے ہیں۔

شریعت کا زمان ومکان کے تقاضوں سے مقابلہ

کیا شریعت اسلام ہر زمان ومکان پر تطبیق کی صلاحیت واہلیت رکھتی ہے۔ عالمان و

عارفان قرآن وسنت کا دعویٰ ہے کہ اسلام رہتی دنیا تک بشر کی سعادت و نیک بختی اور تمام تر پیش آمد مسائل، چاہے زمانی ہوں یا مکانی سب کا حل اسی میں موجود ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی بھی شریعت وقانون نہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے نہ بشریت کیلئے سعادت کا ضامن ہوسکتا ہے۔

ہم اپنے اس مدعا کو کہ دین اسلام میں تمام تر مسائل کا حل موجود ہے کو ثابت کرنے کیلئے چند مسلمہ اصولوں سے استناد کرتے ہیں:

الٰہی قانون

قوانین بشری احاطہ زمان و مکان اور تمام جوانب سے عاجز و ناتوان ہے۔ شریعت سے مراد وہ اصول وضوابط ہیں جو اجتماع کے اعلیٰ اہداف کی رہنمائی کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔ کبھی کبھی قوانین میں نئے مسائل کے حل کا فقدان ہوتا ہے یا یہ موثر نہیں ہوتے۔ ایسے قوانین عصر حاضر اور آنے والے مسائل کا حل پیش نہیں کرتے، ایسی صورت میں قوم وملت پسماندگی اور رجعت اختیار کرتی ہے یا میدان دوسرے قوانین کیلئے خالی کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ماضی قریب میں کمیونزم کے ساتھ ایسا ہی ہوا۔ جو انتہائی آب وتاب کے ساتھ بشریت کی قیادت کیلئے سامنے آیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس کی رجوعِ قہقری شروع ہوئی اور انہیں اپنی ناتوانی کا اعلان کرنا پڑا۔

بشریت کا وضع کردہ قانون، انسانیت کی ہمیشگی سعادت تو بہت دور کی بات، ایک لمحے کیلئے بھی تمام انسانوں کی سعادت کی ضمانت دینے سے قاصر ہے۔ یہ اگر کسی ایک گروہ کی ظاہری وسطحی ضمانت دیتا بھی ہے تو دوسرے گروہ کو شقاوت و بدبختی میں مبتلا کردیتا ہے۔ مغربی استعمار کیلئے اپنے عوام کی سعادت کی خاطر دیگر اقوام کی اقتصادی ناکہ بندی، اجتماعی بائیکاٹ، لشکرکشی وغیرہ معمول کی بات ہے لہٰذا یہ تمام انسانوں کی سعادت کا ضامن نہیں ہوسکتے۔

سعادت صرف دین اسلام کے سائے میں ہے چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹، ۸۵

میں بطور صریح اعلان ہوا ہے کہ دین، علیم وقدیر، دانا و محیطِ زمان و مکان کا نازل کردہ ہے۔ دین ہی کامل ہے یعنی زندگی کے تمام اصول و فروع میں ہدایت و رہنمائی کیلئے یہ کسی کا نیاز مند یا کسی سے وابستہ نہیں۔ یہ ایک کامل دین ہے جیسے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ اور فرمانِ نبی کے تحت تمام احکام حلال و حرام کے سلسلے میں اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی، یہاں تک کہ خراش تک کی دیت بیان کی گئی ہے۔ دین اسلام محققین و متلاشینِ حقیقت سے خوفزدہ نہیں بلکہ دعوتِ تحقیق کا داعی بھی ہے۔

قوۂ مجریہ

قانون کے اجراء کرنے والے، قوۂ مجریہ کہلاتے ہیں۔ سابق زمانے میں ایسے شخص کو خلیفہ مسلمین، امیر المومنین اور والی کہا جاتا تھا۔ وہی صاحب امر و نہی ہوتا تھا۔ اصحاب برجستہ جو ہم رکاب رسول اللہ تھے ایک دوسرے کو برداشت کرتے آئے اور اپنی حق تلفی کے باوجود اسلام کو ترجیح دیتے رہے، اسی لئے اسلام تابندہ رہا۔ لیکن جب سے شخصی اور قوم وقبیلہ کے مفادات کو اسلام پر برتری دینے کا عمل شروع ہوا، شریعت اسلام پس منظر میں چلی گئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ جانشین رسول میں خلیفہ اور امام کی تفریق پیدا کر کے اس نظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا؛ نظام امامت اور نظام خلافت۔

اس تقسیم بندی کے بعد حق و باطل کی قضاوت کیلئے کبھی یونان و روم کے فلاسفہ سے مدد طلب کی گئی تو کبھی مسیحوں اور ہندوؤں سے اور کبھی قادیانی اور آغا خانیوں کے قاضیوں کے محتاج ہوئے۔ ایسی صورتحال میں کیا مدعی، مدعی علیہم اور قاضی کافر، ملحد و منافق ایک فیصلے پر متفق ہوسکیں گے اور بالفرض اگر ہو بھی جائیں تو کیا یہ اسلام کے فائدے میں ہوگا؟

اس روش سے انتخاب کا رشتہ شریعت سے اجنبیت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ وطن اسلامی میں یکے بعد دیگر انتہائی بے شرمی کے ساتھ برملا سیکولرزم کا اعلان کیا جانے لگا۔ جو سابق زمانہ میں محدود تعداد میں تھے لیکن فی زمانہ سینکڑوں تک پہنچ گئے ہیں یعنی ہر ایک قوہ مجریہ کا حامل ہے جس کے انتخاب میں شریعت کے بتائے ہوئے اصول و ضوابط کا خیال نہیں

رکھا جاتا۔

دین اسلام جو ایک دائمی دین ہے اس میں کسی قسم کا خلاء و نقص نہیں لیکن پیغمبر اسلامؐ کے بعد قوۃ مجریہ کے انتخاب میں شریعت اسلام کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے اس میں خلل آیا۔ اب تو انتہائی اصرار کے ساتھ دین و شریعت کے ساتھ مذاق و مسخرہ کرنے والے ہی کو برسر اقتدار لایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس شریعت کی حیات بخش ثمرات سے لوگ محروم ہیں لہٰذا شریعت اسلام کے کارآمد نہ ہونے کی پہلی وجہ قوۃ مجریہ کا فقدان ہے۔

ملت کی طرف سے تحمل و پذیرش کا فقدان

ملت جب تک صبر و تحمل سے دین و شریعت اور مجری شریعت کو اپنی آغوش میں نہیں لیتی اور اسے اس کے مقام پر نہیں رکھتی، اس وقت تک شریعت کا اجراء نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اس وقت ملت اسلامی اپنے دشمنوں کی طرف سے ملی ہوئی شریعت کو خوشی سے اپنے اوپر لاگو کر رہی ہے جس کی وجہ سے آئے دن اسے بدبختی اور بے چارگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ تہجد گزار عمامہ اور عبا پوش، اسلام کے ترانے اور قصائد پڑھنے والے علماء اس وقت اسلام کو کفر سے ہماھنگ کرنے کی کوششوں میں مصروف عمل ہیں۔

ضرورت اجتہاد

مسلمانوں کے پاس اجتہاد ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ دین اسلام ایک ایسی شریعت ہے جو ہر زمان و مکان میں انسان کی ہدایت و رہبری کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ وہ دین ہے جو حسب تصریح قرآن کریم اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے تمام بشریت کیلئے نازل ہوا ہے۔ یہ دین انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ چاہے وہ فردی زندگی سے متعلق ہوں یا اجتماعی مسائل سے۔

اس وقت امت مسلمہ کی صورتحال دو حال سے خالی نہیں:

۱۔ فقہاء اسلام نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل بتانے سے عاجز و ناتواں اور

قاصر ہیں لہٰذا جو قوانین انسان کی طرف سے وضع اور جعل کئے گئے ہیں ان کے سامنے تسلیم ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فقہاء اور علمائے اسلام نئے درپیش مسائل، قرآن وسنت کے سامنے خاضع ومحلول کریں۔

ہمارا یہ موقف نہیں، صرف اس وقت اجتہاد کرنا امت کی ضرورت ہے بلکہ شریعت اسلامی، طبیعت اور مزاج میں شکست ناپذیر ہے لہٰذا وہ نئے مسائل کی جواب دینے کی طاقت وقدرت رکھتا ہے کیونکہ یہ شریعت اللہ کی آخری شریعت ہے جو ہمیشہ رہنے کیلئے نازل کی گئی ہے جو باطل ہونے والی نہیں ہے۔

اجتہاد کے لغوی واصطلاحی معنی

اجتہاد مادہ جہد سے لیا گیا ہے۔ اقرب الموارد میں لکھتے ہیں: پریشانی، ناگوار اور نامساعد حالت میں کسی چیز کی تلاش کرنا جیسا کہ فلاں نے جہاد کیا یعنی متعلقہ چیز کو ڈھونڈنے کیلئے اپنی طاقت وقدرت کو صرف کیا اور مشقت برداشت کی:

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ﴾ (عنکبوت:۶)

اسی سے جہاد بنا ہے۔

اجتہاد کسی ہدف ومقصد کی راہ میں بذل ہونے والی کاوش کو کہتے ہیں۔ یہ مادہ جہد سے ماخوذ ہے جس کے معنی صعوبت ومشقت کے ساتھ کوئی چیز تلاش کرنے کے ہیں، کوشش کرنا، زحمت اٹھانا، مشقت اور طاقت بذل کرنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اجتہاد انتہائی حدتک طاقت وتوانائی بذل کرنا ہے۔ صاحب عمدة الحفاظ لکھتے ہیں: الجهد، الطاقة والمشقة: مشقت میں مبالغہ کرنا۔ اجتہاد لغت میں ایسی توانائی صرف کرنے کو بھی کہتے ہیں جس میں زحمت ومشقت ہو اسی مادہ سے کلمہ جہاد لیا گیا ہے، اسلام ومسلمین ومستضعفین کو بچانے کیلئے کی جانے والی کوششوں اور اللہ، رسول اور مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزما اور مزاحمت پر اُترنے والوں کا عملی مقابلہ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ کلمہ قرآن مجید کے ۵۵

مقامات پر ۲۵ آیات میں تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ آیات ملاحظہ فرمائیں؛

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أُوْلَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللهِ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۱۸)

﴿لاَ يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (نساء:۹۵)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (مائدہ:۳۵)

یہ زیادہ تر میدان جنگ اور نفاذ شریعت کی خاطر کوشاں افراد کیلئے استعمال ہوتا تھا۔

اجتہاد کی اصطلاح اکثر محققین کی تصریح کے مطابق بارھویں صدی کے بعد کے علماء کی جعل کردہ اصطلاحات میں سے ہے جو قرآن کریم کی آیات اور روایات اسلامی کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی بلکہ ان کے سراسر منافی ہے۔ قرآن کریم نے دین کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کو فقہ کہا ہے اس لئے اس کے جاننے والے کو فقیہ کہتے ہیں۔

سابق زمانے میں لفظ فقیہ اس انسان کیلئے استعمال ہوتا تھا جو ایسی صلاحیت کا حامل ہوتا جسے وہ بروئے کار لاکر احکامِ شرعیہ کو ادلۂ شرعیہ سے درک کر سکتا۔

لیکن گذشت زمان کے ساتھ یہ لفظ ہر اس انسان کیلئے استعمال ہونے لگا ہے جو فقہی مسائل کو حفظ کرے اور دیگر علماء کی آراء و نظریات پر عبور رکھتا ہو۔ گرچہ حکم شرعی کو دلیل شرعی سے استنباط کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو یعنی یہ لفظ ہر اس انسان کیلئے استعمال ہونے لگا جو فقہی مسائل بتاتا ہو۔

آیات اور روایات میں اجتہاد کی جگہ استنباط، مجتہد کی جگہ فقیہ، تقلید کی جگہ تاسی استعمال ہوا ہے۔ جاہل کا عالم و ہادی کی طرف رجوع کرنے کو قرآن کریم میں "تاسی" اور "اتباع" کہا گیا ہے اور اس کیلئے یہی دو کلمے استعمال ہوئے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهُ﴾ (زمر:۱۸)

یہ کلمات اصل اسلام اور قرآن وسنت کے مزاج وروح سے ہم آہنگ ہیں لہٰذا متقدمین علماء احکام شرع بتاتے وقت آیت وروایت نقل کرتے تھے۔ روایت کا نتیجہ اخذ کرنے کی سنت شروع ہونے کے ساتھ ہی کلمہ استنباط کی جگہ اجتہاد اور تاسی کی جگہ تقلید استعمال ہونے لگا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اس کلمے کو پہلے کس نے استعمال کیا اور یہ اپنے اندر کیا حسن رکھتا ہے۔ اس بارے میں کسی کا کوئی بیان نہیں ملتا' تاہم تاریخ دولۃ الاسلامیہ میں اس کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اجتہاد مادہ جہد سے ماخوذ ہے جیم پر پیش اور یہ صعوبت ومشقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

تقلید لغت اور اصطلاح میں

اجتہاد کے مقابلے میں تقلید ہے۔ تقلید یعنی کسی کے قول کو بغیر دلیل ماننا۔ کلمہ اجتہاد و تقلید اصطلاح دین میں کب داخل ہوئے اور کتنے مراحل سے گذرے یہ موضوع اپنی جگہ بحث وغور طلب ہے۔ بعض محققین معاصر کا کہنا ہے' یہ دونوں اصطلاحیں اسلام میں داخل کیں گئی ہیں جبکہ یہ دونوں اسلامی فکر ومزاج کے خلاف ہونے کے ساتھ آپس میں بھی متضاد و متناقض ہیں کیونکہ جہاں اجتہاد ہے وہاں تقلید نہیں اور جہاں تقلید ہے وہاں اجتہاد نہیں۔ دین میں تضاد وتناقض گوئی کی اختراع کا سہرا فرقہ باطنیہ کے سر ہے جہاں وہ صرف عوام ہی کو نہیں بلکہ خواص' علامہ دہر اور بحاثوں کو بھی آسانی سے تناقض گوئی کراتے ہیں۔ کہتے ہیں؛ حضرت علیؑ باطن میں پہلے سے خلیفہ تھے' ظاہر میں ۲۵ سال کے بعد خلیفہ بنے یعنی آپ سے خلافت نہ تو چھینی گئی نہ ہی کوئی چھین سکتا تھا۔

یہ اور بات ہے کہ بعض نے اجتہاد کے ترانے اس طرح گائے ہیں جس طرح سیاہ وبد شکل بچے کو اس کا باپ یوسف کہہ کر پکارتا ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات ایک ساتھ ایک ہی مذہب میں نہیں چل سکتیں۔ دونوں کلمات کے لغت اور اصطلاح میں معانی ملحوظ خاطر رکھنے کے بعد یہ دونوں کلمات اسلامی اصول' مزاج اور فکر سے متصادم قرار پاتے ہیں لیکن بعض

ماہرین جنگ و مجادلہ لفظی، الفاظ غریبہ و شاذہ دین میں داخل کرتے ہیں پھر ان سے روکنے والوں کو کہتے ہیں **لا مشاحت فی للفظ** لیکن ان کا یہ فرمان حقیقت سے متصادم ہے۔ اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ اگر کوئی عرب قرآن کریم اور سنت نبوی کو سمجھنا چاہے تو اس کیلئے عربی زبان میں ہی سمجھنا بہتر ہوگا یا اس کیلئے رومی، لاطینی، ترکی، سنسکرت بہتر رہے گی۔ قرآن کریم اور نبی کریم نے شریعت سمجھانے کیلئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں انہیں چھوڑ کر ان کی جگہ غیر مربوط کلمات استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر کلمہ صعید کی جگہ مٹی کہہ کر بحث کریں گے تو حقائق قرآن تک نہیں پہنچ پائیں گے اگر یہاں کلمہ تفقہ کی جگہ اجتہاد لگائیں، تأسی کی جگہ تقلید جو انتہائی مذموم عمل ہے استعمال کریں تو ضرور فرق پڑے گا۔ لفظ میں مشابہت اپنی جگہ موضوع بحث ہے۔

مسلمانوں کے پاس تفقہ تفکر تدبر ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ دین اسلام ہر زمان و مکان میں انسان کی ہدایت و رہبری کی صلاحیت رکھتا ہے۔ حسب تصریح قرآن کریم یہ دین اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے تمام بشریت کیلئے نازل ہوا ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، چاہے ان کا تعلق فردی زندگی سے ہو یا اجتماعی سے، اسلام ہر انسان عاقل و بالغ کے قول و فعل کیلئے حکم رکھتا ہے اور اسے واضح کرتا ہے۔

نئے مسائل و موضوعات اور اجتہاد

علماء اور فقہائے عظام کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت ہمیشہ ثابت و استوار اور تغیر ناپذیر ہے۔ گذشت زمان، تبدیل حالات و شرائط اور نئی پیش آمدات سے شریعت میں تبدیلی نہیں آتی لیکن زمانہ گزرنے سے پیدا ہونے والے نئے مسائل و موضوعات اور حالات کی دگرگونی کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہوگا۔ اس سلسلے میں علما اور فقہاء میں چند نقطہ نظر پائے جاتے ہیں:

ا۔ اہل حدیث اور شیعہ اخباریوں کا عقیدہ ہے کہ اجتہاد ایک شخصی رائے ہے جو بدعت اور اسلام کے اصول و قوانین سے متصادم ہے۔

۲۔ ”جدید مسائل میں شریعت کا حکم بدل جاتا ہے“ یہ نظریہ ادیان سماوی سے وابستہ افراد نے انیسویں صدی میں قائم کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت میں یہ نرمی و سازگاری پہلے سے موجود تھی، شریعت ہمیشہ تغیر پذیر ہے، زمان و حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ احکام خود بخود تبدیل ہوتے جاتے ہیں، شریعت حالات کے سامنے خاضع و خاشع ہوتی ہے۔ یہیں سے تمام فحشاء برائیوں کو آزادی اور چھوٹ ملی اور انہیں عصر جدید کے تقاضوں کا نام دے کر جائز و مباح گردانا گیا سود خوری، بے حجابی اور مرد و زن کے مخلوط اجتماع کو جائز سمجھنا اس کی واضح مثالیں ہیں۔

۳۔ موضوعات و حالات جس قسم کے بھی ہوں، ان کا تعلق اجتماعی دگرگونی سے ہو یا ثقافت اور ہنر سے تمام کے تمام مسائل دین و شریعت کے سامنے خاضع و خاشع ہوں گے۔ اہل ہنر کو چاہیے وہ اپنے موضوعات میں اجتہاد کریں، تبدیلی لائیں اور اسے شریعت کے سامنے خاضع و خاشع کریں۔ پہلے نقطہ نظر کے تحت زمانے کے جدید مسائل کچھ بھی ہوں اجتہاد کی ضرورت نہیں دوسرے لفظوں میں شریعت کے حکم کو معطل رکھنا ہے، یہ تصور شریعت منسوخ کرنے کے برابر ہے، اسلام اس قسم کی شریعت کی، کسی بھی صورت میں حمایت نہیں کرتا کیونکہ دین اسلام ہر زمانے کیلئے زندہ دین ہے یعنی تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے جبکہ دوسرا نقطہ نظر موضوعات میں تبدیلی لا کر اسے شریعت کے سامنے خاضع کرنا ہے۔

اجتہاد بے سہاروں کیلئے شجرہ ممنوعہ

مجتہد، کسی قوم، قبیلہ یا مخصوص گروہ میں منحصر نہیں کہ یہ ادنیٰ یا نچلے طبقے اور عام لوگوں کیلئے شجرۂ ممنوعہ قرار پائے۔ عرف عام میں کسی بھی مسئلے کے بارے میں جاننے کیلئے تحقیق کر کے سند تک پہنچنے کی کوشش کرنے والے کو مجتہد کہا جاتا ہے۔ البتہ کلمہ مجتہد ہمارے ہاں دین سمجھنے کے خواہشمند انسان کے گلے میں پھنسنے والی ہڈی بنا ہوا ہے۔ اگر کسی نے کسی بھی مسئلہ کی تحقیق کرنے کی جرأت کی تو کہا جاتا ہے کہ آپ مجتہد ہیں یا آپ مجتہد بننا چاہتے ہیں، پھر

قہقہہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ اور اجتہاد۔ ایسی شرط قابل ہضم نہیں کہ ایک محقق کی تحقیق سے دوسرے لوگوں کیلئے دوبارہ تحقیق کرنے کی گنجائش ختم ہو جائے۔ مجتہد کے سامنے ایک عام طالبعلم یا ایک ادنیٰ فرد کا اصول وفروع اور دین کے بارے میں پیش آنے والے مسائل کا اٹھانا کوئی جرم و جنایت نہیں بلکہ سوال کرنا سب کا حق ہے اور اس حق کو کسی سے چھینا نہیں جا سکتا۔ دین میں ایسا بھی نہیں کہ بعض چیزوں کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہو اور بعض کے بارے میں سوال نہ اٹھائے جا سکتے ہوں اور سوال کرنے کے مواقع محدود کر دیئے جائیں تاکہ ایسے سوالات سے روکا جا سکے جن کا کوئی جواب نہ ہو۔ اس طریقہ کار کا مطلب دین و مذہب اور ملت اسلام میں باطل اور منحرف فکر کو فروغ دینا اور مخصوص افراد کی اجارہ داری قائم کرنا ہے اور یہ عمل ین وملت دونوں کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے۔ بعض افراد شاید یہ سمجھتے ہوں کہ مجتہدین کے اسماء گرامی پر غلو آمیز القاب وصفات کا پیوند لگانے والے دین کے بہت شیدا ہیں لیکن حقیقت میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات مفاد پرست، لادین، سیکولر افراد اپنے ذاتی مقاصد کیلئے کسی خاموش مجتہد کی مرجعیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔

درپیش مسائل میں دو حالت ناگزیر ہیں

اجتہاد کو بے لگام رہنے دیں یا لگام دیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا جائزہ لیں تو دو حالتوں کا سامنا ہے یا تو قرآن وسنت میں جو کچھ ہے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے توقف کرنا چاہیے یا جن مسائل کا حل نہیں ملتا انھیں اپنے ذاتی اور دیگران کے افکار ونظریات کی طرف برگشت دے کر حل کرنا چاہیے۔ دونوں صورتوں میں مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا ہوگا یا تو ہم درپیش مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر ہو جائیں گے یا پھر شریعت میں مداخلت کر کے جو چیزیں دین میں نہیں، انھیں دین میں شامل کر دیں گے، جس کے تحت ہم بھی کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے میں نعوذ باللہ خدا کے برابر کھڑے ہو جائیں گے یا وجود خدا کا انکار کریں گے یا پھر اللہ سے آزادی مطلق کا اعلان کریں گے! کیا اسی کا نام اجتہاد ہے؟

شریعت اور نظریہ ضرورت (توحید ۸۸ ص ۱۱)

شریعت اسلام، دائمی و جاوید اور ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن بعض افراد، انسانیت کو لاحق مسائل کا مطمئن کنندہ حل نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کے دائمی و جاوید ہونے پر اعتراض پیش کرتے ہیں۔

دین و شریعت کا مطلب یہ ہے کہ انسانی زندگی، حدود و قیود کے اندر ہے لہٰذا ہر معاملے میں حکم و قانون خدا کی تعمیل انسان پر لازم ہے اور یہی اسکی نجات کی سبیل ثابت ہو سکتی ہے۔ الٰہی نظام کے مخالفین یہ راگ الاپ رہے ہیں کہ دین اسلام کی آمد کے بعد سے اب تک دنیا، تبدیلیوں کے کئی مراحل سے گزر چکی ہے اور نت نئی تغیرات کی زد میں ہے۔ اگر اب بھی کسی نے شریعت و حکم خدا کی پابندی کی بات کی، تو پھر موجودہ دور کے مسائل و ضروریات کا کوئی حل نہیں نکلے گا لیکن اگر آپ نے ان ضروریات کے حل کی اجازت و گنجائش دی تو گویا آپ نے زمینی ضروریات اور انسانی ساخت کے قانون کو بھی شریعت اسلامی میں شامل کر دیا۔ اس طرح شریعت اسلامی ایک مخلوط نظام کی مانند ہو جائے گی۔ اس تناظر میں یہاں دو مفروضے بن سکتے ہیں:

۱۔ انسان مسلم کو نظام زندگی میں اسلامی نظام حیات سے یکسر دستبردار ہو کر، وقت و حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے والے نظام کو اپنانا اور ان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ دوسرے معنوں میں نظام شرک کو اپنانا چاہیے؟

۲۔ انسان مسلم، جہاں بھی ہوں اسلام کے اصول و ضوابط پر عمل کرے اور جہاں اسے اسلام کی جانب سے کوئی رہنمائی نہ ملے اس کا حل دوسروں سے اخذ کرے۔

اس سلسلے میں واضح جواب اور حل کیلئے علمائے اسلام کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، البتہ یہاں علمائے اسلام دو گروہوں میں منقسم ہیں:

۱۔ قیام قیامت تک انسانی زندگی کو درپیش تمام مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں ہم کسی کے نیاز مند نہیں۔ اس فکر کے حامل گروہ کو اہلسنّت و

الجماعت میں اہل حدیث جبکہ شیعوں میں گروہِ اخباری کہتے ہیں۔

۲۔ دوسرے گروہ کا کہنا ہے: قرآن وسنت میں ہر دور کی ضروریات اور درپیش مسائل کا حل نہیں پایا جاتا ہے۔ ان مسائل کا حل پیش کرنے کی ذمہ داری علماء وفقہاء اور مجتہدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ قرآن وسنت سے مسائل کا حل اور احکام استنباط کریں اس گروہ کو دونوں فرقے کے علماء اصولی کہتے ہیں۔

مذکورہ دونوں گروہ اپنے مدعی پر کیا دلیل پیش کرتے ہیں؟ اس سلسلے میں دونوں کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے یا جدید اصطلاح کے تحت ان میں نورہ کشی جاری ہے۔ اس بارے میں مختصر سا تعارف اور پس منظر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

فقہ اور عصر حاضر کے تقاضے

انسانی زندگی انتہائی تیزی سے مسائل کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے چنانچہ بیمہ، بنکاری، جراحت، دواسازی، حکومت سازی، انقلاب، بین الاقوامی تعلقات اور دریائی وفضائی قبضے وغیرہ جیسے موضوعات درپیش ہیں۔ عصر حاضر کی فقہ، عمودی وافقی سمت میں متوازن نہیں ہے۔

نصوصِ شرعی ثابت وغیر متغیر ہیں۔ اس صورت میں انسانِ مسلمان واقعیت اور حقیقت کے ساتھ کس طرح چل سکتا ہے۔ اس میں جائے شک نہیں کہ حکم ثابت اور متغیر کا آپس میں ربط وجوڑ ہے۔ ثابت ومتغیر میں کیا رشتہ ہے حکم شرعی کیسے متغیر کا احاطہ کرکے اسے اپنے اندر شامل کرلیتی ہے۔ انسانی زندگی کو درپیش نئے مسائل کا کیا حل پیش کرتی ہے اور کیسے اسے شریعت سے جوڑتی ہے۔

مثلاً انسان کا اللہ کے ساتھ رشتہ، اپنے ہم جنسوں کے ساتھ رشتہ، جیسے میاں بیوی، اولاد، والدین، عزیز واقارب، پڑوسی، اہل محلّہ، اہل ایمان اور اہل کفر کے ساتھ تعلقات کا مسئلہ، یہ سب پہلے زمانے سے ہی انسان کو درپیش تھے، یہ کوئی نئے مسائل نہیں اس لئے یہ اب بھی اسی طریقے سے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔

بعض کا کہنا ہے اسلام ایک پرانہ اور پیچیدہ دین ہونے کے ناطے ترقی وتمدن کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ مسلمان اجتماعی' اقتصادی اور سیاسی میدان میں دنیا کے رائج نظاموں کے محتاج ہیں لیکن اسلام کبھی بھی دنیاوی ترقی وتمدن کے سلسلہ میں پیچیدگیوں اور جدیدیت کو اہمیت نہیں دیتا اور اس میں داخل نہیں ہوتا کیونکہ اسلام کا بنیادی ہدف اللہ اور آخرت کی طرف دعوت دینا ہے لہٰذا انہی وجوہات کی بنا پر علمائے اسلام کے درمیان ضد ونقیض پر مبنی نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس اعتراض کے حل میں صاحب المیزان علامہ طباطبائیؒ نے اسلام کے احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ ایک وہ احکام وقوانین ہیں جو انسان کی طبیعی وبنیادی حاجت کے تناظر میں وضع ہوئے ہیں۔ یہ احکام دائم اور تغیر ناپذیر ہیں جیسا کہ آیات محکمات میں آیا ہے۔

۲۔ ہر دور میں تغیر اور دگرگونی کو تسلیم کرتے ہوئے اور نئے دور کے واقعات وحوادث کو دیکھتے ہوئے حکم شرعی میں تغیر وتبدیلی پیدا کی جاتی ہے۔ شریعت اسلام میں جہاں قاعدہ "لاضرر" آتا ہے یا حدیث رفع وغیرہ نافذ کرتے ہیں' یہ احادیث حکم شرعی کو بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر حکم بدلنے کی اجازت دیتی ہیں۔

کیا حکم میں تبدیلی لانے کا حق خود شارع کو حاصل ہے؟ یہاں حکم شریعت بدل گئی ہے یا موضوع میں تبدیلی آئی ہے اسی سے شریعت میں تبدیلی آتی ہے۔ فقہائے اسلام نے موضوع بدلنے سے حکم بدل جانے کو عنوان ثانوی کا نام دیا ہے ہم یہاں آپ کے ذہن کو نزدیک کرنے کیلئے ثابت ومتغیر کی توضیح بیان کرتے ہیں۔

تغیر پذیر احکام: وہ احکام جو وقتی ہیں جو زمانے کی پیشرفت' ترقی وتمدن' اجتماعی تبدیلی' نئے وسائل وذرائع کے ساتھ زمانی اور مکانی مسائل کے پیش نظر وضع ہوتے ہیں۔ یہ احکام نبیؐ کے بعد اولیاء امور سے وابستہ ہیں جیسا کہ سورہ نساء آیت ۵۹ میں آیا ہے:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللهَ وَ أَطِیعُوا الرَّسُولَ وَ أُوْلِی الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَی اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِیلًا﴾

چنانچہ اس قسم کے احکام جاری کرنے کا حق ولی امر مسلمین کو حاصل ہے۔

منطقہ فراغ

اس اصطلاح کے موجد و مخترع شہید آیت اللہ باقر الصدرؒ ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے: اسلام اپنی جگہ مکمل نظام ہے' اگر کہیں کوئی خلاء ہے اور اس بارے میں شریعت کی جانب سے کوئی حکم نہیں ملتا اور اس جگہ کا واجب یا حرام سے خالی رہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ شریعت نے اس جگہ حل نہ ملنے کی وجہ سے اسے خالی چھوڑا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ولی امر مسلمین اپنی صوابدید اور زمان و مکان کی ضرورت کے تحت اس خلاء کو پر کرے گا۔ یقیناً اس نظام میں ہر زمانے اور ہر جگہ پر نفاذ کرنے اور مشکلات کا حل پیش کرنے کی صلاحیت ہے۔ موضوع ہذا کے بارے میں بحث جہاں دقیق ہے' وہاں یہ حساسیت اور اشکالات و متشابہات سے بھی پر ہے۔

شریعت اسلامی انسان کے عام و خاص' عادی و ہنگامی تمام حالات کے مسائل کے حل کی ضمانت دیتی ہے اور اس میں خود کفیل ہونے کا مدعی بھی ہے لیکن بہت سی چیزیں پیغمبرؐ کے زمانے میں اور کافی عرصہ بعد تک نہیں تھیں بطور مثال تنظیم' ادارے وغیرہ۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صدیوں بعد پیش آنے والے مسائل کا حل یا انسان کو درپیش مسائل کا حل شریعت اسلام میں موجود ہے؟ تاہم شہید فرماتے ہیں حکومت اسلامی میں ولی امر مسلمین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دور کے حالات سے آگاہی و واقفیت یا شوریٰ کے ذریعے شرعی نص سے خالی جگہ کا جائزہ لے اور جو اختیارات اسے حفظ نظام کیلئے دیئے گئے ہیں' ان کے مطابق حکم دے اسی وجہ سے اس جگہ کو منطقہ فراغ کا نام دیا گیا ہے۔ جہاں مسائل کے بارے میں شرعی نص بطور خاص یا تفصیل سے بیان نہیں ہوئے اور انہیں مہمل چھوڑا گیا ہے' اس جگہ کو پر کرنے کا اختیار ولی امر مسلمین کو دیا گیا ہے تاکہ وہ حفظ نظام اور مصلحت مسلمین کی تناظر میں اسے نافذ کرے۔

منطقہ فراغ ان جگہوں کو کہا ہے جہاں شارع نے کوئی حکم جعل نہ کیا ہو۔ آیت اللہ مہدی

شمس الدینؒ فرماتے ہیں: منطقہ فراغ کی اصطلاح ہم نے نہ تو قدیم فقہاء کے کلام میں دیکھی ہے اور نہ ہی عصر حاضر کے فقہاء کو یہ استعمال کرتے ہوئے سنا ہے۔ یہ اصطلاح شہید الصدرؒ کی اختراع ہے"[۱] اس مسئلے کی اساس و بنیاد اور تفصیل و شرائط کے بارے میں بحث و گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا شریعت اسلام میں ایسے موضوعات بھی پائے جاتے ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے کوئی حکم بیان نہیں کیا ہو اور اسے ولی امر مسلمین اور فقہاء کی صوابدید پر چھوڑا ہو۔ آیت اللہ مہدی شمس الدینؒ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۱ پر لکھتے ہیں: اس میں جائے شک و شبہ نہیں کہ شریعت اسلام میں دو طرح کے موقف ملتے ہیں:

مجتہد کے اجتہاد کا دائرہ ادلہ شرعیہ ہے، جو شارع مقدس لائے ہیں۔ مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی میں شریعت کی معرفت و شناخت حاصل کرے۔ شریعت کا معاملہ عقائد جیسا نہیں جو فقط شناخت پر ہی منتہی ہو جائے بلکہ شریعت عمل کیلئے ہے یعنی یہ انسان مسلم کی روزمرہ زندگی کا دستور العمل ہے۔ ایک مسلمان کا معمولات زندگی میں اللہ، طبیعت، اجتماع، اپنے ساتھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک ہونا چاہیے؟ اس سلسلے میں دلائل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک دلیل وہ ہے جسے پیغمبرؐ نے خود امت تک پہنچایا ہے جیسا کہ عبادات کے اجزاء اور شرائط کے بارے میں وارد ہدایات۔

۲۔ دوسری نوعیت کو شہید الصدر نے منطقہ فراغ کا نام دیا ہے۔

شہید الصدرؒ اپنی کتاب "اقتصادنا" ص ۳۶۲ پر منطقہ فراغ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اقتصاد اسلامی کشف کرتے وقت منطقہ فراغ کو اہمیت کی نگاہ سے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی اقتصاد اپنی جگہ دو زاویے رکھتی ہے:

۱۔ ایک زاویہ وہ ہے جسے اسلام نے واضح صورت میں بیان کیا ہے۔ یہاں حکم میں کسی قسم کا خلا اور نقص نہیں پایا جاتا بلکہ حکم صریح اور نص موجود ہے۔ اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ دوسرے زاویہ کے تحت خالی جگہ اور خلاء موجود ہے۔اس جگہ کو پر کرنے کی ذمہ داری حکومت یا ولی امر مسلمین کو سونپی گئی ہے جو وقت اور حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے' اقتصاد اسلامی کے اہداف عالیہ کی روشنی میں اس خالی جگہ کو پُر کرے گا۔اسے منطقہٗ فراغ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں شریعت اسلامی کی طرف سے واضح اور صریح نص نہیں اور شریعت نے اس جگہ کو عملی میدان میں دوسروں کیلئے خالی چھوڑا ہے۔بطور مثال جب پیغمبر اسلامؐ حیات تھے تو آپؐ بحثیت ولی امر مسلمین وقت وحالات اور اسلامی مالی نظام اصول کے تحت خالی جگہ کو از خود پُر فرمایا کرتے تھے' لہٰذا ہر زمان و مکان میں ہمیں از خود اس خالی جگہ کو پُر کرنا ہوگا۔

دوسرا تصور یہ کہ کسی بھی حکم شرعی کا موضوع تبدیل ہونے سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے' اسے زبانِ شریعت میں عنوانِ ثانوی کہتے ہیں جو اپنی جگہ ممکن ہے۔

ثابت اور متغیر کے بارے میں بحث وگفتگو کرنے سے پہلے گذشتہ انسانی معاشرے کی مشکلات اور پیچیدگیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری ہے۔دین اسلام کے اہداف اور اس کی گہرائی درک کرنے کی صلاحیت ہمارے سامنے واضح و روشن ہو۔ان دو کلموں کی توضیح وتفسیر کے بعد معلوم ہوگا دین اسلام کس حد تک معاشرے کی پیچیدگیوں اور مشکلات کو حل کرنے کی قدرت وتوانائی رکھتا ہے اور اسلام کے پاس ہر دور کے انسان کو در پیش مشکلات کا حل موجود ہے یا نہیں۔

ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے دین اسلام میں بعض معاملات کیلئے خلاء چھوڑا ہے۔چنانچہ ولی امر مسلمین' وقت وحالات اور ضروریات کے پیش نظر اس خلاء کو پر کرے گا کیونکہ یہ خلاء حالات کے تغیر وتبدل کیلئے خاضع رہتا ہے۔ان فقہاء کا یہ دعویٰ' دشمنان اسلام اور نادان وجمود پسند مسلمانوں کی فکر کے خلاف سامنے آیا ہے جن کا کہنا ہے کہ احکام شریعت زمانے کے تغیر وتبدل سے تبدیل نہیں ہوتے۔اس سلسلے میں بعض دیگر علماء کا کہنا ہے ایسا نہیں کہ شریعت کے بعض معاملات میں خالی جگہوں کو پر کرنے کا اختیار

صرف فقہاء، ولی امر مسلمین کو دیا گیا ہے۔ ولی امر مسلمین فقہا اور دانشمندان، اوضاع وحالات سے واقف افراد کے صلاح ومشورے کے بعد قرآن وسنت کی بتائی گئی حدود وقیود کے اندر رہتے ہوئے ان جگہوں کو پر کرے گا۔

آیت اللہ آصفی اپنی کتاب اجتہاد وتقلید میں لکھتے ہیں: موضوع بدلنے سے حکم شرعی بدل جاتا ہے۔ یہاں دو اہم ابحاث ہیں:

١۔ زمان ومکان بدلنے سے موضوع بدل جاتا ہے۔

٢۔ موضوع بدلنے سے حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے۔

زمان کے لحاظ سے موضوع بدلنے کی مثال

ہم یہ نہیں کہتے کہ زمان ومکان، واقعات، حوادث اور تغیرات کیلئے ظرف نہیں ہے بلکہ زمان ومکان موضوع بدلنے کا سبب بھی ہیں۔ زمان کو تاریخ اور مکان کو جغرافیہ کہتے ہیں تاریخ وجغرافیہ تغیر کا ظرف نہیں بلکہ گذشت زمان کے ساتھ موضوع خود بخود تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال وجوب حج ہے۔ وجوب حج حکم شرعی ہے اور استطاعت امر تکوینی۔ حکم تشریعی، حکم تکوینی کے تابع ہے، استطاعت کبھی حاصل ہوتی ہے اور کبھی کھو جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی شخص گذشتہ زمان میں مستطیع نہ ہو اور حاضر یا مستقبل زمان میں مستطیع ہو جائے یا پہلے مستطیع تھا لیکن دوسرے زمان میں استطاعت ختم ہو جائے چنانچہ جب مستطیع ہے تو حج اس پر واجب اور اگر مستطیع نہیں تو حج بھی واجب نہیں یعنی ایک زمانے میں استطاعت کی بنا پر حج واجب تھا لیکن دوسرے زمانے میں واجب نہ رہا۔ یہ استطاعت کے لحاظ سے موضوع بدلنے کی مثال ہے۔

مکان کے لحاظ سے موضوع بدلنے کی مثال

کبھی ایک علاقے کی نسبت مالی قوت واستطاعت پوری ہوتی ہے لیکن یہی مقدار اگر دوسرے علاقے میں ہو تو ہوسکتا ہے وہ مستطیع نہ ہو۔ موضوعات بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، حکم شرعی نفی واثبات دونوں میں موضوعات کے تابع ہیں، موضوع آنے سے حکم آ جاتا ہے

اور موضوع رفع ہونے سے حکم رفع ہو جاتا ہے۔ قانونِ فلسفی کے تحت، مسببات تابع سبب ہیں لہٰذا تشریع وتکوین میں ربط ہے جیسا کہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص پہلی رمضان کو اپنے گھر میں ہو تو اس پر روزہ واجب ہے یعنی وجوب روزہ خاص جگہ پر متوقف ہے، جب آپ اپنے شہر میں ہوں گے تب وجوب روزہ آئے گا یعنی وجوب روزے اور شخص کے حضور میں ربط ہے۔

موضوع بدلنے کے ساتھ حکم بدلنے کی مثال

زمان اور مکان بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے لیکن یہ تبدیلی عرف سے مربوط ہے یعنی عرف کہے کہ تبدیلی آئی ہے۔

موضوعات، ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ان کی کوئی مستقل حالت نہیں ہوتی۔ ایک زمانے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے زمانے میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں فقیہ دقت وباریک بینی سے دیکھتا ہے کہ کہیں موضوع بدلا تو نہیں تا کہ حکم بدلنا پڑے کیونکہ ہر موضوع زمان ومکان سے متغیر نہیں ہوتا مثلاً رمضان، وجوب روزہ کا موضوع ہے لیکن رمضان ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل نہیں ہوتا۔

عنوانِ اولی وثانوی

فقہ اسلامی میں انسانی زندگی سے مربوط تمام مسائل ومشکلات کا حل موجود ہے اگر یہ دعویٰ ثابت ہو جائے تو بہت سی پیش آمد مشکلات کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کیلئے فقہاء نے عنوان اولی وثانوی استعمال کئے ہے۔ عنوانِ اولی ان احکام کو کہتے ہیں جن کو شریعت مقدس اسلام ہر قسم کے عوارض وپیش آمد، دگر گوں حالات سے خالی وعاری صورت میں حکم نافذ کرتی ہے، اسے حکم اوّلی کہتے ہیں۔ بطور مثال اسلام میں ان حیوانات کا گوشت جو غیر اسلامی طور پر ذبح کئے گئے ہوں کھانا حرام ہے یہ اس کا حکم اولیٰ ہے لیکن اگر کسی انسان کو کھانا نہ ملے اور بھوک سے مرنے کا خطرہ ہو یا کسی جان لیوا مرض کیلئے حرام گوشت بطور دوا استعمال کرنا ہو تو اس صورت میں حفظ جان کی خاطر اس گوشت سے حسب ضرورت کھانا جائز ہے۔

اس حکم کو حکم ثانوی کہتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان آیات کو پیش کیا جاتا ہے:

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلاَعَادٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيم﴾ (نحل:١١٥)

﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (مائدہ:٣)

حکم ثانوی ہمیشہ اہم اور مہم میں سے اہم کو انتخاب کرنے کا نام ہے۔ اسی طرح ہمیشہ اہم کے تحفظ و پاسداری کیلئے حکم ثانوی آتا ہے۔ عنوان اولی ہمیشہ ثابت و استوار رہتا ہے جبکہ حکم ثانوی وقتی طور پر جائز ہوتا ہے۔ حکم اولیٰ تمام افراد کیلئے برابر جبکہ حکم ثانوی صرف معذور افراد کیلئے جائز ہے۔

اس حوالے سے احکام ثانوی در حقیقت تمام جدید مسائل کا مصدر و مآخذ بن سکتا ہے۔ ہم ذیل میں احکام ثانوی کی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں:

١۔ ضرورت: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا بھوک سے قریب المرگ یا جان لیوا مرض میں مبتلا ہونے کی صورت میں بطور دوا حرام گوشت ضرورت کے تحت جائز ہوتا ہے۔

٢۔ اگر نظام مالیات میں زکات اور جزیہ، خراج کفایت نہ کریں تو حفظ نظام کی خاطر اس کے علاوہ بھی مالیات وصول کئے جاسکتے ہیں۔

٣۔ حج پر جانا واجب اولی ہے حج کیلئے پاسپورٹ کا حصول واجب حکم ثانوی ہے۔

٤۔ ہر شخص اپنے گھر کا خود مختار ہوتا ہے۔ اس میں وہ ہر قسم کے تصرف کا حق رکھتا ہے لیکن شور و شرابہ کرنا، بدبودار چیزیں گھر میں رکھنا جو پڑوسیوں کیلئے ضرر کا باعث ہوں اس کیلئے حرام ہیں۔

٥۔ ہر مسلمان کیلئے اپنے عقیدے کا اظہار کرنا اور اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کہیں یہ عمل اس کی جان کیلئے خطرہ کا باعث ہو تو اس صورت میں یہ وجوب اس سے ساقط ہو جاتا ہے، اس وجوب کو چھوڑنا حکم ثانوی ہے۔

٦۔ سفر انسان کیلئے مباح ہے انسان جہاں بھی جانا چاہے آزاد ہے لیکن اگر یہ سفر بلاد اسلام چھوڑ کر بلاد کفر کی طرف ہو جو اسلام و مسلمین کو کمزور، اور کافرین و

مشرکین کی طاقت میں اضافہ کا سبب بنے وہ حرام ہے۔

۷۔ نذر، عہد، قسم: مباح کام انجام دینے کیلئے عہد، نذر یا قسم کھانے سے وہ عمل واجب ہوجاتا ہے یعنی جو عمل اپنی جگہ مستحب ہیں، ان کو انجام دینے کی نذر یا عہد کی جائے تو وہ واجب ہوجاتیں ہیں۔

۸۔ حکم اولی کے تحت کسی بھی فرد کو مارنا، ڈرانا یا دھمکی دینا حرام ہے لیکن کسی کو ادب سکھانے یا غلط کاموں سے باز رکھنے کیلئے ڈرانے یا تادیب کرنا پڑے تو یہ حرام نہیں۔

۹۔ روزہ، ماہ رمضان کے علاوہ مستحب ہیں۔ اگر کسی نے نذر کی کہ ہر مہینے کی پہلی کو روزہ رکھے گا تو عیدالفطر کا روزے اس کیلئے حرام ہوجاتے ہیں۔

۱۰۔ قتل نفس حرام ہے جو کہ حکم اولیٰ ہے لیکن گھر پر حملہ یا وہاں چوری کی نیت سے آنے والے سے اپنا اور ہر مسلمان کا دفاع کرنا واجب ہے۔

سورہَ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں فرمایا دین کے طریقہ کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِى أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾

شریعت سے مراد وہ چیز ہے جو قرآن میں وارد ہوئی ہے جبکہ منہج سے مراد ہر وہ چیز ہے جو سنت پیغمبرؐ میں بیان ہوئی ہے۔ سورہَ اعراف کی آیت ۲۰۳ اور یونس کی آیت ۱۵ سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ تابع وحی تھے اور از خود کوئی حکم وضع نہیں کرتے تھے۔ پیغمبرؐ کے بیان کردہ احکام میں کسی قسم کی خطا و غلطی کی گنجائش نہیں۔ احکامِ شریعت جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں وہ دو حصوں میں تقسیم ہیں: قرآن اور سنت رسولؐ۔

اجتہاد کے معنی جیسا کہ فقہائے عظام نے تحریر کئے ہیں "کسی بھی مسئلے کے بارے میں حکم الٰہی کو اس کے مقررہ مصادر سے استنباط کرنے کیلئے اپنی تمام فکری طاقت و توانائی کو بروئے کار لانا۔"

دین اسلام، دنیوی و اخروی اُمور، عبادات و معاملات، اجتماعیات اور سیاسیات میں جامع و کامل اور سب پر حاوی ہے۔ اس حوالے سے تحقیق کا دائرہ تمام اقسام تک بڑھانا

ضروری ہے۔

خداوند عالم نے مندرجہ ذیل آیات میں پیغمبرؐ کولوگوں کی خواہشات کی پیروی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے:

﴿وَلاَتَتَّبِعْ أَهْوَائَهُمْ﴾ (مائدہ:۴۸)

﴿وَلاَتَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لاَيَعْلَمُونَ﴾ (جاثیہ:۱۸)

اجتہاد کے تین درجات ہیں

اجتہاد کوایک زندہ، ضروری اور بنیادی مسئلہ گردانا جاتا ہے اور اسے زمان ومکان کے حوالے سے ناگزیر قرار دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں اور شریعت اسلامی کیلئے اجتہاد کی ضرورت و افادیت کو بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے شریعت اسلامی میں مجتہدین کے دو ادوار ہیں۔

۱۔ مرتبہ اجتہاد مطلق: اس میں احکام کو قرآن وسنت کی دلالت اور روایات کے سند و متن میں غور وخوض کے بعد استنباط کیا جاتا ہے۔ یہ دورِ کشف ہے، جس میں مجتہدین نصوصِ اسلامی میں غور وخوض کر کے صاحب شریعت کے مقام ومقصود تک پہنچنے اور قرآن وسنت کے حکم کے مطابق اس توانائی اور مشقت سے کی جانے والی کوشش اور عمل کو اجتہاد، عمل کرنے والے کو مجتہد جبکہ برآمد ہونے والے نتیجے کو کشف وخبر کہتے ہیں۔ یہاں شریعت میں مجتہد اپنی کوئی رائے یا نقطہ نظر داخل نہیں کرسکتا بلکہ یہ ایک مخبر، راوی کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔ اجتہاد فی المذاہب: اس میں کسی بھی مسئلے کے بارے میں فقہائے اسلام کے فتویٰ سے معلوم کیا جاتا ہے۔ یہاں اجتہاد، آئمہ مذاہب پر رک جاتا ہے۔ آئمہ اربعہ پر اجتہاد کی حرکت ختم ہوجاتی ہے۔ اس کو اجتہاد فی المذھب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وظاہری یا جعفری وغیرہ کہتے ہیں۔

۳۔ اجتہادِ فتویٰ: اس میں گذشتہ مجتہدین کے فتاویٰ کو نقل کرنے کے بعد ایک کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جو اجتہاد ہمارے ہاں موجود ہے وہ ان تینوں طریق کے اجتہاد سے بالاتر ہے کیونکہ یہاں اب قرآن وسنت سے استباط کرنے کی ضرورت ہے نہ دیگر فقہائے اسلام کی نظریات پیش کرنے کی۔ یہ لوگ صرف اپنے سے پہلے مجتہد کے فتاویٰ کو استاد بزرگوار کہہ کر نقل کرتے ہیں اور یہ ان کیلئے آیت کے برابر ہے۔اور اجتماعی' سیاسی' اور اقتصادی مسائل وہ مقامی کہانیوں اور کہاوتوں سے استنباط کرتے ہیں۔

نظام اجتہاد کے مفاسد

اجتہاد کے مفاسد بیان کرنے کیلئے ہمیں اسلامی ممالک کے بارے میں مغرب کے برے عزائم کا پس منظر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ مغرب نے جب اسلامی ملکوں میں قدم جمایا تو انہوں نے اپنی حاکمیت کو یہاں استحکام اور دوام بخشنے کیلئے تعلیم کا تحفہ دیا جو کہ کسی بھی صورت میں ناقابل رد نہیں تھا کیونکہ انسان عاقل خاص کر مسلمان جو تابع قرآن وسنت ہو' علم کو مسترد نہیں کرسکتا' دوسری جانب علماء ایسی درسگاہیں قائم کرنے سے عاجز و ناتوان تھے لہٰذا بادل نخواستہ اور بحالت مجبوری مسلمانوں نے ان کی لائے ہوئے علم کو قبول کیا۔ پہلے مرحلہ میں انھوں نے سادہ اور مفت تعلیم کی بات کی' دین سے عدم مزاحمت کا اعلان کیا لیکن ان کا آخری تیر جو علم کی نام سے مسلمان بچوں کی طرف پھینکا گیا وہ نساب تعلیم سے قرآن' سنت' تاریخ اسلام اور شخصیات اسلام کے اسمائے گرامی جیسے خلفاء اسلام' مجاہدین صدر اسلام' امہات مومنین نکال کر دین کا مسخرہ کرنے والے' دین سے بغاوت کرنے والے' فحاش' عریان' رقاص عورتوں کی حیات اور گانے جاگزیں کیئے۔

اسی طرح مدعیان اجتہاد پہلے کہتے تھے کہ ہم آیات قرآن کو طوالت اور ضخامت کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں لیکن قرآن وسنت سے ماخوذ مستنبط احکام آپ کو بتائیں گے' اس وعدے کے بعد انہوں نے فتویٰ دینا شروع کیا۔ دوسرے مرحلے میں ان فتاویٰ پر بے چون و چرا سوال واستفسار کا حق چھینا گیا۔ تیسرے مرحلہ میں اپنے لئے غیر محدود اختیارات' خمس میں بلاحساب تصرف' خمس کے نام سے درآمد ضریبہ بنائیں۔ چوتھے مرحلہ میں حکومتی املاک

غصب، چوری اور ڈاکہ کے علاوہ غریب، یتیم، دیوانوں کے املاک اور بغیر مالک املاک کا بھی خود کو مالک بنایا۔ پانچویں مرحلہ میں دین و دیانت سے عاری لوگوں کو وکیل مرجع کے نام سے لوگوں پر مسلط کیا، پھر قرآن و سنت کے خلاف فتاویٰ دینا شروع کیا۔ یہ ہیں ہمارے اجتہاد کے مفاسد۔

اس اجتہاد نے مجتہدین کے معنی لغوی کا تو حق ادا کیا جس کے معنی حصول مادہ میں تک و دو بھاگ دوڑ کرنا ہے، چنانچہ مجتہدین کی اولاد، داماد، اعزاء، اقرباء، وکلاء سب صاحبان مال و دولت وثروت بنے ہوئے ہیں چونکہ مال و دولت کے حصول میں بھاگ دوڑ اور زحمت ضروری ہے یہاں نہ ایمان کی ضروت ہے نہ نیت خالص کی۔ آپ بری نیت کے ساتھ کمائی کریں دنیا بھی حاصل ہو جائے گی لیکن دین کی تحقیق کیلئے ایمان اور نیت خالص کی ضرورت ہے چونکہ اس اجتہاد سے مراد دین نہیں نیت تھی لہذا کسی بھی موضوع دین و مذہب میں چندیں صدیاں گذرنے کے بعد بھی مذہب فقیر ہی ہے نہ ابھی تک مستند فنی تحلیل موسوعہ کا فقہ تیار ہو سکا نہ کوئی قابل استفادہ کتاب سامنے آئی ہے۔ تاریخ اسلام اور عقائد تو بہت دور کی بات ہے جو خدمات بطور آثار علمی چھوڑی گئی ہیں وہ بھی تقلید در تقلید ہی پر مبنی ہیں، ان میں تحقیق ناپید ہے۔

دھنسے ہوئے قلعے کی بالائی منزلیں

فقہا و مجتہدین ایسی کئی کثیر المنازل فتاویٰ کی عمارتوں کے مالک ہو چکے ہیں جو کسی مستحکم اور مستند سند پر قائم نہیں بلکہ مفروضات پر کھڑی کی گئی ہیں جو مختصر سے جھٹکے سے زمین بوس ہو جائیں گی۔ ایسی کثیر المنازل عمارات جن کی بنیاد غیر مستحکم ہو وہ مختصر سے جھٹکے سے گر جاتی ہیں یا اس میں دراڑ پڑ جاتی ہے لیکن بھوسہ کی مانند بنیاد ہونے کے باوجود یہ عمارت چند صدی گزرنے کے باوجود نہ تو گری ہیں اور نہ ہی ان میں دراڑ پڑی ہے۔ گویا پیچھے سے کوئی طلسمی دیوار اسے سہارا دے رہی ہے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے اسلامی ملکوں میں حکمرانوں کے ظلم استحصال استبدایت

کے نتیجہ میں انقلاب کی خوش خبری دی جاتی ہے لیکن حکومت بدلنے کے بعد دیکھا جائے تو وہی افراد دوبارہ نظر آتے ہیں جنھیں ہٹایا گیا تھا۔ گویا اس طرح دین میں بھی اسی کی ایک طلسمی طاقت ہے جو ان بے بنیاد فتاویٰ کو سہارا دے کر رکھتے ہیں۔

یہاں پہلے بھوسے کے قلعے اور اس کے بعد اس پر قائم منازل کا تعارف کریں گے۔ قلعہ بھوس سے ہماری مراد ادلہ تسامح سنن ہے مرحوم آیت اللہ مشکینی اپنی کتاب اصطلاحات اصول فقہ کے ص ۱۸۹ پر اس عنوان سے تحریر کی ہے۔ اگر کوئی خبر ضعف جو اپنی صحت کی شرائط پوری نہ کرتی ہو اس میں کسی فعل کے انجام پر ثواب بیان ہوا ہو۔ اس کیلئے ایک مثال پیش کرتے ہیں مثلاً کسی نے سنا ہے یا وہ روایت دیکھی جس میں آیا ہے کہ اگر کسی نے نوروز کے دن غسل کیا تو اس کیلئے اتنا ثواب ہوگا۔ یہاں کم سے کم دو حوالے سے یہ روایت مشکوک ضعیف ہے۔

۱۔ نوروز کے دن کی فضیلت۔

۲۔ اس غسل کی فضیلت۔

دونوں مشکوک بلکہ علماء و محققین کے نزدیک مردود ہیں لیکن اس پر عمل کرنے والوں کیلئے اجر و ثواب بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی دعائیں، نمازیں، ماہ شعبان، شبہائے قدر، زیارتیں، مرحوم قمی نے نقل کیں ہیں یہ سب اس قلعہ بھوس پر قائم ہیں۔

فقہاء اور مجتہدین کے بھوسے کے ٹیلے پر قائم فتویٰ

یہاں پر ہم مراجع تقلید و فقہا ذو الفراء والکرام کے بعض ایسے فتاویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو انہوں نے قرآن و سنت مسلمہ کو نظر انداز کرتے ہوئے معروف کذاب راویوں، غالیوں، ملحدین یا پھر سابقہ مجتہدین کے فتاویٰ کو سند بنا کر صادر کئے ہیں۔ یہاں کوئی دوست یا دشمن ہمارے بارے میں یہ تصور نہ کرے کہ ہم فقہا عظام سے بالاتر کوئی مقام کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں (حاشاء کلا ثم کلا الف کلا)۔

ان فتاویٰ کا قرآن و سنت سے متصادم ہونا، دو اور دو چار کی مانند ہے۔ قرآن کی آیات

اور سنت رسولؐ سے متصادم فتویٰ کو ایک عادی انسان بھی سمجھ سکتا ہے' چنانچہ ہمارے پیش کردہ عرائض سے آپ کو اس کا اندازہ ہوگا کہ یہ فتاویٰ قرآن وسنت رسولؐ اور سیرت اہل بیتؑ و اصحاب کے خلاف ہیں۔

دوسری طرف یہ منطق بھی درست نہیں کہ ہر چیز قرآن میں نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں جو قرآن میں ہے کم ازکم اس کی مخالفت تو نہ کریں۔ قرآن میں خاص وعام ہے یہ بات درست ہے لیکن جہاں بیان نص محکم ہو وہاں تخصیص تقید نہیں ہوسکتی ہے۔ مولا مقام بیان میں تھے بیان نہیں فرمایا۔ ناسخ ومنسوخ کو بنیاد بنایا جاتا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم کی آیت کے منسوخ ہونے کو محققین فقہاء نے رد کیا ہے' اس سلسلے میں البیان آیت اللہ خوئی ملاحظہ فرمائیں' جبکہ دوسری طرف سنت سے آیت کے منسوخ ہونے کی منطق خود آیات تحدی کے منافی ہے کیونکہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نبی نسخ کرسکتا ہے یعنی پیغمبر اسلامؐ ان آیات سے تحدی کرسکتے ہیں۔ جو کہ باطل ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ انسان ہیں اور یہ تحدی تمام انسانوں سے کی گئی ہے۔ محققین فقہا فرماتے ہیں آیات منسوخ نہیں ہیں۔ سنت سے ثابت شدہ چیزیں قرآن نے منسوخ کی ہیں۔

عقل، خام مال کی طرح تمام افکار نظریات میں ساتھ ہوتا ہے ورنہ وہ افکار مردود ہوں گے۔ جہاں تک دین وشریعت کے مسائل ہیں ان کا مصدر و مآخذ قرآن کریم اور سنت نبوی ہیں۔ اجماع شہرت فتویٰ سب تخیلات وحدسیات ہے۔ یہ کہا جائے انہوں نے کوئی روایت دیکھی ہوگی' ہماری ان کے آگے کیا حیثیت ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ انہوں نے دیکھ کر فتویٰ دیا ہوگا' یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دباؤ میں آکر دیا ہو' ضعیف روایت کو دیکھ کر اعتماد کیا ہوگا۔ کتنے ہوگا ہوسکتے ہیں۔ ذیل میں ہم بقول اہل فارس مشت از خروار بعض فتوای پیش کرتے ہیں۔

سورہ قریش کے ساتھ سورہ فیل ملا کر اور اسی طرح سورہ شرح کے ساتھ سورہ ضحیٰ ملا کر ایک سورہ تصور کی جاتی ہے لہٰذا ان چار سوروں میں سے صرف ایک سورہ نماز میں کافی نہیں بلکہ نماز میں دونوں پڑھی جائیں۔ تفسیر نور الثقلین ج ۵ میں تفسیر سورہ قریش میں تفسیر عباسی

سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان سوروں میں سے کسی ایک کا بھی تنہا سورہ نہ بننے کے بارے میں وارد روایت کا راوی مفصل بن صالح ہے۔

مفصل بن صالح کے بارے میں کتاب جامع رواۃ تالیف محمد بن علی اردبیلی ج ۲ ص ۲۵۶ میں لکھتے ہیں مفصل بن صالح کہ جس کو ابی جمیلہ بھی کہتے تھے، کذاب ہے۔ یہ احادیث جعل کر کے امام صادق ؑ اور امام موسیٰ کاظم ؑ کی طرف نسبت دیتا تھا۔ آپ اندازہ کریں ایک ادنی سے طالب کو بھی اپنی فقہ کے مستندات کے ضعف اور بے اساس ہونے کا پتہ چل سکتا ہے تو اگر کوئی بلند پائے کے علماء تحقیق کریں تو ان سے کئی گناہ زیادہ حقائق کشف ہوں گے۔ ایسے ایسے فتاویٰ معلوم ہوں گے جن کے نیچے ایک تنکے کا بھی سہارا نہیں جنھیں ان فقہا و مجتہدین نے اقویٰ، احوط، یجوز و لگا کر چلا رکھا ہے۔ مجتہدین کے حق افتاء کے علاوہ تمام اختیارات بے سند ہے۔

اختیارات مجتہدین

حق افتاء

مجتہد بننے کے بعد، قرآن وسنت سے استباط کر کے حکم شرعی بتانے کے حق کو حق افتا کہتے ہیں۔ یہ ان کا طبیعی حق ہے۔ حق طبیعی کا نتیجہ، فعل کے انجام دینے کے بعد نکلنا طبیعی ہے وہ کسی کے بخشش کے نیاز مند نہیں، یہ انھیں خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔

حق اختیارات

ایک شخص، مجتہد بننے کے بعد بہت سے اختیارات کا مالک ہو سکتا ہے۔ جس کے اعلیٰ مصادیق، حق حکومت اور قضاوت ہے۔ اس بارے میں فقہاء و علماء اختلاف نظر رکھتے ہیں، بعض اس کے قائل جبکہ بعض دیگر اختیارات قضائی کے منکر ہیں۔ لیکن بعض اختیارات پر سب کا اتفاق ہے۔ جنھیں مجتہدین کی اصطلاح میں امور حسبیہ کہتے ہیں جس سے مراد یتیموں، دیوانوں، اوقاف اور گمشدہ افراد کے متعلق امور ہیں۔ یہ حق مجتہد کو حاصل ہے اور مجتہدین ان اختیارات کو استعمال بھی کرتے ہیں۔

معجم جواہری میں لکھتے ہیں:

حسبیہ الزام المکلفین محی الارض بعدم تجاوز حریم الطریق حسیہ مدعیٰ له مادہ احتساب سے ہے۔ شریعت میں امر بالمعروف ہے اگر معروف کو چھوڑیں تو منکر کو رواج ملے گا۔ یہ تمام شعائر اللہ کیلئے استعمال ہوتا ہے، جیسے اذان اقامت۔ عرف میں چند چیزوں کیلئے مستعمل ہے۔

۱۔ شراب گرانا۔

۲۔ آلات قمار ولہو توڑنا۔

۳۔ سڑکیں بنانا۔

۴۔ محتسب، جرم ثابت کرنے کیلئے باز پرس کرسکتا ہے۔

۵۔ محتسب، قدرت اجراء معروف۔

۶۔ محتسب، متولی دواو طلب۔

حسبیہ کے بارے میں لکھتے ہیں فقہ اسلامی ج ۸ ص ۶۲۵۶:

صدر اسلام میں قضاوت کے ساتھ ساتھ ولایت مظالم اور ولایت محاسبہ دونوں ولی امر مسلمین کے پاس ہوتے تھے۔ امور حسبیہ، امر بالمعروف کو کہتے ہیں جہاں وہ متروک ہو۔ نہی از منکر حاکم مسلمین کے ذمہ ہے کہ وہ اس عمل کیلئے جسے بھی مناسب سمجھے منصوب کرے۔ محتسب کیلئے معروف کے احیاء اور منکر کی روک تھام کیلئے کسی کی شکایت کے انتظار کی ضروت نہیں ہے۔

اس عمل کی بنیاد رکھنے والے خلیفہ دوم عمرؓ بن خطاب ہیں جو خود بازار میں ہونے والے ہیر پھیر، افراط تفریط کی روک تھام، ظالمین، منحرفین اور مجرمین کا پیچھا کرتے تھے۔ خلیفہ عباسی کے دور میں اس گروہ کا نام محتسب اور ادارہ کا نام حسبہ مشہور ہوا۔ محتسب، متطوع اور رضا کاروں میں فرق ہے۔ محتسب گروہ، حکومت کے حکم پر کام کرتا ہے، جس کی وہ حکومت سے تنخواہ لیتے ہیں۔ محتسب منکرات کی تلاش کرتے ہیں اور از خود اپنے لئے معاون و مددگار بھی اپنا سکتے ہیں، محتسب کا دائرہ عمل امر بالمعروف و نہی از منکر ہے۔

قضاوت

ختم، خصم ونزاع اور فصل خصومات' جہاں کسی کے خلاف فیصلہ دینے کے بعد کسی اور کو دخل دینے کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ انھوں نے یہ حق بھی اپنے وکیلوں کو سونپا ہوا ہے' جس سے آمریت اپنی انتہا کو پہنچتی ہے۔ یہاں کسی قسم کے علم اور عدالت کی حد بندی کا تصور نہیں پایا جاتا۔ یہاں مولا امیر المومنین کے قضاء کے تصرفات کے بارے میں کلمات صدق ہوتے نظر آتے ہیں۔

"تردعلى احدهم القضيه فى حكم من الاحكام فيحكم فيها برايه ثم ترد تلك القضيه بعينها على غيره فيحكم فيها بخلافه ثم يجتمع القضاة بذلك عندالامام الذى استقضاهم فيصوب آراء هم جميعا والههم واحد و نبيهم واحد و كتابهم واحد. افامرهم الله تعالىٰ بالاختلاف فاطاعوه.ام نهاهم عنه فعصوه. ام انزل الله دينا تاما فقصر الرسول صلى الله عليه و آله عن تبليغه و ادائه و الله سبحانه يقول:((ما فرطنا فى الكتاب من شىء)) فيه تبيان كل شى و ذكر ان الكتاب يصدق بعضه بعضا و انه لا اختلاف فيه فقال سبحانه: ((ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا)) وان القرآن ظاهره انيق و باطنه عميق.لا تفتنى عجائبه و لا تنقضى غرائبه و لا تكشف الظلمات الا به"
(خطبہ ۱۸)

حق حکومت

مجتہدین نے اپنے رسالہ عملیہ میں جو اختیارات اپنے لئے بیان کئے ہیں ان میں حق افتاء جو کہ ان کا طبیعی حق ہے کے علاوہ باقی تمام اختیارات سند و دلیل کے حوالے سے بھوسے کے ٹیلے پر قائم ہیں۔

آیت اللہ شیخ محمد مہدی الآصفی' عصر حاضر کے محقق' مولف نامدار شخصیت' صاحب تصنیفات کثیرہ اور حوزہ نجف وقم میں بڑے مقام ومنزلت کے حامل ہیں۔ ان کی ایک کتاب اجتہاد وتقلید کے نام سے ہے۔ کتاب کے ص ۱۱۰ پر مولف بزگوار آیت اللہ شیخ انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ فقیہ جامع شرائط کیلئے تین مناصب ہیں۔ حق افتاء' امور حسبیہ' حق حکومت یعنی وہ حاکم اعلی شریعت ہے۔

ہمارے ہاں جب بھی کوئی مسئلہ پیچیدہ یا عام لوگوں کیلئے نا قابل حل ہو تو حاکم شرع کا نام لیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ مسئلہ صرف حاکم شرع ہی حل کر سکتا ہے۔ اگر کسی مال کا کوئی مالک موجود نہ ہو تو کہتے ہیں حاکم شرع کو بھیج دیں، چاہے مال امام ہو یا زکوٰۃ۔ اگر کوئی یتیم ہو تو اس کا مسئلہ حاکم شرع کے پاس لے جاتے ہیں، اگر دو آدمیوں کے درمیان نزاع ہو، شوہر عورت کو تنگ کرے، طلاق نہ دے، اسی طرح اگر کسی کا شوہر گم ہو جائے تو کہتے ہیں وہ عورت حاکم شرع کے پاس جائے۔

اس سوال کا مختلف زاویوں سے جواب دیا جاتا ہے۔ مختلف ممالک اور علاقوں میں موجود مجتہدین عظام کے علاوہ ان کے وکلاء بھی حاکم شرع کہلاتے ہیں۔ اس کی سند میں فرمایا جاتا ہے کہ ان کے پاس امور حسبیہ کی اجازت ہے اور صاحب امور حسبیہ حاکم شرع ہی ہوتا ہے۔ امور حسبیہ کا اجراء مجتہد کے ہاتھ میں ہے اور جسے مجتہد اجازت دے، وہ ان معاملات میں مداخلت کر سکتا ہے۔

یہ جواب اپنی جگہ ایک اور سوال کا سبب بنتا ہے کہ ان امور میں مداخلت کرنے کا حق ان کو کہاں سے اور کس نے دیا ہے؟

یکے از اختیارات فقہاء، حق حکومت ہے جو انقلاب اسلامی کے بعد ولایت فقیہ کے نام سے متعارف ہوا۔

ہمارے اوپر غیر اعلانیہ تہمت تراشیوں میں سے ایک "مخالف ولایت فقیہ" ہونا بھی ہے۔ ہم نے امام خمینیؒ کے تصور ولایت فقیہ کے بارے میں خطبات نشر کیے۔ کراچی آنے کے بعد تصور ولایت فقیہ پر کتابچہ لکھ کر نشر کیا۔ ابھی بھی ہم اپنے گھر، محلے، ضلع، صوبہ حتیٰ غیر مسلمین کے درمیان میں بھی فقیہ کی حکومت کے حامی و داعی ہیں۔ اس ولایت فقیہ پر بول سکتے ہیں، لکھ سکتے ہیں، مناظرہ ومجادلہ ومباحثہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس ولایت فقیہ کے حق میں نہیں جس کی نیابت کی آڑ میں لادینی گروہوں کے ساتھ ساز و باز اور سمجھوتہ کیا جائے۔ آئے دن اپنا فیصلہ بدلنے والے نہ ولایت فقیہ ہے اور نہ ہی اس کے نمائندہ۔ ہمیں ولایت فقیہ کے جیالوں نے اس لئے کنارے پر لگایا کیونکہ ہم نے ان کے اس طریقہ کی مخالفت کی کہ وہ

تہران اور ایران کے دیگر علاقوں میں تو اسلام و مسلمین کے اور ہمارے یہاں ملحدین سے اتحاد کے داعی بنے ہوئے ہیں۔

جہاں جہاں اسلام کی حکمرانی ہو ہم اس کی حمایت کرتے ہیں اور اپنے ملک میں بھی ہم اسلام کے داعی ہیں، اسلام مخلوط از کفر و شرک کے نہیں۔ ہم اس ولایت فقیہ کے حامی ہیں جس کے معنی مسلمانوں کے حاکم کا قرآن و سنت رسولؐ کے دقائق اور باریک بینی کے ساتھ اقدار اسلامی، انسانی اور زمینی حقائق سے واقف ہونا ہے۔

ولایت فقیہ

ان کو یہ حکومت، ولایت اور اختیار کیسے اور کہاں سے ملا؟

اس سلسلے میں چند تصورات ہیں:

۱۔ یہ اختیارات انہیں آئمہؑ کی طرف سے ملا ہے۔ جس کے تحت ہر فقہی مجتہد اپنی جگہ حاکم ہے۔ اس صورت میں ایک ہی وقت اور زمانے میں مختلف و متعدد حکمرانوں کا تصور تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس تصور کے ثبوت میں پیش کرنے والی روایات کو علمائے حدیث نے ضعیف غیر مستند قرار دیا ہے وہ ان احادیث پر اعتماد کر کے کوئی قاعدہ اصول اپنانے کو درست نہیں سمجھتے۔

۲۔ ایک فقیہ، مجتہد، عارف دین و شریعت کو اگر لوگ حکومت سازی اور اجراء احکام کیلئے منتخب کریں تو اس صورت میں اس کی حکومت چل سکتی ہے کیونکہ لوگوں نے اسے یہ اختیارات سونپے ہیں۔ اس قسم کی حکومت کو عقل، عقلاء، قرآن اور سنت سب تسلیم کرتے ہیں۔

امام خمینیؒ کی ولایت اسی قسم کی تھی۔ اس سلسلے میں آپ کے خطابات کے اقتباسات کا مجموعہ موجود ہے۔ آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ حکومت، ملت نے دی ہے۔ ان کے اس فرمان کے تحت ملک سے باہر رہنے والوں کو انھیں نصب یا عزل کرنے میں کوئی کردار نہیں تھا۔ ساتھ ہی عقل و شرع بھی اس کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اُن پر اِن کی حکمرانی استبداد،

استعمار اور استحصال کا شاخہ ہوگی' جو عقل و شرع دونوں سے مردود ہے۔

ان دو وضاحتوں کے بعد ہم عالم تشیع کی بات کرتے ہیں۔ ایران میں قائم ولایت فقیہ کے نظام کے بارے میں سوال ہوتا ہے کہ آیا وہاں کے ولی فقیہ کی ایرانی شہریوں اور وہاں سکونت اختیار کیئے ہوئے غیر ملکی کے علاوہ ایران سے باہر رہنے والوں پر بھی حکمرانی چلے گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب واضح ہے۔

۱۔ ایرانی شہریت نہ رکھنے والوں کو اس نظام سے برآمد تمام سہولتیں حاصل نہیں۔ غیر ایرانی ان سے محروم ہیں۔ اس لیے نہیں چلے گی۔

۲۔ ولی فقیہ کو دوسروں کے مقابلے میں کامیاب بنانے غیر ایرانیوں کی رائے کی معمولی سے بھی حیثیت نہیں۔

۳۔ خدانخواستہ اگر یہ اپنے وعدے سے انحراف کریں اور اُن میں صلاحیت حاکمیت ختم ہو جائے تو جس طرح ایرانی انھیں ہٹانے کیلئے تحریک چلا سکتے ہیں' غیر ایرانیوں کو یہ حق حاصل نہیں۔ غیر ایرانیوں کے جلسے جلوس اپنے انتہا کو بھی پہنچ جائیں تو وہ بھی یہ لوگ نہیں ہٹائے جا سکتے۔

لہٰذا اس ولایت فقیہ کو منوانے کیلئے غیر دانشمندانہ سلوک اپنایا جاتا ہے۔ جو عقل و شرع دونوں حوالے سے صحیح نہیں ہے۔

شرعی دلیل: ایک رعیت بہ یک وقت' دو حکمران کے ماتحت نہیں رہ سکتی۔ آیہ عسر و حرج اس منطق کو رد کرتی ہے۔

۳۔ ایک ولی فقیہ کو تسلیم کرنے کے بعد اس کا ہمارے امورات' مقدرات' سعادت' شقاوت' بدبختی کے دور میں ہماری حمایت' دفاع اور مدد کے مظاہرے' روز روشن کی طرح نظر آنا ضروری ہے۔ ہمارے ملک میں نسواں بل کے نام پر اسلام و مسلمین' مومنین و مومنات کی اہانت و جسارت کی گئی لیکن اس بارے میں کسی مرجع وقت یا ولی فقیہ کی طرف نہ صرف یہ کہ کوئی ایک سطر کا بیان نہیں آیا بلکہ ان کے نمائندوں نے مستہزاء بالدین کی حمایت کا اعلان کر کے یہاں سیکولر نظام

اپنے عروج پر پہنچایا۔

حکومت دو طرف سے ملتی ہے

۱۔ من عند اللہ، اللہ تعالی کی طرف سے جو رازق و خالق ہے۔ کائنات کا وجود و بقاء اس کے ارادے سے قائم ہے۔ وہ جو چاہے حکم کرے اسے حق ہے۔ وہ کسی بھی فرد کو سروری و بالا دستی کیلئے منتخب کرسکتا ہے۔ اسی نے انبیاء کو ولایت وسلطنت دی اور حضرت داودؑ سے فرمایا:

﴿یَادَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاکَ خَلِیفَةً فِی الْأَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾
(ص:۲۶)

۲۔ دوسرا عوام الناس، یعنی رعایا کی طرف سے ہے۔ امت کی اکثریت جسے منتخب کرے، وہی حاکم ہوگا۔

لیکن یہاں ہر فقیہ و مجتہد، مجتہد بنتے ہیں ان اختیارات کے مالک ہوجاتے ہیں۔

اس اختیارات کی سند کے طور پر پیش ہونے والی روایت، سند اور متن دونوں حوالوں سے مخدوش ہے۔ سند کے سلسلے میں آیت اللہ الحکیم کی مستمسک اور آیت اللہ خوئی کی اجتہاد و تقلید ملاحظہ فرمائیں۔ دوسرا اعتراض روایت کے متن کا ہے جس سے فقہا کا حق حکومت ثابت کیا ہے۔ روایت کے متن کے حوالے سے ان عرائض کی طرف توجہ کریں۔

۱۔ آئمہؑ نے حکومتی قضاۃ اور طاغوت کے پاس اپنے مقدمات کے فیصلہ کیلئے جانے سے منع کیا گیا۔

اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ روایت میں طاغوت کہا گیا ہے جن سے خلفاء کی طرف سے منصوب قاضیوں کو مراد لیا گیا ہے۔ آپ کو طاغوت کی تشریح اور مصداق قرآن سے لینی چاہیے قرآن نے طاغوت مشرکین و کافرین کیلئے استعمال کیا ہے۔

۲۔ کیا کوئی ایسی مثال ملے گی جہاں آئمہ یا کسی شیعہ نے ان کی طرف رجوع کرنے سے انکار کیا ہو۔ کیا یہ اعلان رسول کی نافرمانی نہیں ہے۔

۳۔ اگر متنازعین' آئمہ طاہرینؑ یا ان کی طرف سے منصوب قضات کو چھوڑ کر خلفاء کی طرف سے منصوب قضات کی طرف لے جانے کو تحاکم بہ طاغوت کہا ہے تو یہ چندین حوالے سے حقائق کی دیوار سے ٹکرائے گا۔

- تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آئمہ طاہرینؑ روزانہ چند گھنٹے یا ہفتے میں ایک یا دو دن لوگوں کے تنازعات حل کرنے کیلئے بیٹھتے تھے۔
- بعض آئمہ یا تو زندان میں رہے جیسے امام موسی بن جعفرؑ' امام علی ہادیؑ' امام حسن عسکریؑ یا تو خلیفہ کی نگرانی میں رہے۔ تو کیسے خصم نزاع کرتے تھے۔
- آئمہ طاہرینؑ کے اصحاب میں سے کوئی بھی راوی اس نام سے معروف نہیں ہوا ہے جو قضاوت کرتا تھا۔
- ہر شخص کو یہ اجازت تھی وہ قضاوت کرے یہ بھی باطل ہے کیونکہ یہ ذوات خود ایک فن و ہنر خلائق کی ضرورت ہے۔
- سنہ ۲۶۰ ھ کے بعد آئمہ طاہرینؑ کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیام قیامت تک شیعوں کے حقوق تلف ہوں گے کیونکہ وہ کہیں سے بھی استفاد و استناد کا حق نہیں کر سکیں گے۔

۴۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ چھ سو سال تک حکمرانوں نے خلافت اسلامی کے نام سے حکومت کی اور ان کا دعویٰ رہا کہ فیصلے قرآن و سنت کے مطابق کئے جات رہے ہیں تو جو چیز قرآن اور سنت کے مطابق ہو' اسے کیسے رد کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ اگر انسان کو حق ملنا' قضات حکومت باصطلاح متوقف ہو' تو وہاں جانے کو حرام قرار دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ یہ مظلوم شخص کے حق میں ظلم ہوگا کہ آپ ایک شخص کو مجبور کر رہے ہیں کہ وہ ایک غیر متعین شخص کی طرف اپنا تنازعہ لے جائے یا ایسے گروہ کی طرف لے جائے' جو اپنی جگہ ہر ایک اختیارات کا حامل ہے۔ یہ امر آپس میں خود اختلاف و گشیدگی کا سبب بنتا ہے۔ تب بھی انہیں امام کی طرف سے منسوب حاکم قرار دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ یہاں سے ایک اور نہ ختم

ہونے والا تعجب سامنے آتا ہے کہ جن فقہاء نے فقہاء کیلئے حق افتاء کے علاوہ تمام اختیارات ولایت کی نفی کی ہے وہ کیسے امور حسبیہ کی اجازات صادر کرتے ہیں۔

۶۔ اس سلسلے میں ایک اعتراض یہ ہے کہ معاملات میں حکم، حاکم کا ہوگا یا نبیؐ کا؟ صفحہ ۵۳۴ پر آیت اللہ خوئیؒ حاکم کی حکم پیروی کرنے کو واجب نہیں سمجھتے چنانچہ چاند کے مسئلے میں کہتے ہیں اگر حاکم نے روزہ کھولنے کو کہا اور حاکم جن گواہوں پر اعتماد کرتا ہے آپ انہیں عادل نہیں سمجھتے تو آیت اللہ خوئیؒ کے مطابق جب تک آپ کو حاکم کے حکم پر یقین واطمینان نہ ہو، آپ روزہ نہیں کھول سکتے۔

۷۔ ان کے نہ ماننے والوں کی خیر نہیں، انہیں برے نتائج کا سامنا کرنا ہوگا۔ یہ ایسا ہی نازک مسئلہ ہے جیسے کسی مریض کو انتہائی نگہداشت میں رکھا ہوا ہو، جس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے ہوسکتا ہے کہ مثبت نتیجہ نکلے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انتہائی خطرناک نتائج برآمد ہوں۔ اس مسئلے کو کھولنے اور وضاحت کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ پوری ملت کو ہمیشہ انتہائی نگہداشت میں نہ رکھنا پڑے۔

امور حسبیہ جو حکومت کا ایک ذیلی ارادہ ہے

وہ خود اس کے مسئول و ذمہ دار ہیں جس کے پاس حکومت نہ ہو وہ ایسے اختیارات کسی کو نہیں دے سکتا اور اگر دے بھی دے تو بھی کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کے مفاسد کثیرہ ہیں چنانچہ امور حسبیہ کے حامل بہت سے علماء نے اس اختیار میں آکر بہت سے نابالغ لڑکیوں کے عقد کئے، احمق اور دیوانوں کے مال خائنون کے حوالے کئے ہیں۔ یہاں مولا امیر المومنین کے کلمات یا فریاد جسے شریف الرضی نے نہج البلاغہ کی خطبہ ۱۸ میں نقل کیا ہے ملاحظہ کریں۔

مجتہد بننے کے بعد وہ حاکم شرع اور صاحب حل وفصل حقوق شریعہ کے متولی بھی ہیں اس کی سند قرآن وسنت میں کہاں ہے؟

کہتے ہیں اس کا دائرہ پوری دنیا پر محیط ہے ہمیں استعمار کی بنائی گئی حدود وقیود سے آزاد ہوکر عالمی حکومت کیلئے کام کرنا ہے۔ ولی فقیہ کا دائرہ پوری دنیا پر ہے چاہے اسے صرف

ایک ملک کے افراد نے ہی اس منصب کیلئے چنا ہو۔

یہ معما گوئی چند لحاظ سے مخدوش ہے:

جن روایات سے اپنے اس نقطہ نظر پر استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف السند ہیں۔

کیا اتنے وسیع وعریض اختیارات کسی غیر مستند، مشکوک السند وادلالت سے ثابت ہو سکتے ہیں۔

مجتہدین کے اختیارات مالی

مندرجہ ذیل اموال مجتہدین کی مالی اختیارات میں شمار ہوتے ہیں:

۱۔ القطۃ: جو چیز کسی روڈ، مسافر خانہ، میدان یا بازار سے ملے۔

۲۔ بینکوں سے ملنے والا سود۔

۳۔ سرکاری اداروں میں کی جانے والی ٹھیکیداروں کی خرد برد۔

۴۔ ارباب اقتدار کی لی جانے والی رشوتیں۔

۵۔ مال مخلوط بہ حرام روش کسب سے جمع شدہ اموال وغیرہ شامل ہیں۔

۶۔ تمام نذورات اس مد میں شامل ہیں۔

۷۔ تمام صدقات اصلی وجعلی ان مد میں شامل ہوتے ہیں جیسے امام ضامن وغیرہ۔

۸۔ مفقود الوارثین کے اموال۔

۹۔ ہر وہ چیز جو مال حلال و مال حرام سے مخلوط ہو اس کے پانچویں حصہ کا مالک مجتہد ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اموال مجتہدین کی اجازت کے بغیر استعمال نہیں کیے جا سکتے۔ ان اموال کو بغیر اجازت کھانے والے جہنم کی آگ کھانے کے مترادف ہیں۔ ان میں سے ایک، مال امام ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ امام کی غیبت کے دوران جتنے بھی اموال امام سے منسوب ہیں وہ مرجع کے اختیار میں ہیں اور انہی کی اجازت سے خرچ کیے جا سکتے ہیں۔

آیت اللہ مہدی شمس الدینؒ کا بیان

قرآن مجید کی آیات، روایات اور فکر اسلامی میں مرجع کی کوئی ایسی بنیاد نہیں ملتی جس کے تحت کسی عالم کو مرجع کہا جائے۔ قرآن کریم کی سورہ توبہ کی آیت ۱۲۲ میں اس حوالے سے فقیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سلسلے میں جتنی روایات ملتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ضعیف ہیں۔ اگر کہیں کلمہ مرجع استعمال ہوا بھی ہے تو ان جگہوں پر جہاں تقلیدی ثقافت رائج تھی۔ شریعت میں اس حوالے سے کلمہ " تفقھو " اور " اتباع " استعمال ہوا ہے۔ ایک عام و جاہل انسان تابع شریعت ہوتا ہے نہ کہ تابع فقیہ کیونکہ ہمارے دین میں انسانوں کی پیروی کرنے کی شدت کے ساتھ نہی کی گئی ہے۔ دوسری جانب فقیہ نہ تو کوئی مقدس چیز ہے اور نہ ہی اس میں اتنی صلاحیت ہے کہ انسان آنکھ بند کر کے ہر معاملے میں اس کی پیروی کی جائے۔

مجہول المالک مال کی ولایت اور تصرف

ایک دیندار مسلمان کیلئے اپنے مال کے علاوہ کسی دوسرے کے مال میں سے تصرف کرنا حرام ہے جب تک اس کے مالک کی رضایت و اجازت نہ ہو۔ اس حکم شرعی کے تحت انسان کی روزمرہ زندگی میں بہت سے مسائل سامنے آتے ہیں یعنی ایسے مال جس کا مالک معین نہیں ہوتا جن سے اجازت طلب کی جاسکے۔ فقہا کی اصطلاح میں اسے اقطعہ کہتے ہیں یعنی کوئی چیز، کھلے میدان میں مل جائے مثلاً سونا، چاندی، زیورات، رقم، جواہرت، مأکولات و مشروبات جو کسی مسافر سے چھوٹ گئے ہوں یا وہ بھول گیا ہو۔

عصر حاضر میں اس کی ایک واضح مثال بینکوں میں موجود رقومات پر اضافہ کی صورت میں ملنے والی رقم ہے، جو بینک میں پیسہ رکھنے والوں کو دی جاتی ہے۔ یہ ربوی یعنی سود کے زمرے میں آتی ہے اور اس کا مالک مشخص نہیں ہوتا۔ اس سے کے علاوہ بعض فقہاء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر چونکہ حاکم جور مسلط ہیں لہٰذا ان کے قبضے میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے مالک نہیں چنانچہ یہ سب مجہول المالک مال ہے۔

مال للقطعہ

کسی کا گمشدہ کسی اور کو ملنے کو للقطعہ کہتے ہے۔ اس حوالے سے کہا جاتا ہے کہ کئی بار اس کا اعلان کیا جائے اور پھر بھی مالک نہ ملے تو مجتہد یا ان کے وکیل کو پہنچایا جائے۔ یہاں لوگ تھوڑی سی زحمت کر کے اصل مالک کو تلاش نہیں کرنا چاہتے بلکہ یہ اپنے مجتہد اور ان کے وکیل کی خدمت میں پیش کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔

اگر کسی کا کوئی قیمتی یا غیر قیمتی مال کھو گیا ہے تو اس کے مالک کے بارے میں آپ کیا احتمال کریں گے؟ اس کے مختلف مصادیق بنتے ہیں۔

۱۔ یہ اہل محلّہ میں سے کسی کا ہے۔

۲۔ پورا ضلع اس میں شامل ہے۔

۳۔ صوبے سے کسی کا ہے۔

۴۔ پوری مملکت اس میں شامل ہے۔

محلّہ، ضلع، صوبہ کے گمشدہ مال کے مالک دوسرے ملک میں رہنے والے مجتہدین کیسے قرار پاتے ہیں؟

اگلا مرحلہ ان اموال میں تصرف کا ہے۔ بعض کا کہنا ہے صاحبان مال کی طرف سے اسے صدقہ کر دیا جائے۔ بعض، فقیہ و مجتہد کے حوالے کرنے یا ان کی اجازت سے اس میں تصرف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جس کی دلیل میں کہتے ہیں کہ وہ مال جس کا مالک مجہول ہو اس کے مالک امام زمانہ ہیں اور چونکہ مجتہدین امام زمانہ کے نائب ہیں لہٰذا مجتہد کی اجازت سے اس میں تصرف کر سکتے ہیں:

۱۔ وہ کون سی دلیل ہے جس کے تحت فقہاء امام زمانہ کے نائب بنے ہیں۔ جس حدیث کے تحت فقہاء و مجتہدین کو نائب امام زمانہ گردانا جاتا ہے اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں یہ ضعیف اور غیر مستند ہے لہٰذا ایک ضعیف و غیر مستند روایت کو بنیاد بنا کر وہ کیسے اس مال کے مالک بن سکتے ہیں۔

۲۔ مجہول مال کے مالک امام زمانہ ہیں اس بارے میں قرآن وسنت سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔قرآن کریم میں اموال کے بارے میں چار تصورات پائے جاتے ہیں:

- وہ مال جس پر ابھی کسی کی ملکیت نہیں قانون ملکیت کے تحت وہ سب کی ملکیت سے خارج ہیں جیسے پہاڑ' دشت' بیابان وغیرہ۔
- تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اس کے علاوہ کسی اور کی ملکیت کا ذکر قرآن میں نہیں۔
- انسان مالک ہے ہر وہ چیز جو کسی کے قبضے میں ہو اور جتنی مقدار میں ہو وہ اس کا مالک ہے جب تک کسی سے چھیننے یا غصب کرنے کے ثبوت فراہم نہ ہوں۔
- ملکیت رسول اللہ اور امام کی ہے۔

۳۔ دنیا بھر میں عقلاء کے نزدیک ایک زمانے میں' ایک جگہ کیلئے ایک ہی نائب ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ امام زمانہؑ کے نائبین بیک وقت ایک ہی جگہ پر چندین ہوں۔ ہر وہ شخص جو دعویٰ اجتہاد کرتا ہے وہ خود کو امام کا نائب سمجھتا ہے۔جب بغیر کسی زحمت ومشقت کے وہ اتنی مالیت کے مالک بن سکتے ہیں تو کیوں ہر کوئی دعویٰ نہیں کرے۔

۴۔ مال فیہ اور خمس کے بارے میں وارد آیات کے مطابق وہ اموال ہیں جو کافر میدان جنگ میں چھوڑ جاتے ہیں یا ان کی املاک واشجار وغیرہ جن سے انھیں بے دخل کیا جاتا ہے وہ رسول اللہ' نائب رسول اور امام کے اختیار میں ہیں۔لیکن ہر مجہول مال' جہاں سے بھی ملے اس کے مالک رسول یا امام ہیں اس کی کیا دلیل ہے۔

۵۔ انہوں نے یہ اختیار اپنے علاوہ کسی اور کو کس دلیل اور سند کے تحت سونپا ہے۔

مال مخلوط بہ حرام سے خمس نکالنے سے حلال ہو جاتا ہے

باب خمس میں بعض فقہاء لکھتے ہیں:

حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر جمع شدہ مال ودولت میں سے پانچواں حصہ خمس کی شکل میں مجتہد کے وکیل یا نمائندے یا پھر خود مجتہد کو دینے سے تمام مال حلال ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص کے پاس حرام ذرائع سے پانچ لاکھ روپے جمع ہیں اگر اس میں سے وہ ایک لاکھ روپے خمس دے دے تو باقی چار لاکھ روپے حلال ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی بے منطق، بے دلیل طریقہ کار سے مذہب میں حرام کی کمائی کیلئے دروازہ کھولنے کا آسان نسخہ سامنے آیا ہے جس کے تحت فاسق وفاجر، حلال وحرام کا لحاظ رکھنے اور نہ رکھنے والوں میں فرق ختم ہو گیا ہے۔ اس طریقہ کار کو نظام مالیات اسلامی کی پیشانی پر سیاہ داغ کہا جا سکتا ہے۔

حلال وحرام یہ دو کلمے اصطلاحات دینی ہیں اہل ادیان، خاص طور پر دین مقدس اسلام نے جن چیزوں کی اجازت دی ہے اور ان پر کسی قسم کی بندش نہیں، انہیں حلال کہا ہے اور جہاں اس سے منع کیا اور پابندی عائد کی ہے، اسے حرام کہا ہے۔

ہم اس مسئلے پر بحث وگفتگو کریں گے کہ یہ آیا یہ حق سب کو حاصل ہے کہ وہ بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے یا پھر صرف ذات باری تعالیٰ مالک حقیقی ہے جو ہر چیز کا مالک ہے، اسے یہ حق حاصل ہے۔ آیئے پہلے دیکھتے ہیں لفظ حلال اور حرام کے کیا معانی بیان ہوئے ہیں:

حلال

حل سے ہے۔ حل قاموس کے مطابق "کھلا یا کھلنے" کو کہتے ہیں چنانچہ سورہ طہٰ کی آیت ۲۷ میں آیا ہے میری زبان کی گرہ کھول دے۔

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي﴾

اسی سے حلول ہے جب انسان کسی جگہ بیٹھ جاتا ہے تو اپنے باندھے ہوئے بار کو کھولتا ہے۔

اسی مناسبت سے ہر اس جگہ جہاں انسان نزول کرے، کہا جاتا ہے کہ اس نے حلول کیا:

﴿وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى﴾ (طٰہٰ:۸۱)

یہ کلمہ حلال وحرام سورہ نحل کی آیت ۱۱۶ میں بھی آیا ہے:

﴿وَ لاَ تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلاَلٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ﴾

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ (مائدہ:۷۲)

﴿قَالُوا إِنَّ اللهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (اعراف:۵۰)

حرمت تکوینی

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ (قصص:۱۲)

﴿وَحَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا﴾ (انبیاء:۹۵)

محرمات کے اقسام

خداوندمتعال نے اس کائنات میں انسان کیلئے انتہائی محدود چیزیں حرام قرار دی ہیں جبکہ اس کے مقابل کثیر وفراواں چیزوں کو حلال قرار دیا ہے۔ حرام کردہ چیزیں بہت ہی محدود ہیں، جوسورہ نحل آیت ۱۱۵ میں بیان ہوئیں ہیں۔محرمات سے شریعت میں پانچ چیزیں مراد ہیں:

- مردار
- خون
- خنزیر کا گوشت
- دوسروں کا مال
- غیر خدا یا بتوں کیلئے ذبح حیوانات۔جوان آیات میں بیان ہوئے ہیں:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾
(بقرہ:۱۷۳)

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ﴾ (مائدہ:۳)

حرام

ضدِ حلال۔ حرام یعنی ممنوع کرنا۔ کبھی یہ چیز نقصاندہ اور ضرر رساں ہوتی ہیں یا حرام مکافات یعنی مولیٰ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے جیسے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ﴾
(بقرہ:۱۷۳)

۱۔ بذات خود حرام ہے جیسا کہ سورہ نحل آیت ۱۱۵ میں آیا ہے۔

۲۔ تمام مزوعات زراعت سے حاصل چیزیں حلال ہیں۔

۳۔ ایک چیز اپنی جگہ حلال ہوتی ہے لیکن غلط طریقے سے حاصل کرنے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے جیسے رباء جسے "اکل باطل" کہتے ہیں:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (بقرہ:۱۸۸)

۴۔ حرام شارع کی طرف سے بندش ہے جو حفظ نظام یا ضروریات کو توازن میں رکھنے کیلئے ہے۔

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (بقرہ:۲۷۵)

۵۔ اگر ہلاک ہونا یقین کی حد تک پہنچا ہو تو حرام شدہ مردار بقدر ضرورت زندہ رہنے کیلئے کھانے کی اجازت ہے۔

سورہ نحل کی آیت ۱۱۶ کے ذیل میں صاحب تفسیر یہ مطلب استنباط کرتے ہیں کہ تمام طیب وطاہر چیزیں جن میں ضرر نہیں، حلال ہیں اور وہ تمام چیزیں جو اذیت رساں ہیں، حرام ہیں۔

مجتہدین کا دعویٰ اور عملی میدان

عقائد، احکامات، واجبات اور مستحبات کے مصادر و مآخذ قرآن کریم اور سنت رسولؐ ہیں۔ مجتہدین کا صرف دعویٰ کی حد تک کہنا ہے کہ فقہ کے مصادر قرآن وسنت ہیں جبکہ عملی میدان

میں قرآن کریم کو پہلے مرحلے ہی میں ناقابل فہم قرار دے کہ چھوڑا گیا ہے اور سنت رسولؐ کے راویوں کو غیر عدول قرار دے کر تنہا آئمہ طاہرینؑ سے وارد احادیث سے استنباط کیا جاتا ہے اور جب ہر طرف سے احادیث میں جعلیات اور خود ساختہ روایات پر تحقیق کرنے کا شور اور اس کے خلاف چیخ و پکار بڑھنے لگی تو انہوں نے روایت کو بھی پس پشت ڈال کر بغیر سند فتویٰ صادر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے غیر محدود اختیارات کا بھی اعلان کیا۔

۱۔ ایک شخص مرجع تقلید بننے کے بعد تمام مقلدین کے خمس کا ولی کل بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتنے غیر محدود اور غیر مسئول اموال کے ولی کل بننے کی کیا منطق و سند ہے؟

۲۔ حج وعمرہ سے متعلق فضاء میں لٹکے فتاویٰ۔

۳۔ انواع اقسام کے کھیل کود کے بارے میں فتاویٰ اور تشویق کی بے بنیاد توجیہات

۴۔ زانی کی زانیہ یا زانیہ کی زانی سے شادی کا جواز۔

۵۔ شادی سے پہلے شادی کی نیت سے عورت کی جسمانی ساخت وغیرہ کو دیکھا جا سکتا ہیے۔ یہ اس آیت کے خلاف ہے جس میں فرمایا ہے: "ولا یبدین زینتھن"

۶۔ متعہ کے جواز میں احادیث غیر مستند کی جولانیاں۔

۷۔ زوجہ کی ارث غیر منقولات سے نفی کرنا۔

۸۔ مال حلال مخلوط بہ حرام کا خمس دینے سے حلال اور پاک ہونا۔

۹۔ ارباح مکاسب میں وجوب خمس۔ یہ خمس نہ تو آیت انفال سے استنباط ہوتی ہے نہ سیرت نبی کریمؐ سے اس کی کوئی سند ملتی ہے، امیر المومنینؑ کے دور خلافت میں بھی اس کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ درحالانکہ فقہاء اپنے اکثر و بیشتر فتاوی کا استناد اپنے اساتید کی طرف کرتے ہیں۔

۱۰۔ وجوب تقلید کے تحت عمل عامی کو باطل قرار دینا۔

۱۱۔ زندہ مجتہد کی تقلید کرنا۔

۱۲۔ تقلید اعلم پر اصرار کرنا۔

۱۳۔ انواع واقسام کے اموال کی تولیت مجتہدین کو سونپنا۔
۱۴۔ امور حسبیہ کا اجازت نامہ۔ جیسا کہ بعد میں آتا ہے جو امور حسبیہ فقہ اسلامی میں آیا ہے اس سے مختلف ہے۔

تقلید کرنے کے بعد یہ سب اختیارات مجتہدین کو حاصل ہو جاتے ہیں اس دلیل سے متصادم ہیں جو یہ خود وجوب تقلید کے بارے میں استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تقلید سیرت عقلاء سے ثابت ہے۔ کیا عقلاء نے فقہاء کو حق جواب کے علاوہ مذکورہ حقوق بھی دیا ہے؟ کیا سیرت انہیں یہ اختیارات دیتی ہے؟

جنگی غنائم کے علاوہ دیگر درآمدات پر بھی وجوب خمس کا اصرار

استاد اسماعیلی کہتے ہیں خمس ایسی مالیت ہے جو عوام حکومت کو دیتی ہیں یہ غنائم جنگی کے علاوہ تجارت، صنعت وحرفت اور مزدوری وغیرہ سے حاصل رقومات اور معادن وکنوز، غوص، مال مخلوط بالحرام، مال مجہول اور وہ مال جو کافر ذمی مسلمان سے خریدی گئی چیزوں کے مقابل میں دی جاتی ہے۔ ان سب کا پانچواں حصہ بعنوان ضریبہ حکومت وصول کرتی ہے۔ فقہائے شیعہ نے آیت کریمہ (انفال:۴۱) میں موجود کلمہ غنیمت کو وسعت دیتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ غنیمت میں کسب وکاج بھی شامل ہیں۔

بعض نے دعویٰ کیا ہے کہ آئمہؑ نے اپنے دور امامت میں ولایت اور اختیارات استعمال کر کے خمس لاگو کیا تھا۔ بعض نے اسے ضروریات مذہب شیعہ میں گردانا ہے۔

کہا جاتا ہے جو افراد اس کے منکر ہیں وہ ضروریات مذہب شیعہ کے منکر ہیں۔ کبھی جذبات سے کھیلتے ہوئے کہتے ہیں: یہ حق زہراؑ کھانے کے مترادف ہے۔ اس کیلئے بہت سے خواب، کہانیاں اور علماء کے اقوال گھڑے گئے ہیں۔ اگلے مرحلے میں اس کے انکار کی برگشت، انکار نبوت وامامت سے ملائی جاتی ہے۔ یہ باتیں باہر کی محسوس شہود حقائق سے ٹکرانے کے بعد مزید شکوک وشبہات کو جنم دینے کا سبب بنی ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ضروریات مذہب کس دلیل پر قائم ہیں؟ کیا ضروریات

مذہب ضروریات اسلام سے ہٹ کر کوئی اور چیز ہیں۔ دوسری طرف ان کا انکار کرنے پر کیا شرعی مجازات ہیں۔

آیت کریمہ میں غنائم جنگی پر نص ہونا ایک قطعی اور مسلمہ حقیقت ہے، جس کی تائید میں روایات کے علاوہ سیرت رسول کریمؐ، اصحاب و آئمہؑ اور صفحات تاریخ گواہ ہیں لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا انسان کے کسب، مزدوری، تجارت، صنعت، زمینداری اور مال مویشی وغیرہ سے حاصل شدہ مال پر خمس واجب ہے؟ فقہائے شیعہ کا کہنا ہے ان پر بھی خمس ہے کیونکہ آیت کریمہ میں خمس غنیمت بیان ہوا ہے اور کلمہ غنیمت کہا گیا ہے جو انسان کے ہاتھوں حاصل کردہ تمام چیزوں پر صادق آتا ہے۔ کلمہ غنیمت کو کافر سے لئے ہوئے اموال تک محدود نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا کسب وکاج سے درآمدات بھی غنیمت ہیں ان پر بھی خمس لاگو ہوگا۔

اس کے علاوہ کنز ومعدنیات پر بھی خمس لاگو کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے استناد واستدلال کے متعلق کیوں، کیسے اور کب جیسے سوالات وجوابات سے ان کے اقوال اضطراب، تردد اور طفرہ کا شکار ہیں۔

غنیمت کو غنائم جنگی سے وسعت دے کر کنز ومعدنیات پر خمس لاگو کرنے کے فتواء کے باوجود، ایران اسلامی میں انقلاب کے بعد حاکم اعلیٰ مملکت، فقہ جامع الشرائط بننے کے بعد بھی معدنیات، تیل، گیس اور دیگر چیزوں سے خمس نکالنے کے بارے میں کوئی اجمالی حکم بھی دیکھنے، سننے میں نہیں آیا، یعنی ایران میں حکومت اسلامی شیعی قائم ہونے کے بعد اب تک کسی بھی سمعی، بصری یا کتاب میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی کہ تیل وگیس اور دیگر معدنیات جو حکومت کے قبضے میں ہیں اس کا خمس الگ کیا گیا ہو اور اسے مخصوص مصارف میں خرچ کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا ہو، یا اسے مراجع کے درمیان تقسیم کیا گیا ہو، یا خاص ترویج واشاعت دین کیلئے مخصوص کیا ہو۔ اسی طرح ضریحوں میں جمع مال آئمہؑ کے نام پر وقف ہونے والی املاک کے مصارف اور تولیت کے بارے میں کوئی فتویٰ رسالۂ عملیہ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔

بحث کا تجزیہ و تحلیل

استاد اسماعیل اسماعیلی ایک مقالہ آراء فی المرجعیۃ میں "مرجعیت اور خمس" کے عنوان سے اس بحث کو دو زاویوں سے اٹھاتے ہیں۔

۱۔ ارباح مکاسب پر خمس کی سند شرعی

۲۔ خمس کے حق تصرف اور اس کے مصارف و مصرف

غنائم جنگی کے علاوہ ارباح مکاسب پر خمس کے واجب ہونے کے تمام دلائل اپنی جگہ مخدوش ہونے کے ساتھ متصادم و متعارض بھی ہیں۔ یہ قول دوسرے قول سے متصادم ہے کیونکہ اگر آئمہؑ نے خمس لاگو کیا تھا تو خود شیعوں کیلئے تھا نہ کہ امام کیلئے اگر شیعوں کیلئے لاگو کیا گیا تھا تو اسے معاف کرنے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔

جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع میں لکھا ہے "ہم نے اسے (خمس) اپنے شیعوں کیلئے معاف، مباح کیا (چھوڑا) ہے۔"

کہتے ہیں خمس آئمہ طاہرینؑ کا حق ہے اور اس سے آئمہؑ اپنے اور شیعوں کے اخراجات پورے کرتے تھے کیونکہ بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام نے بیت المال مسلمین، زکوٰۃ، فے اور خراج وغیرہ پر قبضہ کیا ہوا تھا اور آئمہؑ کو اس سے محروم رکھا ہوا تھا لہٰذا آئمہؑ نے اپنے اور شیعوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے لوگوں پر خمس لاگو کیا۔

استاد کا کہنا ہے کیونکہ حکومتی مال و دولت سے آئمہؑ کو حقوق نہیں ملتے تھے اس لئے آئمہ طاہرینؑ نے اپنے اور شیعوں کی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے خمس کو واجب قرار دے دیا۔

یہ بات بھی تجزیہ و تحلیل کے بعد کھوکھلی ثابت ہوتی ہے۔

اس سے کئی برے نتائج نکل سکتے ہیں ایک تو یہ خمس دینے والوں پر ظلم ہوگا کیوں کہ ان لوگوں کو دوبار مالیات ادا کرنا پڑیں گی۔ آئمہ ایسا نہیں کر سکتے یہ ان کی امت سے شفقت اور لگاؤ کے خلاف ہے۔

دوسری طرف آئمہؑ اور شیعوں پر زیادہ مظالم بنی امیہ کے دور میں ڈھائے گئے لیکن اِس

دور میں کسی قسم کا خمس نہیں لیا گیا۔

زکوٰۃ کی جگہ خمس کو بھی حکومتی ضریبہ میں شامل کرنے کا فتویٰ دینا عوام سے آنکھ چرانے کے برابر ہے۔ یہ اپنے جگہ چند سوالات جنم دیتا ہے:

- کیا زکوۃ کے علاوہ خمس کے نام سے ضریبہ لینا ظلم نہیں ہے۔
- کیا شیعہ زکات کی جگہ خمس بطور ضریبہ دیں گے۔
- کیا کسی اہم فریضے کو ثابت کرنے کیلئے قرآن وسنت کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ایسا ہے تو:

۱۔ زکوۃ کو کیوں آٹھ چیزوں تک محدود رکھا گیا ہے دوسری پیداوار پر زکوۃ واجب ہونے کا فتویٰ کیوں نہیں دیا جاتا۔

۲۔ اگر انسان کے عام کسب وکاج پر بھی خمس لاگو ہوتا ہے اور کلمہ غنیمت ان پر صادق آتا ہے تو نبی کریمؐ کی وفات کے بعد ڈیڑھ سو سال تک اس پر کیوں عملدرآمد نہیں ہوا۔ کسب کی درآمدات پر خمس لاگو ہونے سے متعلق روایتیں امام جعفر صادقؑ کے بعد سے نقل ہوئی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ سے لے کر امام صادقؑ تک اس سلسلے میں کوئی روایات نقل نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں ان باتوں کو جواز بنا کر اس مسئلے سے صرف نظر کرتے ہیں:

- پیغمبر اسلامؐ قبائل سے خمس لیتے تھے چنانچہ جو خطوط آپؐ نے روساء قبائل کو لکھے وہ یقیناً خمس کے بارے میں ہوں گے۔ اگر ایسا ہے تو یہ مسئلہ کیوں اختلافی بنا ہوا ہے۔
- پیغمبرؐ کی حیات میں مسلمان فقر و فاقہ، تنگ دستی اور غربت کے دور سے گزر رہے تھے، اس لئے آپؐ نے ان پر خمس کی ادائیگی کے حوالے سے نہ صرف سختی نہیں کی بلکہ حالات سازگار ہونے تک اس کا حصول روکے رکھا۔ خمس، اغنیاء صاحبان ثروت دیتے ہیں نہ کہ فقراء و نیازمندان۔ لیکن یہاں مسئلہ بالکل الٹ ہے اگر معاشرے میں فقر و فاقہ زیادہ ہے تو خمس لاگو ہونا چاہیے تا کہ غریب طبقے کیلئے

کھانے پینے کا بندوبست ہو جائے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ حکومتوں کی سخت ترین نگرانی میں ہوتے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ طویل مدت تک زندان میں رہے۔ امام رضاؑ قصر مامون میں ایک قسم کی نظر بندی میں رہے اور امام جوادؑ مامون کی دامادی میں رہے۔ امام علی الہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ دونوں متوکل کی نگرانی میں رہے لہٰذا ایسے مواقع پر آئمہؑ ایسے خطرناک اور جان لیوا فیصلے نہیں کر سکتے۔ حتی یہ بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آیا کہ آئمہؑ کے دور میں شیعوں کی زندگی کے معاملات میں بہتری آئی ہو۔

لہٰذا استاد اسماعیلی کی توجیہات ایک تنکے سے پہاڑ ہٹانے کی خوش فہمی ہے۔

تولیت خمس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

مصارف مال امام

مال امام کو کہاں کہاں خرچ کرنا جائز ہے؟ اس سلسلے میں ان دو صدیوں میں فقہا و مجتہدین کی قولی و فعلی سیرت متعدد مراحل سے گذری ہے۔

۱۔ مال امام ایسے موقع و محل پر خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے امام زمان کا راضی ہونا یقینی ہو۔

۲۔ اس کے خرچ کے موقع و محل کو فقہا و مجتہدین، عامتہ الناس یا اپنے مقلدین سے بہتر جانتے ہیں۔ آنکھ بند کر کے ان کے دفتر یا اپنے علاقہ کے وکیل کے دست مبارک پر رکھ دیں اور سکون سے سو جائیں۔

۳۔ علاقے کی ضروریات دینی میں خرچ کرنے کے بعد باقی ماندہ حصہ ہمیں بھیج دیں تا کہ ہم اسے حوزات علمیہ کے مصارف میں خرچ کریں۔

۴۔ اگر مال سادات خرچ کرتے ہیں تو سہم امام ہمیں بھیجیں۔

۵۔ ایک تہائی آپ خرچ کریں باقی ہمیں دے دیں۔

۶۔ سارا مال امام ہمیں دیں اور ہم سے رسید لیں اسے کہاں خرچ کرنا ہے یہ ہم

جانیں اور ہمارے وکلاء۔

۷۔ اس کا نصف سہم سادات ہے جو ہر شخص اپنے علاقے میں خود خرچ کرے اور مال امام فقہاو مجتہدین کی اجازت سے خرچ کرے۔

۸۔ دونوں فقہاء و مجتہد کی اجازت سے خرچ کریں۔

۹۔ مال امام آپ کے وکیل خرچ کریں اور سہم سادات ہمیں بھیجیں۔

سہم سادات اپنی مرضی یا مجتہد کی اجازت سے محتاج مند سادات کو دیا جائے جس کی تفصیل رسالہ عملیہ میں موجود ہے۔

دوسرا حصہ مال امام ہے جس کے بارے میں رسالہ عملیہ اور جواب استفتات مذکور ہے کہ ان چیزوں میں صرف کیا جائے جہاں یقین ہو کہ امامؑ راضی ہوں گے۔

ایک عرصے سے اس نظریے میں تبدیلی لاتے ہوئے فرماتے ہیں: مالِ امام اور سہم سادات دونوں کے خرچ کیلئے ان سے اجازت لینا ضروری ہے۔ غیر سید مجتہدین نے مالِ سادات خود کو بھیجنے اور مالِ امام ان کے جمع کرنے والے شیوخ کے حوالے کرنے کا حکم دیا ہے وہ جہاں چاہیں خرچ کریں۔

سیرت مجتہدین اور ان کے وکلاء محترم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہوگا کہ امام زمانہ کی مرضی پہلے مرحلے میں سب سے زیادہ مجتہدین کے عزیز و اقارب اور وکلاء کی عیاشی کی طرف ہے۔ اس کے بعد بلند ترین تعمیرات پر جن پر القاب جلیلہ وطویلہ خط درشت میں ان کے کارنامے لکھے جاتے ہیں کیونکہ یہی بلند و بالا قبہ و منارہ چراغان' شعار اسلام ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام صاحبان مال و دولت اور سرمایہ دار بے دین و بے ایمان اور خائن ہوتے ہیں اور علماء دین' امین و محافظ مال امام ہیں بلکہ دونوں با ایمان اور دیندار و امانت دار بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں بے ایمان و خائن بھی۔ کون دیندار و امانت دار اور کون بے ایمان و خائن ہے یہ فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا لہٰذا ہم تعصب منفی میں آکر علماء کی حمایت نہیں کرتے ہیں۔ ہم اس منطق کے قائل نہیں کہیں حرام خوری کا موقع آجائے تو اپنے مومن بھائی کو فراہم کریں۔

بیت اللہ حرام

حج بیت اللہ دین اسلام کے اہم ستون میں سے ایک ہے جس کے تمام ارکان کبیرہ و صغیرہ سوائے رمی جمرات کے قرآن کریم کی واضح وروشن آیات سے مستفید ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کلام میں اس بیت کو ایک دفعہ اپنی طرف نسبت دی ہے جبکہ دوسری دفعہ ناس کی طرف اور اس فریضہ کے تارکین کو کفر سے قریب گردانا ہے۔ امیر المومنینؑ ایک خطبہ میں اس کی عظمت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں جسے شریف رضی نے نقل کیا ہے خطبہ ۱۹۲،۱۱۰ اور کتب ۴۷ میں اپنے وصیت نامہ میں خاص طور سے حضرت علیؑ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اس اہم فریضہ کے ضمن میں آیات کثیرہ اور روایات متواترہ موجود ہونے کے باوجود مجتہدین کرام نے چونکی لے کر فریضہ حج کو حکمرانوں اور ٹھیکیداروں کو کرائے پر دیا ہوا ہے جہاں فقہا نے حج کے بارے میں قرآن وسنت سے بے استناد و متعارض فتاویٰ صادر کئے ہیں ذیل میں ایک فہرست ملاحظہ کریں۔

۱۔ حج وعمرہ زندگی میں صرف ایک دفعہ واجب ہوتا ہے لیکن اس رائے کو کسی محکم آیت اور مستند روایت سے استدال نہیں کیا گیا سوائے آیت استطاعت کے۔ یہ استطاعت جہاں بہت سے افراد کو اس فریضے سے محروم رکھتی ہے وہیں بہت سے دوسروں کے ہر سال حج پر جانا کو ثابت بھی کرتی ہے۔ مستطیع پر بھی حج ایک ہی دفعہ واجب ہے یہ استدلال کہاں سے کیا گیا معلوم نہیں؟ ابھی تک کوئی سند سامنے نہیں آئی۔ اس حوالے سے اگر کوئی ہماری رہنمائی کرے تو ہم اس کے احسان مند ہوں گے۔

۲۔ مشعر الحرام میں طلوع صبح سے طلوع آفتاب تک کے وقوف کا بھی استناد بیان نہیں کیا گیا جبکہ آیت سے رات کو وقوف ثابت ہے۔

۳۔ حج تمتع کرنے والوں کیلئے بھی قربانی ذبح کرنا واجب ہے۔ یہاں بھی کسی آیت اور روایت سے استدال نہیں کیا گیا۔ جو آیات موجود ہیں وہ ھدیٰ' قرآن اور

نذورات کے بارے میں ہیں۔

۴۔ نذر کر کے احرام باندھنا۔ حج کا پہلا رکن احرام ہے نبی کریم سے لے کر اصحاب، آئمہ طاہرینؑ اور ہر دور میں فقہاء احرام مخصوص ومقررہ جگہوں سے باندھتے آئے ہیں۔ ابھی بھی دنیا کے دیگر ملکوں سے آنے والے حجاج اس سنت وسیرت پر باقی ہیں لیکن برصغیر اور اس کے تارکین نے خودساختہ میقات مقرر کئے ہوئے ہیں، جس کے تحت انہوں نے نیلام گھر کی مانند ہوائی جہازوں، ریل گاڑیوں اور دیگر سواریوں میں سوار ہونے کی جگہ کو اپنا میقات بنایا ہوا ہے۔

- احرام باندھنے کے مقام رسول اللہؐ سے ثابت ہیں لیکن اصل میقات سے ہٹ کر اپنے شہروں کے فٹ پاتھ، ایئر پورٹوں، فضاء میں احرام باندھنے کی سنت کو شدت سے فروغ دیا جارہا ہے۔ زیارتی کاروان بہت بری طرح سے لوٹ مار کررہے ہیں لیکن اس کے بارے میں منہ نہیں کھولتے۔
- حج کے بارے میں دقت اور عرق ریزی کرنے کی ضرورت ہے۔

میقاتِ نذری اور احرامِ نذری

کتبِ فریقین میں وارد روایات اور فقہائے کرام کے اولین حیثیت کے فتاویٰ کے تحت پانچ معین شدہ مواقیت سے پہلے یا بعد میں احرام باندھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ عازمین حج وعمرہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس عظیم عبادت میں جو قرب الٰہی حاصل کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، فقط تن پروری، راحت طلبی کی خاطر مشتبہ اعمال سے گریز کریں۔ روایات میں بہترین عمل اسے بتایا ہے جس میں زحمت زیادہ ہو۔

احرام نذری

احرامِ نذری کا مطلب یہ ہے کہ انسان نذر کرے: "میں حج یا عمرہ کا احرام فلاں مقام سے باندھوں گا۔"

یہاں دو کلمے ہیں: ایک احرام اور دوسرا نذر۔ نذر سے خود بخود یہ تصور ابھرتا ہے کہ خدا

کی بارگاہ سے معین شدہ مواقیت کی بجائے کسی اور جگہ کو میقات بنایا جارہا ہے احرام نذری کا تصور صرف شیعہ فقہاء کی کتبِ مناسک حج میں ملتا ہے۔ برادران اہلسنّت کے ہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ہم آئندہ سطور میں نذر کے بارے میں بحث و گفتگو کریں گے۔

۱۔ آیت اللہ محمد کاظم یزدی عروۃ الوثقیٰ' احکام مواقیت احرام میں لکھتے ہیں میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز نہیں اور نہ ہی اس طرح حج کرنے والا محرم ہوتا ہے۔ صرف احرام کی حالت میں میقات سے گزرنا جائز نہیں بلکہ میقات سے محرِم ہونا لازمی ہے۔

۲۔ آیت اللہ العظمیٰ آقای خوئی ؒ لکھتے ہیں اس میں کوئی شک واختلاف نہیں کہ احرام میقات سے پہلے یا میقات کے بعد باندھنا حرام ہے اور اس کی دلیل میں بیشمار روایات موجود ہیں (وسائل باب ۱۲ احدیث ۵،۶)۔ یہ چار رکعت کی بجائے چھ رکعت نماز پڑھنے کی مانند ہے۔ میقات سے پہلے یا بعد میں نذر کر کے یا بغیر نذر' احرام باندھنے کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ نذر کر کے احرام باندھنے کو ابن ادریس' ابن عقیل' شیخ صدوق اور شیخ طوسی نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: احرام پانچ میقات سے ہے' جنہیں رسول اللہؐ نے معین فرمایا ہے۔ کسی حاجی یا عمرہ کرنے والے کو یہ حق نہیں کہ وہ میقات سے پہلے یا بعد میں احرام باندھے۔

۴۔ **صحیحۂ ابن اذینۃ** : جس نے غیر میقات سے احرام باندھا اس کا احرام صحیح نہیں۔

۵۔ میسرہ کہتا ہے میں امام صادقؑ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ میرا رنگ اترا ہوا اور حالت بگڑی ہوئی تھی۔ امامؑ نے مجھ سے پوچھا: تم نے کہاں سے احرام باندھا ہے۔ میں نے کہا فلاں جگہ سے تو امامؑ نے فرمایا: بہت سے نیکی چاہنے والے نیکی تک نہیں پہنچ پاتے۔ پھر فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے کہ حالت سفر میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھو۔ میں نے کہا: نہیں تو امامؑ نے فرمایا: یہ (احرام

باندھنے کا) عمل بھی ایسا ہی ہے۔

۶۔ علی بن ابی حمزہ نے امام صادقؑ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اللہ کیلئے عہد کیا ہے کہ کوفہ سے احرام باندھے گا امام نے فرمایا: کوفہ سے باندھ لے۔

۷۔ روایت ابی بصیر سے نقل ہے اس نے کہا امام صادقؑ نے فرمایا: اگر کسی کو نعمت ملے یا کسی مصیبت سے عافیت ملے اور وہ عہد کرے کہ خراسان سے احرام باندھے گا تو اسے اپنا عہد وفا کرنا چاہیے۔

اس روایت کے تحت خراسان سے احرام باندھنے پر نذر کا واقع ہونا فی نفسہ پسندیدہ نہیں بلکہ یہ غیر پسندیدہ اور ناجائز عمل ہے۔ اس کے علاوہ یہاں لفظ نذر نہیں آیا ہے یہاں نعمت ملنے یا مصیبت رفع ہونے پر شکرانے کے طور پر کوئی عمل بجالانے کی بات آئی ہے جبکہ نذر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس حکم سے دو جگہ استثنا ہوا ہے:

۱۔ ماہ رجب میں عمرہ مفردہ کا احرام میقات سے باندھنے کی صورت میں عمرہ چھوٹنے کا خطرہ ہو تو پہلے سے احرام باندھنا جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ ہمیں درپیش نہیں لہٰذا ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

۲۔ اگر کسی نے میقات سے پہلے احرام باندھنے کی نذر کی تو صرف اسی کیلئے جائز ہے۔

اس قول (نذر) کی سند میں آیت اللہ خوئی فرماتے ہیں کہ فقہاء میں مشہور ہے کہ یہ نذر منعقد ہوتی ہے اور نذر کردہ جگہ سے احرام باندھنا جائز ہوتا ہے۔ پھر آیت اللہ خوئیؒ فرماتے ہیں ابن ادریس نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دلیل احرام اور اصول مسلمہ مذہب کے تحت احرام میقات کے علاوہ کسی اور جگہ باندھنا جائز نہیں ہے چونکہ یہ نذر خلاف شریعت ہے۔ اگر یہ نذر جائز ہو تو تمام مواقیت کا معین کرنا لغو ہوگا۔ ابن ادریس نے اس نظریے کی سید مرتضی علم الہدیٰؒ، ابن ابی عقیل اور شیخ طوسیؒ کی طرف نسبت دی ہے۔

قدیم زمانے سے فقہائے عظامؒ کتب فقہ میں باب نذر بیان کرتے آئے ہیں۔ باب نذر میں مشکلات اور سختیوں سے نجات و رہائی ملنے پر مشقت والا کوئی عمل یا عمل افضل انجام

دینا نذر کے زمرہ میں آتا ہے۔

مناسک حج پر جاننے والوں کی ترجیحات میں سے ایک افضل عمل پر مشقت والے عمل کو ترجیح دی جاتی ہے جبکہ آپ میقات جانے کی صعوبتوں سے جان چھڑانے اور دگنی رقم سے بچنے کیلئے نذر کرتے ہیں۔ فقہاء، مفسر قرآن وسنت ہیں وہ قرآن اور سنت وسیرت نبی کریمؐ کے خلاف یا متصادم فتویٰ نہیں دے سکتے۔ ایسی اندھی اور بہری تقلید خلاف قرآن وسنت ہے اور ایسے فتاویٰ فریضہ حج کو بوسیدہ کرنے کی شوم بدعت ہیں۔

جب احرام، مقدس مقامات سے باندھنے کی ضرورت ہی نہ رہے اور مشکلات حل ہونے پر فٹ پاتھ یا باتھ روم سے احرام باندھنے کی نذر کر کے احرام باندھا جائے تو کیوں نہ ہر ماہ مبارک رمضان سے ہی محرم ہو کر حالت احرام میں دفتر، کالجوں اور خرید وفروخت کیا جائے جب مکان کے حوالے سے یہ عمل جائز ہے تو زمان کے حوالے سے کیوں جائز نہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ دین وشریعت ہے، سہولیات دینے والی کوئی کمپنی نہیں ہے۔

اس فتویٰ کی اساس وبنیاد کے متعلق چند زاویہ سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ ایسی نذر، نص قرآن کے خلاف ہے۔ یعنی قرآن فرماتا ہے حج کا احرام معلوم و معروف مہینے میں باندھا جائے لیکن اگر کسی نے ماہ مبارک رمضان میں نذر کر کے احرام باندھا تو ہرگز قبول نہ ہوگا۔

۲۔ یہ ایسی نذر ہے جو سنت رسولؐ کے خلاف ہے یعنی رسول اللہؐ کے معین کردہ میقات سے ہٹ کر کسی اور جگہ سے احرام باندھیں۔

۳۔ اس نذر پر خود فقہاء اور مجتہدین میں سے کس کس نے عمل کیا ہے۔

۴۔ میقات سے پہلے اور میقات کے بعد احرام باندھنا، صرف یہاں کے مولانا حضرات کی بدعات میں سے ہے۔ اس پر دونوں مراکز یعنی نجف وایران میں بھی عمل نہیں ہوا، اس کا سہرا صرف یہاں کے فقہاء کے سر ہے۔ ایسی نذر کے رواج پانے کے بعد آئندہ آنے والے زمانے میں حج کے مناسک کو بہت سے

خدشات لاحق ہیں۔ ممکن ہے آئندہ چند سالوں میں جس طرح میقات مکانی سے پہلے احرام باندھنے کی سنت ہے، میقات زمانی سے قبل نذر چند مہینے پہلے شروع کریں۔ ممکن ہے آئندہ سالوں میں مسجد الحرام کے دروازے پر احرام باندھنے کی نذر کریں۔ دین کے بتائے ہوئے اصول پائمال ہونے اور اس کی جڑیں بوسیدہ ہونے کے بعد پتے اور شاخوں کے سوکھنے میں دیر نہیں لگتی۔

۵۔ ایک صدی سے زائد عرصہ سے فقہاء نے اس مسئلہ کو مناسک حج میں انتہائی اجمال وابہام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور بعد میں آنے والے فقیہ و مجتہد نے بھی بغیر کسی کمی بیشی کے اسے پیش کیا اور اقوی، احتیاط یا اولیٰ کا ذکر کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس مجمل فتوی پر نہ خود انھوں نے عمل کیا ہے اور نہ وہاں کے رہنے والے عمل کرتے ہیں۔ معلوم نہیں صرف پاک و ہند کے بعض علمائے اعلام کو اس پر عمل کرنے پر کیوں اصرار ہے۔

حاجی کا استحصال

علماء اعلام اور فقہا عظام کی سرپرستی میں عزداری امام حسینؑ جس دھانے پر پہنچ چکی ہے وہ کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ جھوٹے قصے، کہانیاں، افسانوں کے علاوہ توسل کے نام سے تمام اقسام کی بت پرستی، گھوڑے، جھنڈے، جھولے سے حاجتیں مانگنا، تمام سرحدیں پار کرچکی ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ کہا جاتا ہے دین انہی خرافاتوں، افسانوں، بت پرستی اور بت پرستوں سے ہی پھیلا ہے۔ اب تو بیت اللہ کو بھی ہر طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ ایک طرف سے حاجی کو دوسری طرف سے خود حج کو خرافات سے پُر کیا جارہا ہے۔

یہاں آنے والوں سے حق زحمت وخدمت کے نام پر کثیر رقم وصول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجالس، فاتحہ خوانی کے نام سے چندے جمع کئے جاتے ہیں گویا حاجی مکہ میں نہیں بلکہ ملک کے کسی معروف قبرستان میں آیا ہوا ہے۔ جہاں قبرستان کے دروازے پر لوگ آنے والوں کا استقبال کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم فاتحہ خوانی کریں گے ختم قرآن کریں گے۔

قربانی ایک رکن حج ہے۔ اس میں بھی بدترین دھاندلیاں شروع ہو چکی ہیں مثلاً جہاں بڑے پہاڑی بکرے کے تمام اخراجات سرکاری نرخ کے مطابق ۳۹۰ ریال ہوتے ہیں وہاں یہ لوگ ساڑھے چار سو ریال سے زائد رقم لیتے ہیں۔ معلوم نہیں اس زائد کو یہ کسی مد میں خرچ کرتے ہیں یا تو یہ کوئی خاص قسم کے حیوان ذبح کرتے ہیں۔ ان کے جانوروں اور سرکار کے جانور میں کیا فرق ہے کہ جس کیلئے اتنی زیادہ رقم لی جاتی ہے۔ دوسری جانب یہ تمام دھاندلیاں عباؤں کے سائے میں فروغ پا رہی ہیں۔

مجالس و محافل کے موضوعات میں حج کے سلسلہ میں وارد قرآن کریم کی آیات' نبی کریمؐ کی سنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ پر اکتفاء کرنے کی بجائے جھوٹے قصے کہانیوں کو فروغ دیا جاتا ہے۔

عرفات کی سرزمین جہاں انسان کو عجز و انکساری سے سجدہ ریزہ ہونا چاہیے' انسان کو دنیا و مافیہا سے آزاد ہو کر تفکر و تدبر کرنا چاہیے' اپنے دین' ایمان اور آخرت پر غور کرنا چاہیے' اپنی نیتوں کو خالص کرنا چاہیے۔ وہاں دعاؤں کے درمیان امام حسینؑ پر رونے رولانے کی غرض سے جھوٹے مصائب کی بوچھاڑ ہوتی ہے' حالانکہ اس عمل کو ہر حال میں روکنا چاہیے اور مصائب پڑھنے والوں کو پہلے سے متنبہ کیا جانا چاہیے۔ لیکن اس جگہ کو بھی انھوں نے سند سے عاری دعاؤں' جھوٹے قصے اور مصائب پڑھنے کی امام بارگاہ بنا دیا ہے۔

حج کی چونگی

ہر قسم کے کاروبار کرنے والوں کیلئے سال بھر میں کوئی نہ کوئی موسم ایسا آتا ہے جس میں انہیں زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح زمینداروں کیلئے فصل کی کٹائی کا موسم اچھا ہوتا ہے اسی طرح فقہاء و مجتہدین کو حج کا موسم اس لئے اچھا لگتا ہے کہ یہ ان کی فصل کی کٹائی کا موسم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حاجیوں کے ساتھ اپنے اپنے نمائندہ بھیجتے ہیں جو دور دراز سے آنے والوں سے حج کی چونگی وصول کرتے ہیں۔ انہیں ان کی چونگی سے کام ہے انہیں حج کے اعمال اور اصلاح سے کوئی سروکار نہیں۔ خود احرام باندھنے کیلئے میقات جاتے ہیں لیکن

بسوں کے اڈوں سے احرام باندھنے والوں کیلئے فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مناسک حج میں چندیں صدی گزرنے کے باوجود ایک کلمہ کا اضافہ کرنا مصلحت نہیں سمجھتے۔ معلوم نہیں کہ خمس ملنے کے بعد ان امور سے ان کی توجہ ہٹ جاتی ہے یا سوچ سمجھ کر اسے نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف کاروانوں کے اس پر اصرار سے تشویش ہوتی ہے کہ ضرور اس کے پیچھے کوئی عزائم کارفرما ہیں۔ ورنہ کیوں انہیں ایک مشکوک عمل پر اتنا اصرار ہے۔

فقہاء اور کھیل

عصر حاضر میں تمام میدانوں میں چاہے سیاست ہو یا اقتصادیت' اجتماعیت یا ثقافت' سب کھیل ہے۔ کوئی بال لے کر جا رہا ہے تو کوئی تماشا دیکھ رہا ہے۔ غرض سب کی کمائی کھیل ہی کے ذریعے ہے۔ سب مسلمانوں کی تقدیر سے کھیل رہے ہیں۔

اس حوالے سے فقہاء کے پاس بھی نت نئے اور بڑھتے ہوئے مسائل میں سے ایک مسئلہ کھیل کا ہے۔ اس وقت کوئی فقیہ یا عالم ایسا نہیں ہوگا جو کھیل کو حرام یا کراہت شدید کہتا ہو بلکہ علماء اسے لازم اور ضروری قرار دیتے ہیں۔ اب تو کھیلنا اہل بیتؑ کے فضائل میں گنا جاتا ہے اور بعض اپنی جدت پسندی ثابت کرنے کیلئے خود اس میں شریک ہوتے ہیں۔ اس مقولے کے تحت "اگر زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" کے تحت بادل نخواستہ کہتے ہیں: بلے بلے! وقت کی ضرورت ہے ہمیں تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ اس حوالے سے ہم پہلے کھیل کو قرآن وسنت کی رو سے دیکھتے ہیں۔

پہلے مرحلے میں قرآن کریم کی رو سے اس کے متعلق استعمال ہونے والے کلمات کے معانی دیکھتے ہیں۔ کھیل کیلئے قرآن کریم میں: لعب' لغو' لہو' عبث استعمال ہوئے ہیں۔

لعب: کلمہ لعب، ل، ع، ب کا مرکب ہے جس کی دو اصل ہیں:

۱۔ لعاب دہن کو کہتے ہیں جو انسان کے منہ سے نکلتا ہے۔

۲۔ اسی سے لعب الغلام اور لعب النحل ہے۔ لعب' کھیل کو کہتے ہیں ان دونوں کی

برگشت بغیر استقامت یا غیر عاقلانہ حرکت کی طرف ہے چنانچہ غیر ارادی اور بے ثمر، غیر مشقت بخش اور نقصاندہ عمل کو کھیل کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں کلمہ لعب زیادہ تر کھیل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:

﴿فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّى يُلاَقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ﴾ (زخرف:۸۳)

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ﴾ (اعراف:۵۱)

﴿وَ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ وَ لَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ﴾ (انعام:۳۲)

﴿وَ مَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (عنکبوت:۶۴)

﴿إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ وَ إِنْ تُؤْمِنُوا وَ تَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَ لاَ يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۶)

ان تمام آیات اور سورہ یوسف میں اس عمل کی مذمت کی گئی ہے۔

سورہ دخان آیت ۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو کھیل سے پاک و منزہ گردانا ہے۔

لغو: لغو جو واوٴ معتل ہے۔ اس کے دو معنی ہیں:

۱۔ اس فعل کو کہتے ہیں جس کی کوئی اہمیت نہ ہو اسی سے جسم کے کسی حصے سے بے ارادہ کھیلنے کو لغو کہتے ہیں:

﴿لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ (بقرہ:۲۲۵)

﴿لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ﴾ (مائدہ:۸۹)

اصل میں لغو پرندے کی آواز کو کہتے ہیں جس کے معانی سمجھ نہ آنے کی وجہ سے انسان اس پر اعتبار نہیں کرتا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (فصلت:۲۶)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ (مومنون:۳)

﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ (غاشیہ:۱۱)

۲۔ بیہودہ اور نہ سمجھ آنے والی باتوں کو لغو کہتے ہیں، اسی سے کلمہ لغت بنا ہے جس میں نہ سمجھ آنے والے الفاظ کے معانی بیان ہوتے ہیں۔ بے فائدہ اور قبیح کلام کو لغو کہتے ہیں جبکہ عقلاء بے فائدہ بات نہیں کرتے۔

لہو: لہو سے مراد کسی ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جس میں ایک حوالے سے غفلت کا عنصر پایا جاتا ہو۔ راغب اصفہانی لکھتے ہیں لہو اس عمل کو کہتے ہیں جو انسان کو ثمر آور، مہم اور منفعت بخش چیزوں سے غافل رکھتا ہے اور فائدہ مند چیزوں سے روگردانی کی رغبت دلاتا ہے۔ اسی لحاظ سے دنیاوی زندگی کو لہو کہا گیا ہے کیونکہ دنیاوی زندگانی انسان کو اپنی آخرت و عاقبت سنوارنے سے غفلت میں رکھتی ہے۔ ہمیں دنیاوی زندگی بنانے اور سنوارنے کی خاطر آخرت کو ہرگز فراموش و نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (انعام:۳۲)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (منافقون:۹)

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾ (نور:۳۷)

﴿وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى وَهُوَ يَخْشَى فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى﴾ (عبس:۸تا۱۰)

﴿لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ﴾ (انبیاء:۳)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا

هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (لقمان:۶)

﴿وَ مَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَ لَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (عنکبوت:۶۴)

ان تمام آیات میں لہو کی مذمت کی گئی ہے۔قرآن کریم کی ان آیات سے آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کی سرگرمیاں دو حصوں میں تقسیم ہیں:

۱۔ انسان معقول و با مقصد اور نفع بخش و باہدف سرگرمیوں میں مصروف رہتا ہے۔

۲۔ بیہودہ و بے معنیٰ' بے ہدف یا نقصاندہ وضرر رساں اور آخرت سے غافل بنانے والے اعمال میں سرگرم رہتا ہے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے خلقت انسان کے اہداف کو معین کیا ہے۔سورہ عنکبوت اور سورہ ذاریات میں آیا ہے ہم نے انسان کو عبث' بیہودہ' بے مقصد' لاحاصل اور غیر نفع بخش اہداف کیلئے خلق نہیں کیا ہے۔

علماء وفقہاء نے انسانی اعمال کو احکام خمسہ کی اندر گردانا ہے ایک عاقل و باہدف انسان ہمیشہ افعال واجب و مستحب میں سرگرم رہتا ہے وہ حرام وکراہت والے اعمال حتیٰ ایسے مباح عمل سے بھی دور وگریزاں رہتا ہے جو ترکِ واجب و مستحب کا سبب بنتے ہوں کیونکہ فعل مباح اگر ترک واجب و مستحب کا سبب بنے تو یہ عمل مذموم قرار پائے گا۔

انسان کو مندرجہ ذیل تین کاموں کے علاوہ کسی چوتھی سرگرمی میں مصروف ومشغول نہیں ہونا چاہیے۔

۱۔ اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرے۔

۲۔ اسلام وشریعت کے اجراء وفروغ اور اس کی سربلندی کیلئے کام کرے۔

۳۔ محرومین ومستضعفین اور معذور انسانوں کی ضروریات زندگی کا اہتمام و بندوبست کرے۔

ان نکات کو سامنے رکھنے کے بعد آئیں اب دنیا میں رائج کھیلوں سے متعلق سرگرمیوں' ان پر خرچ ہونے والی دولت' کروڑوں لوگوں کے قیمتی اوقات کے ضیاع' کھیلوں کی طرف

لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کیلئے کی جانے والی خصوصی کاوشوں اور آخر میں کھلاڑیوں اور انتظامیہ کے بکنے اور ہارنے کی صورت میں لوگوں کو لگنے والے دھچکوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ان علماء، فقہاء و مجتہدین کے متعلق بھی بات کرتے ہیں جو کھیلوں کے بارے میں محض لاحرج اور جائز کہہ کر اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

کیا اتنی آیات لہو ولعب اس کھیل میں جرح اور ناجائز پیدا کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں؟ کیا مجتہدین کو صریح اور کثیر آیات کے خلاف بھی لاحرج، جائز است کا فتویٰ دینے کا اختیار حاصل ہے؟ کیا بہتر نہیں ہوتا ان کے بارے میں چند آیات اور روایات سے استدلال کر کے لاحرج فرماتے جبکہ یہ اس قسم کا غیر ذمہ دارانہ رویہ اپنانے کے بعد بھی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی شرعی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہو گئے ہیں۔

کھیل چاہے لعب کی صورت میں ہو یا لہو کی، متعدد انواع واقسام کے حامل ہیں جو ہمارے پاس نہیں یا خود شمار نہیں کیے جا سکتے۔ ہم صرف اس کی مجموعی صورتحال کو مدنظر رکھ کر فقہاء اسلام کے محضر میں پیش کرتے ہیں:

کھیل کود، لہو ولعب کے حامی افراد اس کے حق میں مندرجہ ذیل جواز یا ضرورت پیش کرتے ہیں:

۱۔ موجودہ زمانہ، سابق زمانے جیسا نہیں کہ انسان خود تگ ودو کر کے کماتا ہو جس سے خود بخود ورزش ہو جاتی تھی۔ یہ مشینی دور ہے، سارے کام مشین کے ذریعے انجام پاتے ہیں اگر انسان کھیل کود میں حصہ نہ لے تو جسمانی طور پر اس کی صحت پر برے اثرات پڑ سکتے ہیں اور بیماریاں لاحق ہو سکتی ہیں۔

۲۔ کھیل کود بھی ایک ذریعہ معاش ہے جو درآمدات میں شمار ہوتا ہے۔

۳۔ اب یہ شعبہ ورزش یا کھیل کود نہیں رہا بلکہ یہ سیاسی عمل کا جز بن گیا ہے۔

۴۔ یہ بین الاقوامی سرگرمیوں کا ایک جز ہے اس سے لاتعلقی کی صورت میں ملک بدنام ہو جائے گا۔

اب ہم کھیل کود کے دلائل کے بعد اس سے مرتب ہونے والے اثرات واحکامات کا

جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ بیت المال مسلمین میں سے ایک حصہ اسی کیلئے صرف ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کل عمداً یا نادانستہ طور پر مدارس دینی میں بطور امتیاز کھیلوں کو شروع کیا گیا ہے۔

۲۔ ریڈیو ٹی وی پر کثیر وقت اسی لہو ولعب پر صرف ہوتا ہے حتی بعض اوقات سرکاری سطح پر بھی چھٹی دی جاتی ہے۔ یہ چھٹیاں چند کھلاڑیوں کی خاطر ہیں یا ملت کے فائدے کی خاطر بلکہ حقیقت میں یہ بین الاقوامی استعماری عزائم کی تکمیل کا حصہ ہیں۔

۳۔ بعض کھیلوں کی وجہ سے لوگ معذور ہو جاتے ہیں یا جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔

۴۔ کامیاب افراد کیلئے خطیر رقم کا جائزہ دیا جاتا ہے کیا اس کا کوئی جواز ہے۔

کھیل کا مسئلہ یا کھیل اپنی تمام انواع واقسام کے تحت مسلمان ملکوں میں دو چہرے رکھتا ہے۔ کھیل کو علاقائی وبین الاقوامی سطع پر سیاسی ہتھکنڈوں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے' یہ کھیل کا ایک چہرہ ہے جس کے ذریعے ملکوں کی تقدیر سے کھیلا جاتا ہے۔

کھیل کا دوسرا چہرہ جس کے ذریعے دینداروں اور فقہاء ومجتہدین کو امت اسلامی کی تقدیر سے کھیلنے والے عمل سے غافل رکھا جاتا ہے' چنانچہ کھیلوں کو فروغ دینے اور انکی طرف متوجہ کرنے والے عوام کے سامنے اسے جسمانی اور روحانی تربیت کا نام دیتے ہیں اور فقہاء ومجتہدین ان کے دھوکے میں آکر کھیلوں کے بارے میں کلمہ "لاحرج" کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں حالانکہ کوئی بھی صاحب عقل وبصیرت اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ عصر حاضر کے کھیل' تربیت روحانی وبدنی کی بجائے انسان کو مفلوج کرنے' ان کے اعضاء و جوارح میں نقص اور ملک کو زیادہ نقصان پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس حوالے سے انسان کو شریعت اسلامی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ آیا وہ کھیلوں سے دوری وبیزاری اختیار کرے یا کھیلوں سے پہنچنے والے تمام تر نقصانات کے باوجود کھیل کھیلنے اور کھیل دیکھنے پر وقت' پیسہ اور دیگر توانائیاں برباد کرتا رہے۔ جب کھیل کے بارے میں وارد تمام آیات کھیل کنندہ انسان کی مذمت کرتی ہیں جبکہ بعض دیگر جگہ پر واضح الفاظ میں اسے حرام قرار دیا

گیا ہو اس صورت میں کیا ان کے جواز کے فتویٰ بھوسے کے ٹیلے پر قائم نہیں؟

رویئت ھلال (کتاب رویۃ ھلال ص ۲۸)

رویت ہلال، شریعت اسلام کے بعض عبادات جیسے رمضان کے روزے، حج چاند پر متوقف ہیں۔ چاند دیکھنے پر ہی روزہ رکھا جاتا ہے اور اسی پر روزوں کا اختتام ہوتا ہے۔

لکھتے ہیں قمری مہینوں کی تین اقسام ہیں:

۱۔ حسابی مہینوں سے: اس زمانے کو کہتے ہیں جب چاند اور سورج ایک دوسرے کے قریب اور مقابلے میں ہوتے ہیں یہ دورانیہ یا زمانہ ۲۹ دن، ۱۲ گھنٹے اور ۴۴ منٹ پر محیط ہوتا ہے۔

۲۔ وسطی مہینے: ان مہینوں کا دورانیہ کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ پہلا مہینہ ۳۰، دوسرا ۲۹، تیسرا ۳۰، چوتھا ۲۹ کا دن ہوتا ہے اور یہ ترتیب اسی طرح چلتی رہتی ہے۔ یہ طریقہ حساب، ماہرین فلکیات کا ہے جو مہینے کو معین کرتے ہیں یعنی ہلالی مہینے جیسا کہ جنتریوں میں بیان ہوتے ہیں جبکہ اسماعیلوں کا ملا ہوا گروہ ازخود مہینے جعل کرتا ہے۔

۳۔ قمری مہینے فلکی حساب سے: یعنی جب چاند نظر آنے کا امکان ہو وہاں سے مہینہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ ۲۹ دن یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔ کبھی ۲، ۳ یا ۴ مہینے مسلسل ۳۰ دن کے ہوتے ہیں لیکن مہینہ کبھی بھی ۳۰ دن سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح کبھی ۴ مہینے بھی مسلسل ۲۹ دن کے ہوتے ہیں لیکن کبھی بھی مسلسل ۵ مہینے ۳۰ یا ۲۹ دن کے ہونا ممکن نہیں ہیں۔

چاند دیکھنا یا نظر آنا۔ ان مسائل میں سے ہے جن میں فقہائے اسلام قرآن وسنت پر استناد کرنے سے بیشتر حدسیات، ظنیات اور ماہرین غیر عدول پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ گرچہ عام سطح پر سادہ اور معمولی نظر آتا ہے جبکہ حقیقت اور باریک بینی سے دیکھا جائے تو بڑے خطرات کا پیش خیمہ بھی ہو سکتا ہے۔

رویت ھلال کے بارے میں فقہاء ومجتہدین اور ماہرین فلکیات کے درمیان تین اہم نکات موضوع بحث وتحقیق ہیں۔ ہر نکتہ اپنی جگہ دقت طلب اور عرق ریزی کا نیاز مند ہے۔ وہ ذوات قابل داد وتحسین ہیں جنہوں نے ان نکات کی تہہ میں پہنچنے کیلئے بہت سی توانائیاں صرف کی ہیں۔اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

دین اسلام میں مہینے اور سنہ قرآن کریم کی آیات کے تحت قمری ہیں کیونکہ اسلام نے وقت کی تقسیم بندی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک حصہ سورج کو دیا ہے جو دن ورات کا تعین کرتا ہے جبکہ چاند مہینے اور سال کا تعین کرتا ہے۔اجتماعی اور سیاسی مسائل چاند کے حساب سے معین کیے گئے ہیں۔ دنیا میں صرف دین اسلام ہی ہے جس نے اپنے مہینے اور سنہ کو چاند سے مربوط کیا ہے لہٰذا ہمیں چاند کے بارے میں گفتگو کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض سیکولر لادینوں نے سمجھوتہ کر کے قمری حساب کی جگہ شمسی حساب کو نافذ کرنا چاہتے ہیں جو نہایت خطرناک ہے۔ دینی مسائل کو شمسی حساب سے انجام دینے کو سورہ توبہ کی آیت ۳۶ کے تحت کفر قرار دیا گیا ہے لہٰذا انسان مسلم، عوام وفقہاء اور دانشوران سب کا اس سے انحراف گناہ اور معصیت ہے۔نص قرآن وسنت کے تحت تمام اعمال اجتماعی، ثقافتی اور عبادات مسلمان قمری حساب سے انجام دیتے ہیں۔

۱۔ حکم قرآن وسنت پیغمبرؐ سے ثابت ہے کہ چاند سے حساب کرنا ایمان ہے اور چاند کی بجائے سورج کے حساب سے اعمال بجالانا کفر ہے (بقرہ:۸۹،توبہ:۳۶)۔

۲۔ چاند اور سورج دونوں میں حساب کرنے میں کس کی منطق عقل سے مطابقت اور ہم آہنگ ہے؟

ان دونوں کے واضح ہونے کے بعد ہم موضوع میں تفصیل سے وارد ہونے کیلئے چاند کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کی حیثیت کو بیان کرتے ہیں قرآن اور روایات میں چاند کا ذکر اس طرح سے آیا ہے۔

قرآن کریم اور روایات میں خود چاند دیکھنا یا عادل کی خبر پر بھروسہ کرنے کیلئے کہا گیا ہے۔شرعی حکم ان ہی تین طریقوں سے ثابت ہوتے ہیں۔

❁ خود دیکھیں ❁ خبر متواتر ❁ خبر واحد

اگر خود چاند دیکھا تو یہاں اس تکلیف شرعی کے حوالے سے کسی قسم کے تردد کی گنجائش نہیں رہتی لیکن خبر کے حوالے سے ذیل کے نکات کو مدنظر رکھنا پڑے گا۔

۱۔ خبر دینے والے گروہ کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن ہو جسے علم حدیث میں تواتر کہتے ہیں۔

۲۔ قمری حساب، شمسی کی بنسبت حقیقت پر مشتمل ہے کیونکہ یہ سادہ اور ہر کس و ناکس کی قوت بینائی سے مربوط ہے۔ یہ شمسی حساب جو عقل و دماغ کے اندر گھومتا ہے ایک مفروضہ ہے اس کی حقیقت عام درک سے باہر ہے لہٰذا حساب رویت ھلال سے مربوط ہے نہ فرضیات و حدسیات پر چنانچہ ھلال جب تک شرعی طریقہ سے ثابت نہیں ہوگا اس وقت تک تاریخ کا تعین ممکن نہیں ہوگا۔

۳۔ ماہرین فلکیات قدیم زمانے سے عصر حاضر تک اپنی رصدگاہوں سے ہلال کے طلوع کے اوقات مقرر کرتے آئے ہیں سابق زمانے میں اس علم کے حامل کو نجومی کہتے تھے جبکہ عصر حاضر میں انھیں ماہر فلکیات کہا جاتا ہے۔ قرآن و سنت میں نجومیوں پر اعتماد کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

۴۔ آیا پہلی تاریخ کے تعین کیلئے رویت بصری ضروری ہے یا ماہرین فلکیات کے اصول کے مطابق ان کے تعین کردہ اوقات اور تاریخ پر عمل کرنا چاہیے؟ اگر ہم مسئلے میں رویت بصری پر انحصار کریں گے تو اس کی رویت ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں مختلف ہوگی اس کے تحت مسئلہ افق پیش آتا ہے لہٰذا ایک افق میں پہلی تاریخ ہوگی اور دوسرے افق میں نہیں۔ اگر ہم ماہرین فلکیات کی پیش گوئی پر عمل کریں تو افق سب کیلئے ایک ہوگا چاہے چاند دیکھیں یا نہ دیکھیں تاریخ سب کیلئے ایک ہوگی۔

رویت ہلال اور عید

جب سے مسلمان ممالک پر سیکولر افراد نے تسلط قائم کیا اس وقت سے حکمران اپنے آقاؤں کے آزمودہ نسخہ "اختلاف پھیلاؤ اور حکومت کرو" کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے فرقہ واریت، فتنہ وفساد اور تصادم ومنافرت میں سرگرم رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل میں سے ایک مسئلہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقعوں پر رویت ہلال کا ہے۔ سیکولر حکمران اپنے غیر اسلامی اور مذموم مقاصد کی خاطر عیدین کے مبارک موقعوں کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ انھوں نے اس مسئلہ کو اٹھایا، پھر اس میں اختلاف پیدا کیا اور پھر پلٹ کر اسلام کے ساتھ مسخرہ اور استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ کون سا دین ہے جس میں ایک ہی علاقے کے لوگ چند عیدین کریں۔ لہٰذا اس مسئلے کو بنیاد سے اٹھانے کی ضرورت ہے ہمیں دیکھنا ہوگا اس اختلاف اور انتشار میں حکمرانوں کا کیا کردار ہے؟ دوسری طرف مسلمانوں نے اس میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ دین وشریعت اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات پر بحث وگفتگو کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے والے کون ہیں؟ جو کبھی حنفی وحنبلی، کبھی شافعی و مالکی اور کبھی خود شیعوں کے درمیان اختلاف کا بیج بوتے ہوئے کہتے ہیں فلاں فلاں فقیہ کے مطابق عید ہے اور فلاں فلاں فقیہ کے نزدیک عید نہیں ہے۔

۲۔ اسلام میں تمام عبادات ومعاملات قمری مہینے اور قمری تاریخوں کے حساب سے ہوتے ہیں جنھیں رویت ہلال سے طے کیا جاتا ہے چنانچہ اپنی مرضی کے فیصلے ٹھونسنا اور ان جیسی بے جا کاوشوں کا یہ سلسلہ رویت ہلال کے نام سے جاری ہے۔ لوگوں کو دھوکے دینے کیلئے کہتے ہیں چاند دیکھنے پر روزہ رکھیں اور چاند دیکھنے پر رمضان کے مہینے کا اختتام کریں۔ اس میں دو باتیں ہیں ایک تو چاند دیکھنا ہے اور دوسرا چاند کا دیکھنا عادل اور امین گواہ سے ثابت ہونا ہے۔ عادل

گواہ شریعت اسلامی میں تمام مسائل کے ثبوت کا دوسرا ذریعہ ہے۔

۳۔ چاند دیکھنے پر تمام مسلمان کم از کم ایک خطہ و علاقہ جو کتنا ہی وسیع و عریض کیوں نہ ہو متفق ہوں تاکہ مسلمان ایک ہی دن عید منائیں جیسے ہندوستان جو پاکستان کے مقابلے میں بہت ہی وسیع و عریض ملک ہے' اسی طرح چین' سعودی عرب اور ایران کا رقبہ بھی پاکستان سے بہت زیادہ ہے۔ اس جغرافیائی تقسیم کے تحت ملک چاہے چھوٹا ہو یا بڑا اس کی حدود میں رہنے والے تمام مسلمان ایک ہی دن عید منائیں لیکن یہاں دیکھنا ہوگا کہ:

- اس اندازے کی عید قرآن کریم کی کس آیت اور کون سی معتبر روایت سے ثابت ہے اور اگر ثابت ہے تو اسے منظر عام پر لایا جائے نبی کریمؐ کے لقاء اللہ کے بعد آپؐ سے قریب ترین دور' خلفاء راشدین کا دور ہے' کیا اس دور میں یہ عیدین اتنی اہتمام' دھوم دھام اور مراسم بیہودہ سے آلودہ صورت میں انجام پاتی تھیں یا یہ نظریہ فاطمیوں کی ابتکار ہے۔ جہاں انہوں نے مسیحیوں کے ساتھ مسلمانوں کو بہت سی اعیاد دی ہیں جو ابھی تک ان کے گلے پڑی ہوئی ہیں۔
- عید منانے کی حدود دین و شریعت کی بیان کردہ حدود کے تحت ہے یا ہج الرعی' بے لجام' اسراف و تبذیر' کھیل کود ہی موجودہ سیاسی حدود ہیں۔ اس کے اندر رہنے والوں کو ایک ہی دن عید منانی چاہیے؟

۴۔ حدود سیاسی ہیں۔ بین الاقوامی سرحدوں کی تقسیم کے تحت اس ملک کے افق میں شامل ہے۔ درحقیقت وہ دوسرے ممالک کے افق میں آتا ہے۔

۵۔ آیا پوری تاریخ اسلامی میں تمام خطے کے لوگ ایک ہی دن عید مناتے تھے یا جب سے اسلامی ممالک سیکولرزم کے دامن میں گئے اس وقت سے یہ اختلاف رونما ہوا ہے۔ کیا سرینگر کے مسلمان روزہ رکھیں اور سیالکوٹ والے عید منائیں یا مظفر آباد والے عید منائیں اور مقبوضہ کشمیر والے مسلمان روزہ رکھیں؟

۶۔ عید الفطر ہو یا عید الضحیٰ سب مسلمان جو روزے رکھتے یا حج کرتے ہیں انہیں ایک

ہی دن عید کرنی چاہیے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تو پھر یہ طعن وملامت صرف مسلمانوں پر ہی کیوں ہے تمام مسلمان اپنے اپنے افق کے تحت طلوع وغروب شمس کے حساب سے نماز پڑھتے اور رویت ھلال کے تحت روزہ رکھتے ہیں۔ کیا دنیا بھر کے مسلمان اپنے علاقہ کی غروب وطلوع کی حساب سے نماز نہیں پڑھتے؟

رائج رسومات کے تحت عید منانے کی مثال ان بچوں کی سی ہے جن کے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کے انتقال کے بعد اسے غسل دیا جا رہا ہو اور ان کے بڑے اور عزیز واقارب ان کے مرنے پر فریاد وفغاں کر رہے ہوں جبکہ یہ چھوٹے بچے اپنے موجودہ اور آئندہ مسائل اور دکھ سے ناآشنا کسی پارک میں کھیل رہے ہوں۔ ہماری مثال انہی بچوں کی مانند ہے۔

۷۔ اجتہاد: دین وشریعت سے عملی وفکری طور پر نالاں ہونے کے بعد اجتہاد سے عشق ولگاؤ کے پھندے مسلمانوں کے گلے میں کیوں ڈالے گئے۔ کیوں کہا جاتا ہے کہ چاند اپنی تحت الشعاع سے نکل رہا ہے اور فلاں وقت فلاں جگہ پر پہنچنے والا ہے۔ یہاں عادل وامین اور متقی و پرہیزگار انسانوں پر اعتماد کرنے کی بجائے رصدگاہوں میں بیٹھنے والے دین ومذہب سے ناآشنا لوگوں پر اعتماد کی باتیں کی جاتی ہیں۔ بتائیں عید اور رمضان کا چاند دیکھنے جیسے حساس اور دینی معاملات میں رصدگاہوں میں کام کرنے والے غیر مسلموں یا سیکولر مسلمانوں روزہ خوروں اور بے نماز لوگوں کے کہنے پر اعتماد وبھروسہ کرنے کی کیا منطق ہے آیا قرآن سنت سے باہر اجتہاد کوئی حقیقت واہمیت رکھتا ہے۔

رویت شرط ہے نہ کہ چاند کا تحت الشعاع سے نکلنا

سورہ بقرہ کی آیت کے تحت افق پر چاند نظر آنا شرط ہے کیونکہ اس میں لفظ ھلال آیا ہے۔ اسے ھلال اس لئے کہتے ہیں کہ اسے دیکھنے بعد آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ ھلہ اس آواز کو کہتے جو بچہ ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد نکالتا ہے چنانچہ خود کلمہ ھلال میں رویت داخل

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ھلال کو ہی مہینے کی بنیاد قرار دیا ہے اگر بنیاد تعداد ہوتی تو کلمہ ھلال کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ ھلال دیکھنے کے بعد اس مہینے کو شھر اس لئے کہتے ہیں کہ ھلال دیکھنا سب کیلئے مشہور ہو گیا ہے۔ اگر کسی نے چاند کے شعاع سے نکلنے کے مفروضہ فلکی پر اعتماد کیا تو اس نے ھلال کو نہیں پایا۔ اس طرح اگر دیگر علامات کو مہینے کی بنیاد قرار دیا جائے تو ھلال اور شہر کے معنی ختم ہو جائیں گے۔

پیغمبر اسلامؐ سے لے کر اب تک سیرت مسلمین یہ رہی ہے کہ چاند دیکھنے کے بعد سے مہینہ کا آغاز ہوتا ہے۔ پیغمبرؐ خود چاند دیکھتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لحاظ سے دیکھنے کا حکم دیا ہے۔ نہ کہ دیگر علامات پر اعتماد کا کہا ہے۔ یہاں سے ہی مہینے کی ابتداء کیلئے ھلیت تمام مسلمانوں میں شرط قرار پائی ہے۔

تواتر

آیا تواتر جس میں ناقلین رویت کی عدالت مورد نظر رکھنا معتبر نہیں بلکہ ان کے جھوٹے دعوی رویئت پر اتفاق ممکن ہے ان کی عدالت مشکوک ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اصل روزہ محکم دلیل سے ثابت ہوا ہے یعنی روزہ واجب ہونا یقینی ہے اسی طرح روزہ کھولنا واجب یا جائز ہونے کیلئے محکم دلیل کی ضرورت ہے جو شریعت کی طرف سے امضا شدہ ہو۔

اگر ناقلین کے اتفاق کو بغیر عدالت حجت مانا جائے تو دین کو والسلام کہنا چاہیے کیونکہ اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہے گا۔ چاند کے مسائل کو بنیاد بنا کر دنیائے کفر و شرک مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تاکہ مسلمانوں کے مسائل کو درہم و برہم کریں۔

۱۔ شیاع یعنی مفید علم جس میں کہتے ہیں ہر وہ چیز جو انسان کے علم کا سبب بنے اس پر بھروسہ کر کے افطار کر سکتے ہیں۔

۲۔ منجمین، ماہرین فلکیات پر بھی اعتماد کر سکتے ہیں۔

یہ فتاوی اپنی جگہ بے سند ہونے کے علاوہ انتہائی خطرناک فتواء ہے جیسے بیک کرشمہ دو برے عزائم کامیاب ہوں گے۔

- لادین حکمرانوں کی ارمان و آرزو پوری ہوگی۔
- اسماعیلیوں کی دیرینہ آرزو کہ تاریخ قمری کی جگہ شمسی تاریخ جاگزین کی جائے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔

اس سلسلے میں بعض فقہاء فرماتے ہیں: ہم چاند دیکھنے سے پہلے منجمین کے کہنے پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ کافرین و منجمین کی گواہی جس کی قرآن و سنت میں شدت سے مذمت آئی ہے پر روزہ کھول سکتے ہیں۔

۳۔ حاکم اگر حکم کرے تو روزہ کھول سکتے ہیں۔

حاکم کے بارے میں تین تصور ہو سکتے ہیں:

۱۔ روایات میں حاکم عادل سے مراد امام مسلمین ہے جو اس وقت میسر نہیں لہٰذا جواز افطار یا ثبوت رویت میں اسے شمار کرنا ایک افسانہ تصور ہوگا جس کی کوئی افادیت نہیں کیونکہ ہمیں امام عادل میسر نہیں ہے۔

۲۔ مسلمان حاکم جو عام طور پر اس وقت شریعت کی پابندی نہیں کرتے' یہ اس آیت کے خلاف ہے جہاں اللہ فرماتا ہے کافرین کو مسلمانوں پر بالادستی نہیں ہے۔

۳۔ فقہاء و مجتہدین حاکمان وقت ہیں' ان کے حکم پر عمل کر کے روزہ کھول سکتے ہیں۔ یہاں موضوع اور حکم دونوں مخدوش ہیں کیونکہ فقہاء کی حاکمیت کسی بھی دلیل عقلی یا شرعی اعتبار عقلانی سے مستند نہیں ہے۔ اگر فرض محال تصور کریں تو اس پر عمل ناممکن ہے کیونکہ حاکم ایک وقت میں ایک علاقے کا ایک ہی ہوتا ہے جبکہ فقہاء بیک وقت ایک علاقے میں چندین ہوتے ہیں۔

۴۔ جن روایات سے مجتہدین کیلئے حق حکومت ثابت کیا جاتا ہے وہ اپنی جگہ خود اُن کے مطابق ضعیف السند ہے۔ انھیں توقیعات کہا جاتا ہے جسے اکثر فقہاء نے خود مسترد کیا ہے۔ دوسری طرف ضعیف روایات سے مشکل ترین حکم اخذ کرنا کیسے ممکن ہے۔ عیدین کو سیکولر حکمرانوں کے سرپرست اقتدار طلب فقہاء نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ یہاں ہم ضعیف کی بنیاد پر کیسے حکم لے سکتے ہیں۔

۵۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم انہیں حاکم تسلیم کریں تو کونسے فقیہ کو حاکم قرار دیں گے؟ کیونکہ بعض مقامات پر ایک ہی شہر میں بہت سے فقہاء، مجتہدین کیلئے حق حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ آیت اللہ خوئی نے تکملۃ المنہاج میں تفصیل سے استدلال کیا ہے۔

حاکم کی سند میں خدشہ اور گمان اس کے حجت ہونے سے نہی کرتا ہے۔ چنانچہ آیہ نفی شرکاء بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً رَجُلاً فِیهِ شُرَکَاءُ مُتَشَاکِسُونَ وَ رَجُلاً سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ﴾ (زمر:۲۹)

طہارت اہل کتاب سے طہارت انسان تک

متقدمین فقہا نے باب نجاست میں کافر کو بھی شمار کیا ہے اور کافر کی تفسیر میں مشرکین، اہل کتاب، یہود و نصاریٰ، مجوس، صائبین، نواصب اور مرتدین کو بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض فقہا نے اپنے مخالف فرقوں اور بعض نے اپنے مخالف فکر کے حامل افراد اور ان کے مقلدین تک کو بھی نجس قرار دیا ہے۔ متقدمین کے مقابل میں متاخرین فقہاء نے اہل کتاب، یہود و نصاریٰ کو پاک قرار دیا ہے اور بعض فقہاء نے اہل کتاب کی طہارت سے تجاوز کر کے ہر انسان کی طہارت کا فتویٰ دیا ہے۔

یہ طفرہ امام خمینیؒ، شہید الصدرؒ اور بعض دیگر علماء و دانشوران کی طرف سے فقہاء پر شدید اور تند و تیز تنقیدوں سے ہوا۔ انہوں نے فقہا کے اس فتویٰ کو جمود اور صلاحیت سے عاری قرار دیا ہے۔ ان دو متضاد فتواؤں میں سے کس کو ترجیح یا انتخاب کیا جائے اس کیلئے دلیل و منطق پیش کرنا ہوگی۔ بصورت دیگر ہم یا تو جامدین کے مقلد ہوں گے یا پھر متجدّدین کے مقلد ہو جائیں گے۔ لیکن اس سے پہلے اس سبب سے آگاہی بھی ضروری ہے کہ آخر ان دو گروہ فقہاء کے درمیان اتنے فرق کے ساتھ فتویٰ صادر کرنے کی وجوہات کیا ہیں۔

مصادر فتویٰ قرآن و سنت رسولؐ ہے جس پر مجتہدین متفق ہیں لیکن کیا یہاں دونوں گروہ

فقہاء کی کتاب وسنت جداگانہ ہیں؟ اتنی جلدی قرآن وسنت میں کیسے تبدیلی آگئی۔

اگر یہ اجماع فقہاء تھا تو کیسے متاخرین نے اس اجماع پر مبنی فتاویٰ کو مسترد کیا؟ کیا یہ حضرات اجماع کو نہیں مانتے اس لئے فتویٰ میں تبدیلی ہوئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو کتنے فتویٰ ہیں جو اجماع پر مبنی تھے اور بدلے گئے ہیں۔ یا یہ فتویٰ حسب تشخیص مصلحت دیا گیا ہے تو یہ اس نفی قیاس کے ساتھ کیسے قابل ہضم ہوگا جسے ایک عرصے سے مسترد کرتے آرہے ہیں کہ ہم کتاب وسنت سے ہٹ کر پانے والی تشخیص پر فتویٰ نہیں دیتے۔

یہاں دو صورت ہی باقی رہتی ہیں۔

- فقہاء کو وقت اور حالات کے تحت احکام شرعی تبدیل کرنے کا حق ہے۔ یہ وہی نظریات ہیں جنہیں ایک عرصے سے مسلم دانشوران' مسلمانوں کو مغرب کی کشتیوں میں سوار کرنے کیلئے اصرار کرتے آئے ہیں۔
- فقہاء کی اصطلاح کے مطابق موضوع بدل گیا ہے اس لئے حکم بدل گیا ہے۔ اگر سبب تغیر فتویٰ دوسری صورت ہے تو ہمیں ان دونوں متضاد فتواؤں کے بدلے ہوئے موضوع کو دیکھنا ہوگا۔

۱۔ قرآن وسنت میں کافرین کو نجس قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ مس کی جگہ کو دھوئے بغیر نماز اور کھانا پینا صحیح نہیں ہے کیونکہ مس شدہ جگہ دھونے کے بعد اس کا اثر زائل ہوجاتا ہے۔ وہ جگہ پاک ہوجاتی ہے۔

۲۔ نجس قرار دینے کا مقصد ان سے قطع تعلقات اور روابط نہ رکھنا مراد ہے یعنی مسلمان کافرین سے تعلقات اور روابط ودوستی نہ رکھیں کیونکہ یہ مسلمانوں کیلئے انتہائی نقصان کا حامل ہے۔ مندرجہ ذیل آیات کریمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا وَ لَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (مائدہ:۸۲)

﴿وَ لَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ

هُوَ الْهُدَى وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَائَهُمْ بَعْدَ الَّذِى جَائَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (بقرہ:۱۲۰)

﴿وَ لَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (هود:۱۱۳)

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَائَهُمْ أَوْ أَبْنَائَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَئِکَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوا عَنْهُ أُوْلَئِکَ حِزْبُ اللهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (مجادلہ:۲۲)

دیگر آیات میں: مائدہ:۵۱، اسراء:۴۷، یونس:۴۱، ممتحنہ :۴، توبہ:۱، انعام:۸۷، بقرہ:۱۶۷، انعام:۱۹، ممتحنہ :۱ وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ نجاست مشرکین سے مراد نجاست معنوی ہے، چنانچہ طہارت کافرین کے قائل افراد کا کہنا ہے یہاں اگر نجاست ظاہری مراد نہیں تو نجاست معنوی مراد ہوگی۔

حق تصنیف وتالیف

۱۔ عصر حاضر میں انسان مسلم اہل دین ودیانت کو درپیش مسائل میں سے ایک مسئلہ دوسروں کی تصنیف وتالیف چھپوانے کا حق ہے یعنی دوسروں کی تصنیف وتالیف کی حق طباعت۔ یہ مسئلہ صدر اسلام میں درپیش نہیں تھا۔ اس کا سامنا اس وقت ہوا جب دنیا میں مطبع آلات کے ذریعے طباعت کتب وجود میں آنے لگیں۔ کسی دوسرے انسان کی تالیف شدہ کتاب چھپوانے کا حق کسی اور کو نہیں کیونکہ اس میں مولف کی سالہا سال کی فکری جسمانی اور مالی توانائیاں صرف ہوئی ہیں۔ اس حوالے سے یہ اس کا حق ہے۔ مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کی جان وعزت وآبرو کو پامال کرنا اس کیلئے حرام ہے یعنی دوسرے مسلمان پر

دستدرازی کر کے اسے ضرر پہنچانا حرام ہے۔

۲۔ یہ ایک فکر دینی ہے یعنی عقائد، اخلاق، احکام، تاریخ اسلام، تفسیر قرآن وحدیث جو عام مسلمانوں کیلئے ہیں، جس میں کسی کی ملکیت اور اجارہ داری نہیں۔ اس حوالے سے ہر انسان کو اس سے استفادہ کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

۳۔ یہ کتاب قیمت دے کر خریدی گئی ہے لہٰذا یہ مولف کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آگئی ہے۔ اس قائدے کے تحت انسان اپنے مال پر مسلط ہے وہ اس مال سے جو بھی فائدہ اٹھانا چاہے اٹھا سکتا ہے یعنی جس مصرف میں لانا چاہے لا سکتا ہے، اسے یہ حق حاصل ہے۔

اس حوالے سے مسئلے کو کھولنے کیلئے چند نکات کی وضاحت کی ضرورت ہے:

اسلام میں مالیت کی کیا تعریف ہے؟ مالیت ایک دفعہ ذاتی ہوتی ہے جو اس چیز سے اخذ کی جاتی ہے عام طور پر انسان اس کی طرف رغبت اور جھکاؤ رکھنے کی وجہ سے اس کے حصول میں کاوشیں بذل کرتا ہے اسے اس کا مال کہتے ہیں۔

جس مال کو کسی انسان نے مالی، فکری اور جسمانی توانائیاں صرف کر کے حاصل کیا ہو اس کے حاصل کردہ مال یا چیز کو بغیر اس کی اجازت کے کسی دوسرے انسان کا اس میں تصرف کرنا حرام ہے۔

حقیقت ملکیت

ملکیت کی تعریف احاطہ وسلطنت ہے۔

۱۔ ملکیت ایک دفعہ تکوینی ہوتی ہے یعنی انسان اپنے اعضاء وجوارح اور ان کی توانائیوں کے ثمرات کا خود مالک ہوتا ہے۔

۲۔ ملکیت اعتباری: جس مال کا وہ مالک بنا ہے وہ پہلے اس کی ملکیت نہیں تھا لیکن اب اس کے عمل سے اسکی ملکیت میں شامل ہوگئی ہے۔ جیسے خام مال کی صورت میں پڑی ہوئی لکڑی سے کرسی، میز اور چارپائی وغیرہ بنانا تاکہ قابل استفادہ ہو یا

بعض معدنیات جو پتھر کی صورت میں ہوتی ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی لیکن اس کی تراش خراش اور رنگ و روغن کے بعد اسے قیمتی بنایا گیا ہو اسکی ملکیت ہے یا کوئی بنجر زمین تھی جس پر اس نے محنت کر کے اس کو قابل کاشت بنایا ہے۔

تصنیف و تالیف بھی اسی قسم میں آتی ہے یعنی کتاب وسنت پہلے سے موجود ہیں افکار و نظریات باہر منتشر ہیں ایک انسان نے اسے مختلف مصادر سے جمع کر کے قابل استفادہ بنایا ہے اور اس کی طباعت میں اپنی توانائیاں صرف کی ہیں' اس کے بغیر وہ قابل طبع نہیں تھی۔ اس قسم کی تصانیف و تالیفات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ان افکار و نظریات پر مشتمل کتاب جو پہلے خطے میں موجود نہیں تھی ان کی طباعت کی یعنی یہ کتاب اس کی تخلیق ہے۔

۲۔ دوسری زبان سے ترجمہ کر کے اسے قابل طباعت و استفادہ بنایا۔

۳۔ کتاب پہلے سے موجود تھی لیکن نا قابل طباعت تھی یعنی ایک انسان نے غلطیوں کی اصلاح کر کے دستی یا نئے وسائل سے اس کتاب کو قابل طباعت بنانے کے تمام مقدمات فراہم کئے۔ یہ تصانیف و تالیف اپنی جگہ عام الاستفادہ یا لوگوں کی قدرت استفادہ کے حوالے سے چند شکل وصورت رکھتی ہیں۔ جیسے کتاب بیرون ملک دستیاب ہے لیکن اسے یہاں لانے میں بہت سی مشکلات ہیں۔

دوسروں کی طباعت شدہ کتب کی طباعت

۱۔ ایک غیر دیندار' دین کو ذریعہ معاش بنانے والا' کسی کی طباعت شدہ کتاب کی طباعت کرنے کو قباحت نہیں سمجھتا۔ اس سلسلے میں اگر سوال کیا جائے تو جواب میں کہتا ہے: کبھی ہمیں بھی دین کی خدمت کرنے کا موقع حاصل ہونا چاہیے۔

۲۔ کبھی کہتے ہیں یہ کون سا دین ہے؟ دین کی تفسیر کرنے والا کون ہے؟

۳۔ فلان مجتہد اس کو جائز سمجھتے ہیں وغیرہ۔

یہاں اس مسئلے کے جواز اور عدم جواز پر گفتگو کرنا لغو و بے سود ہے۔ ایسا انسان جو شرعی

قوانین کا پابند نہیں، اس کی ملک میں رائج قوانین کے تحت گرفت کی جاسکتی ہے۔ اس کیلئے ضروری شرط، قانون موجود ہے لیکن اس صورت میں کہ انسان کیلئے اس قانون سے استفادہ کرنا ممکن بھی ہو۔

اگر کوئی مسلمان دیندار، کسی فاسق و فاجر یا غیر مسلم کی مطبوع کتابوں کی طباعت کرے تو یہاں وہ فقہاء و علماء جو غیر مسلموں کے مال کو حلال سمجھتے ہیں ان کیلئے یہ مسئلہ آسان اور جائز ہے لیکن ایک مسلم صادق جو اپنے دین کو ہر قسم کے داغ و میل سے پاک و صاف دیکھنا چاہتا ہے وہ اپنے عمل سے دعوت کو مخدوش کرنے اور اپنے چہرے کو داغدار کرنے سے بچاتا ہے کیا وہاں بھی یہ حلال ہے۔

دوسروں کو دعوت اس بنیاد پر دی جاتی ہے کہ اس دین میں انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی ضمانت اور تحفظ موجود ہے اور یہ خوبی صرف دین اسلام میں ہے جو پوری انسانیت پر محیط ہے۔ کسی بھی انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو کو دوسرے مسلمان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔

اسلام امن و سلامتی کا داعی ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اسلام بغیر کسی امتیاز دینی، جغرافیائی و نسلی، سب انسانوں کو تحفظ دیتا ہے جبکہ دوسرے ادیان و ملل کے تحفظ کا دائرہ اپنی ہی قوم و قبیلے اور علاقے تک محدود ہے۔ ان کی خیرات کی کرنیں، خوشبو اور نمی اپنی چار دیواری سے تجاوز نہیں کرتی۔ اس حوالے سے کوئی بھی مسلمان، دوسرے مسلمان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ مسلمانوں کے جان و مال کیلئے خطرہ نہ بن جائے لہٰذا اس قاعدے اور اصول کے تحت کسی کی طبع شدہ کتب کی کوئی دوسرا مسلمان دیندار طباعت نہیں کرسکتا۔

ایک انسان کا دوسروں کی طباعت شدہ کتب کو طباعت کرنے کے بارے میں مندرجہ ذیل مسائل پر بحث و گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اس عمل کو چند زاویوں سے اٹھاتے ہیں:

اگر حقیقت کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ کام اہل دین و دیانت کا نہیں۔ یہ دینی کتب کا کاروبار نہیں بلکہ کتابفروشی کے نام سے دین فروشی ہے۔ اس کی تمیز ان کی دکانوں پر موجود

چیزوں سے ہوتی ہے۔ یہاں خرافات پر مبنی کتابیں، جنتریاں، تعویزات، معجزات، کرامتیں، کڑے، سوئی دھاگے، ضریحوں پر لگانے والے تالے، ہاتھ میں باندھنے والے دھاگے وغیرہ زیادہ نظر آتے ہیں۔ یہاں آپ کو چوری سے چھپنے والی کتابیں بھی ملیں گی۔ ایسے لوگوں سے دینداری کی توقع عبث ہے۔

دوسروں کی طباعت شدہ کتب کی طباعت کے بارے میں بعض فقہاء عظام فتویٰ دیتے وقت سند و دلیل پیش کرنے کی زحمتوں سے آزاد ہو چکے ہیں۔ وہ صرف فتویٰ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اگر کسی نے کیوں اور کس لئے کی جسارت کی تو جواب میں سابق و حاضر فقہاء کے فتویٰ کو سند بناتے ہیں یا اس کی سند میں کوئی جذباتی بات کرتے ہیں یا اسلام سے زیادہ دردمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ہی قاعدہ فقہی پر گزارا کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اس عمل کو جائز گردانتے ہیں۔

طبع شدہ کتاب کی طبع کی صورتیں

۱۔ جس انسان نے بھی کتاب خریدی، اس نے کاغذ اور طباعت کی اجرت اداء کی ہے، جو بالفرض اگر ۱۰۰ روپے بنتی ہے تو کیا اگر وہ اس کتاب کے اصل مسودہ کو خریدنا چاہے تو مالک اسے اسی قیمت پر دے گا؟ اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جس نے ایک مشین خریدی، دوسرے شخص نے اس مشین کی ایک دفعہ کی پیداوار خریدی، تو کیا وہ ایسا کرنے سے دوسرا شخص اصل مشین کا بھی مالک بن جاتا ہے۔

۲۔ ایک آدمی نے اپنی گزر اوقات کیلئے روٹی پکانے کی ایک مشین لگائی جو اس کے محلے والوں کیلئے کافی تھی ایک صاحب حیثیت نے اس جگہ ایک اور مشین لگائی جس سے پہلے والے کی گزر اوقات خطرے میں پڑ گئی تو کیا یہ عمل اس انسان کیلئے نقصاندہ نہیں ہے۔

۳۔ اس کتاب میں موجود مندرجات فکری، تاریخی اور تحلیلی کو پسند کر کے قیمت ادا کی جاتی ہے۔

- اس کتاب کے مواد کا اپنی کتاب میں حوالہ دے سکتے ہیں۔
- زبانی طور پر نقل کیا جا سکتا ہے۔
- اس فکر کو رد کر سکتے ہیں۔

جہاں تک کتاب کے بین دفتین کے حوالے سے کاغذ اور جلد کا تعلق ہے تو وہ اس کتاب کو کم و بیش قیمت میں فروخت کر سکتے ہیں۔ کسی کو بطور تحفہ دے سکتے ہیں اور مخصوص حالات و طریقے کے تحت تلف بھی کر سکتے ہیں لیکن اسے ایک سرمائے کے طور پر استعمال کرنا' اس سے کثیر فوائد حاصل کرنا' اس کو سرمایہ تجارت قرار دینے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ یہاں مشتری نے حق طباعت کی قیمت ادا نہیں کی ہے۔ اس کی چند وجوہات ہیں:

- اس کتاب کا حق طباعت مولف نے اپنے لئے مخصوص رکھا ہے۔
- یہ ایک یا دو سو روپے یعنی قلیل سرمایہ لگا کر کثیر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

ایک انسان قلیل سرمایہ لگا کر حالات' تمہیدات اور شرائط سے گزرے بغیر زیادہ فائدہ اٹھائے۔ اس فائدے کی برگشت اس کی تمہیدات و طباعت سے مربوط ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اس نے کوئی قیمت ادا نہیں کی ہے۔

تیسری عدالت گاہ

اہل ایمان کی عدالت ہے خاص کر دین شناسی کے تشنگان' عاشقان جو ایسے کتابفروشوں سے کتاب خریدنے یا دیکھنے کی غرض سے وہاں سے گزرتے ہیں۔ ایسی کتابیں دیکھیں جو کسی اور ادارے کی ہوں اور ان سے استفسار کریں تو جواباً کہتے ہیں یہ اپنی کتاب ہے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے دینی کام کرنے والوں کا پہلے خود دین پر ہونا' حلال و حرام کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن اگر یہی استفسارات چند برجستہ خریداران کتب کرتے تو اس کی اصلاح ہو جاتی۔

فقہاء' علماء' دیندار قارئین تعین کریں کہ کیا دین کی ترویج اس طرح ممکن ہے۔ دین

قاعدہ لا ضرر ولا ضرار فی ۳الاسلام اور بہت سی آیات و روایات کا نچوڑ ہے۔ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ کتاب کسی کی انتھک فکری اقتصادی توانائیوں سے چھپی ہے' اس انسان نے ایک کتاب تیار کرنے کیلئے مصادر جمع کئے ہیں' لوگوں سے زحمات اٹھائیں ہیں' رقم خرچ کی ہے ترجمہ کا حق اداء کیا ہے۔

مقام شامخ و عظیم

تعارف مقام شامخ عظیم مرجعیت

کتب اصول فقہ اور استفتا آت خطب واشعار سرودہ میں مقام شامخ و عظیم مرجعیت و ارتباط ملت کے بارے میں جو تعارف بیان ہوا ہے' اس اقتباسات کو قارئین کرام کی خدمت پیش کرر ہا ہوں۔

۱۔ مرجع اس مقدس ہستی کا نام ہے جو عرصہ دراز سے علوم متنوعہ میں غواصی کر کے ہمیں قرآن اور سنت سے اللہ کا حکم استنباط کر کے دیتا ہے۔جس کے بعد ہر شخص پر سے اللہ کا حکم تلاش کرنے کی زحمت ختم ہو جاتی ہے۔

اس وعدہ پر نہ صرف یہ کہ عمل نہیں ہوا بلکہ بہت سی فتاویٰ قرآن اور سنت کے خلاف آنا شروع ہو گئے ہیں اور یہ تاثر پیدا کیا گیا ہے کہ نبی اسلامؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے بعد یہ ذوات جو حکم صادر فرماتے ہیں' وہ بلا چون و چرا واجب ہو جاتا ہے۔اس کیلئے انہوں نے ایک توقیع امام زمان سے منسوب کی ہے جو اپنی جگہ مخدوش ہونے کے ساتھ ساتھ مشکوک بھی ہے۔

۲۔ مجتہدین امام زمانہ کی طرف ہمارے اوپر ناظر و نگران ہیں۔وہ ہماری مشکلات کا حل بتاتے ہیں۔

کسی بھی ہستی کی طرف سے ایک ہی مقصد و مرام کیلئے چندین نائب و نگران نہیں ہوتے' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایک زمان میں دو امام نہیں ہو سکتے' جب امام معصوم از خطا دو نہیں ہو سکتے تو جائز الخطاء چندین کیسے ممکن ہیں۔ایسے مواقع پر قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے

استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس عالم میں دو خدا ہوتے تو فساد ہو جاتا۔ مجتہد چونکہ بتوسط امام نمائندہ خدا ہے لہٰذا وہ بھی دو نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہاں ہم نے صرف دو ہی نہیں، عشرات دیکھیں ہیں، نہ صرف دیکھیں ہیں بلکہ اس کے فاسد نتائج بھی ملاحظہ کئے ہیں کہ ان متضاد فتاویٰ نے کتنا فساد برپا کیا۔ انقلاب اسلامی امام خمینیؒ کے فتویٰ کے مقابلے میں آیت اللہ خوئی، آیت اللہ گلپایگانی، آیت اللہ خوانساری اور ان تینوں سے زیادہ تشویشناک شریعت مدار کا مؤقت تھا۔ موجودہ دور میں رہبر اور آقائے سیستانی کے فتاویٰ کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دو یا چندین اعیاد ایران، پاکستان اور خلیج میں منانے کے بارے میں اکثر سننے میں آتا ہے۔ یہ سب ثمرات تعدد مجتہدین ہے۔

۳۔ فرماتے ہیں، خمس کا آدھا حصہ وکیل کے مصارف میں خرچ کریں باقی حوزہ علمیہ کے ادامہ کیلئے ان کو ارسال کریں۔

تاکہ قرآن و سنت کو منہا کر کے باقی علوم عربی، فلسفی، سیاسی، اجتماعی سیکھانے کے بعد واپس اپنے شہر پر یہ لوگ فتاوائے بلاسند دے سکیں۔ مراجع عظام اور ان کے وکلاء خوش قسمت مندان نے ان بے سرا و پا اختیارات کو استعمال کر کے جو عمارتیں، تذکار عاد وارم اور ان کے خزانے، قرون وسطیٰ کا کاخ سفید اور نوین عصر نور کو پیچھے چھوڑا ہے، اسے دیکھ کر خلیفہ سوم متہم مصرف اموال مسلمین بھی اپنی نااہلی پر شرمندگی سے سر نیچے کئے ہوئے ہیں، ہارون رشید، امین و مامون بھی ان کی لطف اندوزیوں پر انگشت بدندان ہیں۔ اس سے زیادہ تعجب وحسرت کن بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ خلیفہ اول و دوم، فتوحات اسلامی سے حاصل شدہ غنائم جنگی جیش مہزوم رومی و فارس کو بیت المال مسلمین میں چھوڑ کر، بلا تخت زمین پر سونے کو پسند کریں اور مجتہدین اور ان کے وکلاء اپنے مطاعن اور بے راہ روی کے بارے میں مفوہ ونطاق ہے۔

مراجع عظام کی نظارت وسرپرستی میں ترویج واشاعت دین کے چند نمایاں مظاہر

۱۔ جعلی ضریحوں کی تعمیرات وتاسیسات میں بے حد احصاء اضافہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔

۲۔ دینی درسگاہوں‘ عادوارم کوفراموش کرنے والے زرق وبرق مزخرف‘ تعمیرات میں کماً وکیفاً اضافہ۔

۳۔ علمائے اعلام کی سرپرستی میں جدید علوم کی اغیار کی زبان کی تعلیم وتربیت پر توجہات کا ارتکاز۔

۴۔ مدارس دینی میں قرآن اورسنت‘ تاریخ اسلام‘ عقائد اسلام کی داخلے پر کڑی نگرانی۔

۵۔ دہشت گردی کے بہانے غیر مسلموں سے یکجہتی اور مسلمانوں سے نفرت وبیزاری کا مظاہرہ۔

۶۔ فروغ واشاعت نکاح متعہ میں روز افزوں اضافہ‘ کیلئے بعض علماء کی سرگرمیاں اور کاوشیں۔

۷۔ حقوق نسواں یا اشاعہ فحشاء نامی بل میں مراجع عظام کا سکوت حکیمانہ۔

۸۔ فروغ تعلیم نسوان بن مجہول النصاب جامعہ زہراءؑ کی تاسیسات میں اضافہ‘ فروغ تعلیم نسوان کے نام پر مدارس جامعہ الزہراؑ میں تعلیم وتربیت کی آڑ میں عقائد فاسد میں روز افزون جن کے نتائج گزشت زمان کے بعد برآمد ہوں گے۔

۹۔ مساجد‘ امام بارگاہوں اور مدارس دینی کے اوپر بلند‘ فلک بوس پرچم نیازمندان‘ حاجت روا کیلئے منصوب‘ اور مراکز اسلامی مساجد ومنابر میں حتیٰ علوم عربی سے نابلدوں کا قبضہ۔

۱۰۔ تقلید‘ جو عوام الناس کو قرآن اور سنت سے اجنبی اور دور کرتا ہے۔ یہ اب خود مراجع میں سرایت کرچکی ہے۔ عوام ان کی تقلید کرتے ہیں وہ خود اپنے سے پہلے مرجع کی

تقلید کرتے ہیں۔ اجتہاد برائے نام ہے اس کا کوئی وجود نہیں۔

شخصیات ونوابغ

شخصیات چاہے دنیاوی ہوں یا دینی‘ دونوں صورتوں میں وہ پہلے بشر ہیں۔ بشر کے اپنے فطری تقاضے ہیں‘ جن پر بشر کے احکامات لاگو ہوتے ہیں۔ نا ملایمات سے کراہت‘ حبّ شہوات ولذات‘ شہرت پسند‘ اپنے سے وابستہ خاندان‘ قبائل‘ عشائر اور وطن عزیز سے لگاؤ کی بنا پر گرایش وجھکاؤ رکھنا وغیرہ۔ اس کی برگشت بھی آخر میں اپنی ذات کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ انھیں قومی ہیرو‘ قائد یا رہبر کے نعرے اور القابات دیتے ہیں۔ یہ تمایلات‘ نوابغ دنیاوی میں بطور نمایاں نظر آتے ہیں چونکہ وہ ماورائے حیات پہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ لوگ ایسی اور بہت سی دیگر ناپسندیدہ خامیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

نوابغ اور شخصیات دینی میں یہ صفات انتہائی باریک اور دقیق صورت میں پوشیدہ ہوتیں ہیں۔ جو عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتی ہیں کیونکہ وہ ایک ایسے معاشرے میں زندگی کرتے ہیں جو اصل حیات کو اس حیات کے ماورا سمجھتے ہیں۔ یہ معاشرہ دنیاوی عیش ولذات میں سرگرم رہنے والوں کو پسند نہیں کرتا لہٰذا ان میں سے بعض ایسی صفات کو پس پشت‘ غیر مرئی‘ غیر ملموس ومحسوس صورت میں انجام دیتے ہیں اسی لئے نوابغ دینی میں یہ رجحانات انتہائی باریک ودقت کے بعد نظر آتے ہیں۔

جتنے بھی نوابغ بشر‘ گزرے ہیں‘ چاہے دنیاوی ہوں یا دینی‘ ان میں سے بہت کم ایسے افراد ہوں گے جن میں یہ رجحانات ناپید ہوں اور انھوں نے خالصتاً کسی غیر کیلئے کام کیا ہو‘ محرومیت کی زندگی گزاری ہو‘ یہ ان لوگوں سے بعید اور ناممکن ہے۔ اگر اکثر نوابغ بشر کی حیات اور تاریخ کا مطالعہ کریں تو انکشاف ہوتا ہے کہ کسی نے غث وسمین‘ صحیح وغلط سب کو جمع کر کے آئندہ کیلئے ان کا تصفیہ ناممکن بنایا ہے‘ کسی نے میراث میں ختم نہ ہونے والی دولت چھوڑی ہے تو کسی نے وقت کے حکمرانوں کے دربار کو رونق بخشی اور ان کے جرائم کو چھپایا۔

ایک طرف تو علماء' سلاطین کے درباری بننے کو حرام قرار دیتے ہوئے اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور دوسری جانب انہی درباری علماء پر اوپر چادر قدسیت بھی چڑھاتے ہیں جو ارباب اقتدار کے خدمت گزار تھے اور ان کی سرپرستی میں حاصل فوائد کی وجہ سے نوابغ بنے۔ جہاں ایسی شخصیات کے بارے میں ان کی دیگر صفات' تمایلات اور رجحانات کو نظر انداز کر کے ان پہ چادر قدسیت چڑھانا غلط ہے وہیں ان کی زندگی میں درپیش مسائل کو نظر انداز کر کے ان کی مذمت کرنا اور ان کی برائیوں کو اچھالنا بھی درست نہیں۔ تاکہ وہ ہمارے لئے رہتی دنیا تک اچھائی یا برائی کا نمونہ اور مثال بنیں۔ کیونکہ کوئی بھی شخصیت ہمارے لئے نمونہ مثال نہیں' مسلمانوں کیلئے ایک ہی مثال ونمونہ ہے اور وہ رسول اللہؐ ہیں۔

دین و دیانت سے وابستہ نوابغ اور شخصیات' جنھوں نے ہمارے لئے زخیم علمی وراثت چھوڑی ہیں آیات کثیر' من جملہ سورہ مبارکہ نساء کی آیت ۵۸ کے مطابق ان کی شخصیت کے وہ تمام مثبت اور منفی اثرات جو اجتماع پر پڑے ہیں انھیں ایک ساتھ بیان کرنا ہمارا مذہبی اور دینی فریضہ ہے۔ تاکہ نہ ان کے ساتھ خیانت اور نہ اجتماع کے ساتھ۔ جو غلطیاں' خطاء' لغزشیں ان سے سرزد ہوئی ہیں ممکن ہے اللہ انھیں بخش دے۔ لیکن ہمیں ان کے مثبت اور منفی دونوں اقدامات سے درس' عبرت اور نصیحت حاصل کرنی ہے۔ وہ لوگ بھی ہم جیسے بشر تھے جو خطا کرتے' بھولتے اور اشتباہ کرتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ان پر عوامل خارجی جیسے حکومت' عزیز واقارب وغیرہ کا دباؤ تھا۔

اگر ان تمام حالات کو سامنے رکھ کر ہم ان کی تاریخ پیش کریں تو اس دین کو درپیش بہت سے مسائل سے ہمیں نجات مل سکتی ہے۔ لیکن یہاں ہمیشہ نوابغ وشخصیات کی زندگی کا صرف ایک زاویہ لکھا گیا ہے اور دیگر زاویوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مثلاً وہ اپنے دور کے حکمرانوں کے دربار میں ہوتے تھے' ان سے وظیفہ لیتے تھے' ان کے اوامر کی اطاعت کرتے تھے۔ یا بقول بعض انھوں نے خلوص نیت کے ساتھ صحیح وغلط سب کو یکجا جمع کیا۔

اب لکھنے والوں نے ان کی حیات پر صفحات درصفحات لکھے ہیں اور ان کی ادنیٰ سی غلطی وکوتاہی کو بھی ان صفحات پر جگہ نہیں دی۔ یہاں بعض سادہ لوح' سادہ ذہن لوگ یہ سمجھنے میں

حق بجانب ہوتے ہیں کہ یا تو یہ شخصیات مَلک کے قریب یا ان سے ایک درجہ کم یا پھر مساوی انبیاء بدون منصب تھیں۔

اس طرح سے ان شخصیات کو چڑھایا جاتا ہے۔ ہزاروں انسانوں کی آنکھیں ان کی کتابوں کے مندرجات سنے حیران ہیں۔ اس طرح آنکھوں پہ پردہ ڈالنا دین اور مذہب کے ساتھ ایک ناقابل بخشش جرم و جنایت اور خیانت ہے۔

اس سے زیادہ افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ عوام تو عوام علمائے اعلام دانشوران ذی قدر بھی دین و شریعت میں قرآن اور سنت سے استناد کرنے کیلئے تیار نہیں۔ وہ مجتہدین ہی کو فی زمانہ حجت اللہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تو دین انہی سے لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ اب اس امت پر حجت قرآن کی بجائے توضیح المسائل ہے۔ اسی طرح علماء اور دانشوران بھی قرون وسطیٰ کے بدترین مقلدین سے نیچے گرے ہوئے ہیں۔

تقلید، علمائے نفس کی نظر میں

علمائے نفس و اجتماع کا کہنا ہے کہ انسانی زندگی تین ادوار سے گزرتی ہے:

۱۔ دور تقلید: یہ دور طفولت اور بچپنے کا دور ہے۔ اس دور میں بچہ اپنے ماں باپ کی تقلید کرتا ہے کیونکہ وہ اس دور میں ماں باپ کی توجہات اور عنایات کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

۲۔ دور بلوغت: اس دور میں انسان کے اندر مطالعہ اور معلومات جمع کرنے کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ دور ابداع و ابتکار: اس دور میں انسان کے اندر حب استقلال، ابتکار، اختراع اور ابداع دن بہ دن پروان چڑھتی ہے۔ انسان اپنی زندگی کیلئے نئے روزگار، نئی درآمد اور نئی سہولتیں حاصل کرنے میں مستغرق ہو جاتا ہے، وہ اس بنجر و ویران زمین کو زرخیز اور جنت کی مانند سرسبز و شاداب بنانے اور تمدن و ترقی کو دوسروں کیلئے نمونہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

کتاب "عقائد اسلامیہ" کے مولف محمد جواد ص ۳۹ پر لکھتے ہیں:

تصور تقلید کی برگشت، گہرائی اور عمق تاریخ، خود انسان میں ملتی ہے۔ جب ہم موجودہ دور کے انسان سے لے کر عصر قدیم کے انسانوں کے سلوک و رفتار اور انداز و روش کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ سلوک واضح و نمایاں طور پر ابتدائی انسانوں میں ملنے کے علاوہ، اس کا تذکرہ قرآن کریم کی آیات میں بھی ملتا ہے، جہاں ہابیل و قابیل کے قصہ میں ذکر ہوتا ہے کہ قابیل، ہابیل کو قتل کرنے کے بعد نعش کے بارے میں حیران و سرگرداں تھا کہ خداوند متعال نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپائے۔ (سورہ مائدہ: ۳۰، ۳۱)

اسی طرح انسان بچپنے سے ہی حرکات و سکنات میں اپنے والدین، برادران، خاندان اور معاشرے کی تقلید کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ عصر جدید کے علمائے تربیت نے تجربے کے طور پر ایک عرصہ تک کچھ بچوں کو جنگل میں چھوڑا، کچھ مدت میں یہ بچے حیوانوں جیسی حرکات کے عادی ہو گئے اور انسانوں کو دیکھ کر فرار ہونے لگے۔ جو دیگر حیوانات کھاتے پیتے تھے وہی کھانے لگے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تقلید کا عنصر ابتداء سے انسان کے وجود میں ہے۔

قارئین کرام یہاں اس حقیقت واقعی کو بھی مت بھولئے کہ جس تقلید کی تعریف ابھی ذکر ہوئی ہے، اس میں بھی بچے اپنے ماں، باپ، بڑے بھائی، استاد کو نہیں چھوڑتے بلکہ بضد ہوتے ہیں کہ وہ ان اسباب کی علت بیان کریں، لیکن تقلید مروج جس کا حکم اعلیٰ پایہ کے علماء فرماتے ہیں اس سے بالکل مختلف ہے یہاں سوال کرنا جسارت و اہانت تصور ہوتا ہے۔

تقلید کی مذمت "فصلنامہ عدالت" میں ملاحظہ کریں۔

مصادر خاصه اجتهاد

☆ اجتهاد و تقلید	تقریرات آیة اللّٰه الخوی ج ۱
☆ الاجتهاد و تقلید	سید محمد رضا الصدر
☆ اجتهاد و تقلید	آیة اللّٰه محمد مهدی الآصفی
☆ اجتهاد و تقلید	وهب زحیلی
☆ اجتهاد و تقلید،مستمسک عروة الوثقیٰ	آیة اللّٰه سید محسن الحکیم
☆ اجتهاد و تقلید،شرح مستمسک عروة الوثقیٰ	آیة اللّٰه سید محمد شیرازی
☆ اجتهاد و تقلید،سوال و جواب الندوة	آیة اللّٰه سید محمد حسین فضل اللّٰه
☆ خمس	آیة اللّٰه سید محمود هاشمی
☆ خمس	آیة اللّٰه حسین علی المنتظری
☆ آراء المراجع،آراء فی المرجعیه الشیعه	مجموعه من الباحثین
☆ بحوث فی خط المرجعیه	صدر الدین قبانچی
☆ الجهادالسیاسی للشهیدالصدر	صدرالدین قبانچی
☆ الاجتهاد و تقلید فی الاسلام	دکتر نادیه شریف عمری
☆ صراع الارادات	سلیم الحسنی
☆ الامامة و القیادة	دکتر احمد عز الدین
☆ الی وکلائنا فی البلاد	آیة اللّٰه سید محمد مهدی حسینی شیرازی
☆ کیف تدبر الامور	آیة اللّٰه سید محمد مهدی حسینی شیرازی
☆ نظام تعلیمی فی حوازة الاسلامیه	عبد الجبار رفاعی،مجله فکر الاسلامی
☆ اصلاح حوزه در نگاه شهید الصدر	اسماعیل اسماعیلی
☆ حولة المرجعیه	آیة اللّٰه سید محمد حسین فضل اللّٰه
☆ حولة المرجعیه الشیعه	آیة اللّٰه شیخ محمد علی تسخیری
☆ شیعه فی المیزان	جواد مغنیه
☆ احکام سلطانیه	ابی الحسن علی بن محمد بن حبیب
☆ معالم الحکومة الاسلامیه	آیة اللّٰه جعفر سبحانی
☆ حول اعاده تشکیل العقل المسلم	دکتور عماد الدین الخلیل
☆ بحوث و دراسات الاسلامیه	محمد جعفر شمس الدین
☆ اجتهاد و تقلید و شون الفقهیه	آیة اللّٰه محمد مهدی شمس الدین

☆ مجموعه الرسائل اعتقادی	علامه مجلسی
☆ نظام التشریع فی الاسلام	محمد مهدی الآصفی
☆ نظام مالی فی الاسلام	محمد مهدی الآصفی
☆ نظام المجتمع و الحکمة	عبد الهادی فضلی
☆ نظام سیاسی فی الاسلام	محمد مهدی شمس الدین
☆ بحوث فقیهه هامه	آیة الله ناصر مکارم شیرازی
☆ تحریر الوسیله	آیة الله روح الله الخمینی
☆ فقه الحیاة	آیة اللّٰه محمد حسین فضل اللّٰه
☆ زکات و خمس در اسلام	سید محمد رضا مدرسی
☆ المال و حکم فی الاسلام	شهید عبد القادر عودة
☆ اساس الحکم فی الاسلام	آیة الله سید کاظم حائری
☆ نظام المالی فی الاسلام	علامه مهدی آصفی
☆ الفتویٰ الواضحة	آیة اللّٰه شهید سید محمد باقر الصدرؒ
☆ ادوارفقه الاسلامی امامی	شیخ محمدابرهیم جناتی
☆ دراسة فی التقلید الاعلم ـ.	علامه سید علی حسین العاملی
☆ معرکة التقالید۔	محمد قطب
☆ الزکوة و احکامیةفی فقه بعض المزاهب	
☆ مدارك العروةالوثقیٰ(۲ ـ ۱)	آیة اللّٰه شیخ یوسفِ بحرانی
☆ الفقه فی شرح العروةالوثقیٰ(۱)	آیة اللّٰه سید محمد مهدی شیرازی
☆ فروع الدین اسلامی من الکتاب و السنة	حسین بن علی فرطوسی الحویزی
☆ دروسِ فی الفقه المتعارف	آیة اللّٰه شیخ محمد ابراهیم جناتی
☆ احکامِ فقهی زکوةواحکام فی الفقه	
☆ فتاوی العلماء شیعه دفاع عن دولته العثمانیه	
☆ کتابِ خمس	آیة اللّٰه حسین علی منتظری
☆ کتابِ زکوة	آیة اللّٰه حسین علی منتظری
☆ کتابِ خمس	آیة اللّٰه سید محمود هاشمی
☆ الفقه و الامته	آیة اللّٰه فضل اللّٰه
☆ التقلید	علامه عبد الهادی فضلی
☆ دراستة فی تقلید الاعلم	علامه مکی العاملی
☆ اهداف فقه و وظیفه فقیهان	فقه اهلبیتؑ پیام مقام رهبری ش ۱ ص۱۷
☆ الاسلام والحکم	احمد زکی تعاجر
☆ الفقه فی الشرح العروة الوثقیٰ(۱)	آیة اللّٰه سید محمد مهدی شیرازی

☆ لمن الحکم	سمیع عاطف زین
☆ نظریه اثبات وتحول اجتهاد	علی عابدی شهرودی کیهان ش ٢٤
☆ لزوم بازنگری در فقه	علی حجتی کرمان ،کیهان ش ٢٤
☆ الفقه و الامة	آیة اللّٰه محمد حسین فضل اللّٰه
☆ صلاحیت الولی الفقیه خارج الحدود الوطن	آیت الله مصباح یزدی
☆ فتویٰ علماء شیعه ،الجهاد والدفاع عن الدولة العثمانیه	
☆ المرجع و الامة دراسه فی طبیعة العلاقات والمهمهات	
☆ منهاج الصالحین	آیة اللّٰه الخوئی رہ
☆ تکلمة المنهاج	آیة اللّٰه الخوئی رہ
☆ الاسلام بین العلماء والحکام	عبد العزیز البدری
☆ الجهاد حصن الاستقلال	سید محمد تقی مدرسی
☆ چرا ازاعلم تقلید کند	
☆ قضایا معاصرة	سید هاشمی نژاد
☆ معرکة التقالید	
☆ الحکم والاستحکام فی الخطاب الوحی	عبد العزیز مطفی کمال
☆ المعالم الجدیده للمرجعیت الشیعیه	سلیم الحسنی
☆ علماء و مسئولیت تثقیف الامه	شیخ حسن صفار
	مجله بصائر ش ١٠ ص ٦٥
☆ نصرانیه و تبشیر	مجله توحید ش ٤٦_٤٧ ص ١٣٣
☆ اسلام و الاسطوره	حسن الباش مجله بصائر ش ١٠
☆ مقالات اجتهاد و تقلید	مجله توحید (اردو)
☆ الحصاد المجمع بحث حول شوریٰ والو لایة الفقیهه	مجله فکر اسلامی ش ١ ص ٢٣٧
☆ نظام التشریعی فی الاسلام	
دود اختیارات ولی امر	پاسدار اسلام ش ٨٤ ص ٢٣
☆ العادات و التقالید الاسلامیه فی عامل	عرفان عدد ٢ م ٧١
☆ التقریب قراه فی الاخطار الفقیه	توحید ٩ ٥ ص ١٣٥
☆ استعار الحدیث و الثقافی الغربی	توحید ٢٦ ص ٦٨
☆ لقاء بین دیمقراطیه الغرب و الاسلام و الغرب	ضیاء شکرچی ،مجله فکر جدید ش ٩

☆ الاخبار بین و الاخبارئیین	محمد الغراوی فکر جدید ش۹
☆ چرااز اعلم تقلید کنیم مقاله	شهید مرتضیٰ مطهری۔ پاسداراسلام ش ۱۳۰
☆ ملاحظات علیٰ نهج الاجتهادفی الفقه و الثقافة	سیدعباس مدرس، بصائر ش ۳ ص ۵۵
☆ ولایة الامر فی عصر الغیبه	سید علی اکبر الحائری مجله فکر الاسلامی
☆ دور الفقهاء فی محاربه الطغاة	شیخ منیر طریحی ش ۱۱ص ۱۷۵
☆ اجتهاد قوة محرکه اسلام	شهید مرتضیٰ مطهری پاسدار اسلام ش ۱۲۵،۱۲۶
☆ ملامع الفقه السیاسی فی الاسلام	محمد قاسم، بصائر ، ش ۱۰
☆ تشریع الاسلامی مناهجه ومعاصره	سلمان العبد، بصائر ش ۱۱
☆ اقسام زمین وحکم آنها۔	آیة اللّٰه محدی گلپائیگانی پاسدار ش۲۷،۲۸
☆ اهدافِ فقه و ظیفه فقهیان	مجله اهلِبیتؑ پیامِ رهبری ش ۱
☆ اقیموا صرح الاسلام علیٰ اساس من اعلم	شیخ عبد المجید سلیم بصائر ش ۱۱
☆ فقه اجتهادی و اصلاح حوذها از دیدگاه امام	محمد ابراهیم جناتی کیهان ش۲۹ ص ۱۵
☆ الزکوٰة و احکامها فی فقه بعض المذاهب	ثقافته السلامیه ش ۲۸ ص۲۹ ش۳۸ ص ۱۲۸
☆ اجتهاددراصول دین و تقلید در فروع آن	آیة اللّٰه مشکینی پاسدار زاسلام ش ۶۰
☆ شریعت الٰهی و حاکمیت هائی سوئے انسانی	عماره حکومت اسلامی ش ۲ ص۵۵
☆ مبانی عقلانی در عصر غیبت از دیدگاه سید جعفر عفی	مقاله عبد الوهاب زاتی
☆ لمن سیارة الاسلام	عبد الحسن ناصر بصائر ش ۱۱
☆ فقه سنتی (پرسش ها و پاسخ ها)	مجله پاسدار،ش ۳۱ ص ۶۵
☆ حکم و حاکم و احکام	آیة اللّٰه سید محمد صادق م فقه ش۲ ص۹ ۷
☆ الاجتهاد عن زیدیه	اسماعیل ابن علی الاکوع ثقلین ش۲۳ ص ۱۷۹

متعہ

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْعٰدُوْنَ ۚ ۝٧

(سورہ مبارکہ مومنون)

نکاح سری ومخفی

زواج اوراس کی نامشروع فروعات

جس روز سے دین مبین اسلام کا سورج ام القریٰ، سرزمین مکہ میں طلوع ہوا اسی دن سے اسلام نے نکاح کے تمام طور وطریقے جس میں بنیادی حقوق، شرائط اور تمام مقاصد زواج کو نظرانداز کر کے صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کو فروغ دیا جاتا تھا سب کو باطل قرار دیا اور صرف مقاصد وحقوق وشرائط کی ضامن نکاح کو جائز قرار دیا اور اسی عقد کو ظاہراً انجام دینے کی ہدایت کی گئی لہٰذا وہ زواج جو بطور مستور انجام دیئے جاتے ہیں اور جس کی خبر سن کر تمام عزیز واقارب شرمندگی سے سر نیچے کر لیتے ہیں، قرآن اور سنت کی رو سے باطل ہیں۔ چاہے جتنا بڑا فقیہ یا جمیع فقہاء فتویٰ صادر فرمائیں، ان کے فتاویٰ سے ہرگز شرع پر اثرات مرتب نہیں ہوں گے۔

آئین اسلام سے انحرافی اور فرعی راستہ نکالنے والے ماہرین نے مختلف بہانوں اور نام سے انسان کو عقل، قرآن اور نبی کریمؐ کے دکھائے ہوئے واضح وروشن صراط مستقیم سے بالکل ہٹا کر فرعی وانحرافی راستے پر لگایا اور ان راستوں پر دین کی چادر چڑھائی ہے۔ انہی فرعی اور منحرف راستوں میں سے ایک متعہ ہے یہ شرعی زواج سے بالکل خارج، سفاح، فحشا اور زنا سے قریب ترین طریقہ ہے۔ اس قسم کے ذرائع نکالنے کی سرگرمیاں، قدیم دور سے لے کر عصر حاضر تک جاری ہے۔ نکاح السری، نکاح مسیار، نکاح متعہ وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔ اس قسم کے مذموم عزائم رکھنے والے افراد کو عوامی پذیرائی کے خواہشمند اور قرآن وسنت سے کھیلنے والے علماء وفقہا کی معاونت حاصل ہے۔ اہلسنّت کا کہنا ہے کہ نکاح مسیار والسری جائز ہیں لیکن متعہ حرام ہے۔

ظہور زواج مسیار

یہ زواج چند سال پہلے سعودی عرب کے منطقہ "قسیم" سے شروع ہوا اور پھر رفتہ رفتہ دوسرے علاقوں تک پھیل گیا۔ اس بدعت کے موجد کا نام "فہد غنیم" بتایا جاتا ہے۔ یہاں پہلے اس کی تعریف اور پھر اس کے جواز یا غیر جواز کا ذکر کریں گے۔

لکھتے ہیں: مسیار کلمہ سیر سے ہے' جس کے معنی آنے جانے کے ہیں۔ اس حوالے سے مسیار صیغہ مبالغہ ہے اور اس انسان کیلئے استعمال ہوتا ہے جو زیادہ آتا جاتا ہے۔ بعض کا کہنا ہے' یہ ایک عوامی کلمہ ہے جو عربی قواعد کے مطابق نہیں اور صرف سعودی عرب کے منطقہ نجد میں مستعمل ہے۔ یہیں سے ان شوہروں کیلئے بھی مستعمل ہے جو اپنی بیویوں کے پاس آتے جاتے ہیں۔ دن میں عورت کے پاس آنے کی صورت میں زواج مسیار کو "نہاریات" جبکہ رات کے وقت آنے کی صورت میں "لیلیات" کہتے ہیں۔ اس عقد میں' عورت کی طرف سے شرط عائد ہوتی ہے کہ مرد' رات کے وقت اس کے پاس نہیں آئے گا اور اس صورت میں عورت کا نفقہ' کھانا پینا اور لباس وغیرہ شوہر کے ذمے نہیں۔ دوسری طرف عورت' شوہر کے مقام قوامیت سے باہر ہوتی ہے یعنی جہاں اور جب جی کرے جاسکتی ہے۔

(**"قضایا فی الزواج والطلاق"** ص ۱۶۱)

موجودہ دور میں اس قسم کی نظامِ زوجیت کیسے وجود میں آئی؟ تجزیہ و تحلیل کرنے والوں نے اس کے چند اسباب وعلل بیان کئے ہیں:

۱۔ بہت سی عورتیں' نعمت زواج سے محروم ہوتی ہیں۔ عمر کا ایک بڑا حصہ گزر جانے کے بعد بھی ان کی شادی نہیں ہوتی۔ بہت سی ایسی ہیں جنھیں شوہر طلاق دے دیتے ہیں' کچھ بیوہ ہو جاتیں ہیں اور جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی تعداد بہت زیادہ ہیں۔ دوسری جانب بعض اجتماعی' مافیا گروہوں کی طرف سے تعدد زوجات کی مذمت و مزاحمت نے بھی بہت سی عورتوں کو زواج سے محروم کر دیا ہے لہٰذا وہ اس سے مستفید نہیں ہوسکتی۔

۲۔ بسا اوقات' مرد شہوت رانی اور جوش وطغیان کی وجہ سے ایک بیوی پر قانع نہیں

ہوتا۔ کبھی بیوی مریض ہوتی ہے یا اسے خود سفر درپیش ہوتا ہے یا وہ دوسری بیوی رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا یا مہر ونفقہ دینے میں بخیل ہونے کے باوجود مرد' دوسری عورت کا خواہاں ہوتا ہے یا پھر ہونے والی بیوی کے عزیز واقارب اور اولاد کے ڈر سے' ایسی عورت کی تلاش میں رہتا ہے جو اس مسئلے کو چھپا کر بھی رکھے' ساتھ ہی اس سے ذمہ داریاں بھی ساقط ہو جائیں اور زواج بھی جنسی لذت تک محدود رہے۔

اگر حکمت ومقصد زواج کے تناظر میں دیکھا جائے تو نکاح مستور ومخفی جس شکل وصورت میں ہو' بنیاد سے ہی باطل ہے۔ اس کو نکاح شرعی کہنا مردے یا بغیر پاؤں کے ڈھانچے کو انسان کامل کہنے کے مترادف ہے کیونکہ مقاصد نکاح میں سے ایک یہ ہے کہ میاں بیوی زندگی میں ایک دوسرے سے انس حاصل کرنے کے ساتھ تولید نسل یا اولاد پیدا کرتے ہیں جبکہ نکاح مستور نفقہ' ارث' اطاعت وغیرہ سے خالی ہے۔ اس میں تمام حقوق زوجین کو منہا کیا گیا ہے' اسی طرح اس میں گواہ بھی مفقود ہے یعنی عند الاختلاف طرفین یہ تنازع کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جا سکتا اور اگر پیش ہو بھی جائے تو قاضی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا لہٰذا یہ نکاح از روئے اصول شریعت باطل ہے' اس پر کسی قسم کے شرعی اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ اگر کہیں ان پر دعوی جرم کیا جائے تو انہیں تعزیرات کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے اور ان پر ارتکاب جرم کی سزا دی جا سکتی ہے۔

جبکہ نکاح دائمی قرآن وسنت کا موافق اور تاریخ بشریت کے تناظر میں سیرت انبیاءؑ' صلحاء وشرفاء ہے' بلکہ بعض خاندان مشرکین وملحدین بھی اس زواج کی پاسداری کرتے تھے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب زوجہ ابوسفیان مادر معاویہ ابن ابی سفیان بادل ناخواستہ اسلام تسلیم کرنے پر مجبور ہوئی تو پیغمبرؐ نے ان سے عہد لیا کہ وہ جرم وگناہ اور زنا کی مرتکب نہیں ہوں گی۔ اس پر ابوسفیان کی بیوی نے کہا: کیا آزاد عورت بھی زنا کرتی ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ زواج اور زنا' دو متقابل ومتضاد مفاہیم ہے جسے کرۂ ارضی میں بسنے والا ہر انسان پہلی نظر میں پہچان لیتا ہے۔ اسی سے شرفاء اور فاسق' فاجر' لاابال اور بے باک انسانوں کا راستہ جدا

ہوتا ہے۔

یہاں سے واضح ہوا کہ زواج وہ ازدواجی زندگی ہے جہاں اصلاً فریقین کسی بھی دن الگ' جدا یا مفارقت کا تصور واحتمال تک نہیں رکھتے۔ جس دن شادی ہوئی اسی دن سے یہ تصور ان میں راسخ ہوتا ہے کہ یہ زندگی اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دونوں زندہ ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس بندھن سے انحراف چاہے وہ مدت کم کرنے کی صورت میں ہو یا ازدواجی شرائط نرم کرنے کا کوئی اور طریقہ ہو یا کسی بھی قسم کی مصلحت تراشی ہو' یہ سب اسلام کے جادۂ مستقیم سے انحراف کے راستہ ہیں' جسے یہ لوگ ڈنڈے اور گالی سے نافذ کر رہے ہیں۔ اس کا تعلق جس فرقے سے بھی ہو ان کے ساتھ نہ قرآن ہے' نہ سیرت وسنت پیغمبرؐ۔ دین وشریعت قرآن وسنت سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ ملتوں کی قراردادوں' مظاہروں میں جلاؤ گراؤ' اور کسی کے خلاف نہ نازیبا کلمات وتہمات استعمال لگانے سے۔

آیئے ہم اس سلسلے میں ان فرعی راستوں کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

متعہ ہو یا مسیار یا پھر السری۔ یہ فلسفہ زواج سے ہٹ کر صرف شہوت جنسی کو ہی مدنظر رکھتے ہیں۔ اس میں فلسفہ وحکمت کی تمام شقوں کے ساتھ ساتھ نسل کا ضیاع اور امن وسکون کا فقدان ہے جبکہ یہاں مرد وعورت دونوں پریشان ہیں کہ کہیں کسی کو پتہ نہ چل جائے۔

جس دن سے دین اسلام کا مقدس آئین' فرقہ ضالہ باطنیہ کے نرغے میں آیا ہے' اسی دن سے انہوں نے اسلام کے عقائد واحکام کو ہدف بنا کر ظاہراً واعلانیہ عقائد واحکام کو باطنیہ کے تہہ خانے کی طرف دھکیل دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے فرقہ کے علماء ہم پر ٹوٹ پڑے کہ آخر ہر چیز بتانے کی نہیں ہوتی۔ عقائد اور دین کی صرف چند چیزیں بتانے کی ہیں باقی تمام مخفی ہیں۔ یہ لوگ باب زواج جو اجتماع کی پہلی بنیاد ہے' اور جس کے انہدام کیلئے الحادی طاقتیں سر توڑ کوشش کر رہی ہیں' ان کی کوششوں کو جامہ عمل پہنانے اور اندر سے تعاون و ہمکاری کا اعلان کئے ہوئے ہیں۔ زواج مستور جس نام سے بھی ہو متعہ' مسیار یا سری اس کو زواج کا درجہ دینا قرآن وسنت سے جادہ فرعی نکالنے کے مترادف ہوگا۔

قرآن میں زواج کی حکمتیں

قرآن میں زواج کے بارے میں وارد آیات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں تین اہم حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

۱۔ انس وسکون کی زندگی، تادم مرگ بلکہ بعد از مرگ عدہ وفات۔

﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ (اعراف:۱۸۹)

﴿اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ﴾ (بقرہ:۳۵)

۲۔ تولید نسل اس کی مدت کم ہوتی ہے۔

۳۔ افراغ خواہشات جنسی۔ اس کی مدت بھی کم ہوتی ہے۔

تیسری حکمت پہلے دو حکمتوں کی تمہید کیلئے ہے۔ لہٰذا قرآن نے پہلی دو حکمتوں کیلئے مخل جنسیات کی مخالفت کی ہے جبکہ متعہ کے داعیوں نے اسی کو اساس نکاح سمجھا ہے۔ ان کے پاس پہلی اور دوسری حکمت کی کوئی حیثیت نہیں وہ صرف تیسری حکمت کیلئے فلسفہ تراشی کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

”زواج کبھی بہت سے لوگوں کیلئے وقت وحالات کے تحت ناممکن ہوجاتا ہے مثلاً اس کی زوجہ مریض ہے یا وہ خود سفر میں ہے یا گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے وغیرہ اس لئے زواج متعہ اس کے بدل کے طور پر وضع کیا گیا ہے۔ یہ ایک زواج شرعی ہے، اس میں تکلفات ونفقہ نہیں۔ اسی طرح اس میں گواہ رکھنے، ولی کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔“

بعض بزرگان نے فلاسفہ اور مستشرقین کے نظریات سے متعہ کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ ہمیں مفکرین وروشن خیال، مغرب نواز اور انحراف گرائی رکھنے والوں سے چندان شکوہ و شکایت نہیں کیونکہ یہ ان کا مزاج اور منشور ہے لیکن بعض علوم کے غواصوں سے شکایت ضرور ہے جو بحر اسلام کے داعی اساتید سے متاثر ہوتے ہوئے، اپنی دانشوری اور وسعت صدری

کوثابت کرنے کیلئے ان کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ان علماء اعلام اور دانشمندان گرانقدر سے شاگردانہ سوال ہے کیا فلسفہ اور حکمت ازدواج صرف نطفہ دھاق کے اخراج سے مکمل ہو جاتی ہے یا اس کے روکنے سے نقصان وضرر جسمانی کے ساتھ جزء نفسیاتی بھی لاحق ہوتا ہے یا اس میں کوئی اور حکمت وفلسفہ پایا جاتا ہے؟ کیا یہ حکمتیں جو تحقیقات جدید کے طفیل آپ تک پہنچی ہیں اور آپ کے توسط سے ان عاشق جنسیات تک' کیا یہ ان کی دیرینہ خواہشات پوری کرتی ہیں؟ کیا خالق انسان ان حکمتوں سے ناآشنا ہے جہاں وہ فرماتا ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا﴾ (نور:۳۳)

۱۔ کیا دین اسلام ضرورت کے تقاضے کو محسوس کرنے کے بعد از خود قانون جعل کرنے کا حق دیتا ہے؟ جیسے ملت کے حکمران وقتاً فوقتاً "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" کہہ کر قانون جعل کرتے ہیں۔کیا اسلام میں بھی مغرب اور اسماعیلیوں کی مانند جو' جہاں بھی ضرورت محسوس کرے از خود قانون جعل کرسکتا ہے۔ایسی صورت میں تو قرآن وسنت سے استناد کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

۲۔ یہ ضرورت جسے دیگر ضروریات مشروبات وماکولات سے تشبیہ دی گئی ہے کیا ایسی ہی ہے۔انسان جوان' بالغ ہونے تک اس ضرورت کی حس بھی نہیں رکھتا' اسی طرح بڑھاپے میں بھی یہ حس ختم ہوجاتی ہے۔لہٰذا اسے انسانی زندگی کے ابتدائی لمحات سے لیکر آخری سانس تک کی ضرورت کے لحاظ سے نظر انداز کر کے سطحی زندگی سے تشبیہ دینا' ان بزرگان کی ساحرانہ بیانی ہے۔اس کے علاوہ کھانے پینے کی کمی دو تین دن تک برداشت نہیں ہوتی جبکہ اسے مہینوں برداشت کیا جاسکتا ہے۔

کہتے ہیں:

"کسی جنگ میں اصحاب کی شکایت پر آپؐ نے اسے حلال قرار دیا ہے۔"

تاریخ بشریت میں میدان جنگ میں قدم رکھنے والے جنگجو ہمیشہ تمام خواہشات کو بالائے طاق رکھ کر' تمام روابط وتعلقات سے چشم پوشی کر کے' صرف ایک ہی

ہدف دشمن پر فتح و غلبہ' ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور عزم و ارادے سے نکلتے تھے اور اس راہ میں وہ بھوک و پیاس کی پروا کیے بغیر حتیٰ کہ گھاس پھوس اور اگر یہ بھی نہ ملے تو مٹی کھاتے تھے۔ لیکن یہ کیسا لشکر ہے جو پیغمبر اسلامؐ کو نصیب ہوا جو چند دن بیویوں سے جدائی کی تاب نہ لا کر عورتوں کی خواہش کرے اور نبیؐ ان کی خواہشات پر چندیں مرتبہ اس فعل حرام و قبیح کو حلال قرار دے اور چندین مرتبہ حرام قرار دے۔

یہ صدر اسلام کے مجاہدین کی حق میں انتہائی اہانت اور جسارت ہے جنہوں نے اس مختصر عرصے میں تمام تعلقات اور خواہشات کو خیر باد کہہ کر اسلام قبول کیا' اور اس پرچم سحر انگیز کو لہرا کر پورے جزیرہ عرب کو مرعوب کیا لیکن یہ مجاہدین چند دنوں کیلئے بھی اپنی بیویوں سے دوری یا جنسی خواہشات سے دور رہنا برداشت نہ کر سکے۔

۳۔ تاریخ میں کوئی ایسا انسان نہیں ملے گا جس نے کھانا پینا چھوڑ دیا ہو اور اس سے بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہو۔ ایسا کرنے والوں کیلئے اطباء دیگر ذرایع سے پانی اور غذا پہنچانے کا بندبست کرتے ہیں' لیکن ایسے ہزارہا انسان ملیں گے جنہوں نے شادی سے گریز کیا اور شادی کئے بغیر دنیا سے گزر گئے۔

۴۔ دین اسلام نے تمام شہوانی' فطری تقاضوں کو کنٹرول کرنے اور انہیں محدود کرنے کی دعوت دی ہے لہٰذا آیت میں ہے کہ جس کی گنجائش نہیں وہ عفاف کا انتخاب کریں۔ حضرت یحیٰؑ کی اسی انتخاب پر مدح کی گئی ہے۔

۵۔ کسی بھی ملک کے کچھ بنیادی قوانین ہوتے ہیں جو طویل عرصے تک چلتے ہیں۔ ملک کے آئین کے پاسداروں کا کہنا ہے کہ قانون اولیہ کا ہونا ناگزیر ہے اگر اس میں کہیں کوئی خلاء ہو تو ماہرین قانون فریاد و فغان کرتے ہیں' دشمن اسے اپنے طعن و طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اگر قانون اولی ہو تو اس میں ترمیم کی اجازت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ بالکل اسی طرح زواج سے متعلق قرآن میں اللہ نے

مفصل اور محکم آیات نازل کیں ہیں تو کیا اس اہم شق کو اللہ نے فراموش کر دیا تھا کہ علماء کو آیات میں ترمیم کر کے جواز کی راہ نکالنی پڑی۔ متعہ' زواج کا الٹ اور زواجی اصول سے ہٹ کر ہے۔ زواج متعہ کی خصوصیات کو سامنے رکھیں تو یہ زواج سے اجنبی اور زنا سے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

یہ زواج' اس وقت علماء وفقہا کیلئے ایک مسئلہ بنا ہوا ہے۔ بعض اسے جائز' بعض اسے مکروہ جبکہ بعض دیگر نے اسے زواج محرمات کی مانند حرام قرار دیا ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

۱۔ یہ زواج اپنی پیدائش کے حوالے سے صدر اسلام کے مبارک زمانہ سے لے کر اصحاب وتابعین اور تابع تابعین کی زندگی میں بھی کہیں دکھائی نہیں دیتا۔

۲۔ اس میں' زواج کے تمام ارکان اور حقوق یعنی نفقہ' ارث' طلاق' اطاعت شوہر اور عدۃ مقررہ کی نفی کی گئی ہے۔

۳۔ قرآن وسنت میں اسلامی زواج کے مختلف اہداف ذکر ہوئے ہیں اور ان میں کہیں بھی از دواج کو فقط جنسی خواہشات تک محدود نہیں کیا گیا۔

۴۔ اس زواج میں' نظام زوجیت کے تمام ترکیبی عناصر وارکان: جیسے مرد کی قوامیت' مہریہ' نفقہ وغیرہ کو مسترد کیا گیا ہے۔

۵۔ یہ زواج زنا کی سزا سے بچنے کی ایک چھت ہے۔

۶۔ یہ زواج' درحقیقت جنسی خواہشات کی تکمیل کے بعد عورت کو آزاد چھوڑنے کے مترادف ہے جہاں عورت کئی مردوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ طے کر سکتی ہے یعنی غیر شوہر سے جنسی تعلقات قائم نہ کرنے کی کوئی ضمانت نہیں۔

۷۔ اولاد پیدا ہونے کی صورت میں' چونکہ یہ زواج مخفی ہوتا ہے لہٰذا بچے کا انجام بھی معلوم نہیں ہوتا۔ نہیں معلوم کہ اسے' زنا سے پیدا ہونے والے بچے کی طرح سقط کر دیتے ہیں یا زمین میں دبا دیتے ہیں یا پھر اگر زندہ رکھیں بھی تو اس کے حل کی تلاش میں رہتے ہیں۔

کتاب "شکووں کے جواب" میں عنوان "بھوسے کے ٹیلے پر قائم فتاویٰ" میں متعہ کے فتویٰ کو بھی شامل دیکھ کر فرقے کے حارسان نے غصے کی تاب نہ لاتے ہوئے اس کا جواب آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، اینٹ کا جواب پتھر سے اور پتھر کا گولی سے اور اس قسم کے سوال کا جواب ارتداد سے دینے کیلئے ہماری شیعیت سے اخراج کا اشتہار جاری کیا۔ بعض نے ہماری کتاب کھولے بغیر عوامی اجتماعات میں غلاظت گوئی کی، حکم اخراج از مذہب اور تفرقہ در دین کا الزام لگانا شروع کیا۔ بعض نے اس مواد کو نوشتہ تحریر میں پیش کیا اور بعض نے بغیر نام کے اس کا ذکر کیا۔ بعض حضرات شاید مصروف تھے انہوں نے کچھ نہیں کہا، نہیں معلوم کہ ہماری حیات میں کچھ کہیں گے یا ہمارے مرنے کے بعد۔ بعض بزرگان نے مل کر کتابچے صادر کیے، جن میں وسعت صدری دیکھانے کی دعوت دی گئی ہے۔

اسی سلسلے میں "نکاح موقت ایک تحقیقی جائزہ" کے نام سے ایک کتابچہ، مؤسسہ البلاغ المبین نے چھاپا جو کہ ہمارے ملک کی تین مایہ ناز ہستیوں کی کاوشوں پر مشتمل ہے۔ کتابچہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق پر لکھا ہے کہ اس کے پانچ ہزار نسخے چھپے ہیں جو شاید ملک میں قائم تحریک زواج متعہ کے اداروں میں تقسیم کیے گئے ہوں گے۔ کتاب کی اہمیت صفحات یا تعداد سے نہیں بلکہ صاحبان ذی عصر کے نام سے ہوتی ہے۔

کتاب کے دوسرے صفحے پر خط درشت میں لکھا ہے:

"علم و وسعت نظری کا باعث ہے۔ یہ کتابچہ ہم ان حضرات کی خدمت میں جو ہم سے اختلاف عقیدہ رکھتے ہیں اس لئے پیش نہیں کر رہے ہیں کہ وہ ہمارا عقیدہ اختیار کریں بلکہ اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ ان کے علم میں آجائے کہ ہم بھی اپنے عقیدہ پر قرآن وسنت کی ٹھوس دلیل رکھتے ہیں تاکہ غلط فہمیوں اور بہتان تراشیوں کی وجہ سے امت کی وحدت میں حائل رکاوٹیں دور ہو جائیں۔"

عدیم نظیر، کیونکہ علم وسعت نظری کا باعث ہے اور یہ چند سطور ان نکات پر مشتمل ہیں:

۱۔ غرور علم میں آکر جس سے خطاب کیا گیا ہے اس کے ضمیر کو مبہم و مجہول کنایہ میں رکھا ہے کیونکہ مشار الیہ یقیناً ان کے علم کے مقابل میں ناچیز و جاہل ہوگا۔ یہ عند

العقلاء و بلغاء معقول بات ہے کیونکہ کسی ممتاز شخصیت کی طرف سے نام لینے سے اس کی شخصیت بڑھ جاتی ہے جس سے وہ مزید جسارت و تجاوزات کر سکتا ہے۔

یہ اپنی جگہ درست ہے کہ جاہل لائق عزت و تکریم و احترام نہیں ہے، جاہل کو ذلیل رکھنا چاہیے تاکہ علم و اہل علم کی توقیر و تعظیم ہو سکے اور جہلاء ان سے منافست علمی یعنی حصول علم کی کوشش کریں، لیکن جاہل سوال بھی نہیں کر سکتا یہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (نحل:۴۳)

جہاں اللہ فرماتا ہے کہ اگر نہیں جانتے، تو علماء سے سوال کرو۔ یہ حق قرآنی اور اسلامی ہے۔ اسی اصول کے تحت آپ تقلید مجتہد ثابت کرتے ہے جو اپنی جگہ درست ہے، بطور مثال ہم جو مسائل نہیں جانتے وہ عالم سے پوچھیں لیکن مجتہد سے اس جواب فقہی کی دلیل نہیں پوچھی جا سکتی، یہ درست نہیں۔ جس طرح حق سوال نہ دینا یا چھینا غلط ہے بالکل اسی طرح سوال کا آدھا حق دینا یا سوال کو محدود کرنا بھی درست نہیں۔ یہاں پر آپ نے صوفی ازم چلائی ہے۔

۲۔ جن سے خطاب کیا گیا ہے وہ ان سے عقیدے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

۳۔ انکی وسعت نظری کا تقاضا ہے کہ وہ اپنا عقیدہ اختیار کرنے کی دعوت نہیں دیتے۔

۴۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم اپنے عقیدے میں قرآن وسنت سے دلیل نہیں رکھتے۔ یہ خام خیالی دل سے نکال دیں۔ ہم بھی اپنے عقیدے میں قرآن وسنت سے ٹھوس دلیل رکھتے ہیں۔

۵۔ یہ مختصر کتابچہ اس لئے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ غلط فہمیاں اور وحدت امت میں حائل رکاوٹیں دور ہو جائیں گے۔

۶۔ علم وسعت نظری کا باعث ہے اور صاحب کتابچہ تحقیقی جائزہ نے جس کے نام لکھا ہے وہ صیغہ ضمیر مجہول مالم یسم فاعلہ ہے لہٰذا ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ اسے اپنے کھاتے میں لیں، گرچہ ان کا مشار الیہ ہم ہی ہوں گے، خواہ نام لے یا نہ لیں

ہم اس عام میں تو شامل ہیں۔ انہوں نے وسعت علمی اور نظری کے تحت اسے عام رکھا ہے۔

تاہم اس وقت متعہ کے ثبوت میں تحقیقانہ کتابچہ لکھنے سے ہر وہ شخص جو متعہ کو درست نہیں سمجھتا ہو' خاص کر جس نے اس کی شرعی حیثیت پر چند سطور تحریم میں لائے ہو' وہ قارئین کا نظر مصداق ضرور بنے گا۔ ہم بھی کتاب میں کسی فرد ذی علم وسیع کو اپنے عتاب اور غصہ کا نشانہ قرار نہیں دیں گے' اسے صرف کتاب کے مندرجات تک محدود رکھیں گے اور ان نکات کے بارے میں وضاحت کریں گے۔

۱۔ جس سے خطاب کیا گیا ہے وہ آپ حضرات سے اعتقاد میں اختلاف رکھتے ہیں' یہ ان کیلئے انتباہ ہے۔ گویا متعہ عقائد میں شمار ہوتا ہے۔ یہ ہماری معلومات دینی میں نیا اضافہ ہے' جس کیلئے مجھے نئے سرے سے کتابیں پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کیا یہ صرف جامع اہل بیتؑ کے اساتذہ بزرگ کا عقیدہ یا دیگر علماء اکابرین کا بھی یہی نظریہ ہے۔

۲۔ آپ انہیں یہ دعوت نہیں دیں گے کہ وہ آپ کا عقیدہ اختیار کریں۔ یہ جملہ سمجھنے کیلئے مجھے مفروضے بنانے پڑیں گے۔

دین اسلام عالمی دین ہے اور کافر وملحد' مشرک ومنحرف سب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ حضیرہ اسلام میں آجائیں چنانچہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو دعوت کا آغاز فرعون کو مدعی اللہ کرنے کے حکم سے دیا۔ اسی طرح نبی کریمؐ کو حکم ہوا کہ مشرکین کو ان کلمات میں خطاب کریں؛

﴿وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (سبا:۲۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ دعوت میں اصول قرآن اور سیرت انبیاء کے تابع نہیں بلکہ آج کل کے تفاہم بین ادیان یا پہلے سے جاری' اپنا عقیدہ مت چھوڑو' دوسروں کا عقیدہ مت چھیڑو کے گروہ میں شامل ہے۔ اگر ایسا ہے تو بھی آپ کو انھیں نہیں چھیڑنا چاہیے تھا۔

علم تقدسی' علم پرستی میں ترنم' تغنم' تغنی وتزنین زیادہ نہ کریں علم پرستی' علم تقدسی' علم منبع فیوضات' مصدر خیرات کے ترانے نہ گائیں۔ علم تقدسی' علم پرستی تاریخ علماء کی سیاہ وظلام

صفحات ہیں۔ یہ تاریخ حسادت ورقابت' عداوت اور غرور ونمائی سے پر ہے۔

((تصرخ من جور قضائه الدماء ، وتعجّ منه المواريث. الى الله اشكو من معشر يعيشون جهالا ويموتون ضلّالا ، ليس فيهم سلعة ابور من الكتاب اذا تُلي حق تلاوته ، ولا سلعة انفق بيعا ولا اغلى ثمنا من الكتاب اذا حُرّف عن مواضعه،ولاعندهم انكر من المعروف ولا اعرف من المنكر))
(خطبہ:۱۷)

تاریخ علم وعلماء کی صفحات جسے علم پرست لوگ' عصر النور وتنویر کہتے ہیں۔اسے اللہ پرست' مظلوم ومقہور افراد کی تاریخ میں خیانت' حسادت وعداوت' شحناء' بغضاء ونقباء والنکراء النائرہ کہتے ہیں۔ یہاں علم اور اسکے حاملان نے کچھ مدہم و مغمغم شعاعین اور جھلکیاں دیکھائی ہے۔ شمس رسالت' قرآن کی تفسیر کے نام سے خرافات' شرک وکفر اور الحاد کے افکار و نظریات کوفروغ دیا ہے۔تعلیمات محمدؐ وآل محمدؐ کے نام پر تمیز نہ ہونے کی حد تک جعلیات پھینکے ہیں۔

علم ہی معیار ومحک ہوتا' تو مراجع صرف تصاویر پر رقم گزاف خراج نہ کرتے۔جاہلوں' احمقوں اور نادانوں کو اپنا وکیل بے مہار نہ بناتے۔معارف وحقائق کی جگہ خرافات فروشی پر اصرار نہ کرتے۔

اگر علم موسع الصدور اور مفتح القلوب ہوتا تو صرف تصاویر کی طباعت میں مقلدوں کے خمس سے جمع ہونے والی رقم سے مصارف کثیر صرف نہ ہوتا۔

اپنے مرجع کے علاوہ دیگران کی تقلید کرنے والوں کی روزگار کو سیہ روزی میں نہیں پھینکتے۔تقلید کرانے کیلئے رشوت ستانی اور مخالف تقلید کا روزگار سیاہ نہ کرتے۔تقلید کو دین کی اساس قرار نہ دیتے کیونکہ تقلید تو ضد علم اور ترقی وتمدن نشانی پستی وانحطاط ہے۔

میری ان کلمات شقشقانی کے مصداق میں ان ذوات والا صفات کو نہ لیا جائے۔آپ حضرات کی ذوات والا صفات اجل وارفع شان ہے کہ مجھ جیسے نبذتم وراء ظہورکم واخرجتموہ عن صفوفکم المصون المرصوص بلکہ تمام مظلومین ومحرومین کے ساتھ دین اسلام ان سے شاکی ہے۔

اگر آپ کا اصرار ہے کہ ہمارے درمیان اختلاف فقہی نہیں بلکہ اعتقادی ہے۔ تو میں اس بارے میں وضاحت کرنے پر مجبور ہوں کہ حقاً ہمارے درمیان اعتقادی اختلاف نہیں بلکہ رائج اصطلاح کے تحت اختلاف جہاں بنی ہیں۔ جو آگے جاکر مصادر و مآخذ اعتقاد بنتے ہیں۔ ہمارے اعتقاد کے مصادر، مسلمات عقل کے بعد آیات قرآن ہیں۔ جہاں جہاں اللہ نے اپنی کتاب میں "آمنوا باللہ"، "آمنوا بالرسول" کہا ہے وہاں آ "منوا" ہمارے لئے تعدی کی ہے، یہ اعتقاد ہے۔ اعتقاد کی اساس روایت بھی نہیں بنتی۔ جبکہ آپ کے عقائد کے مصادر یہ ہے:

۱۔ فتاویٰ فقہاء ومجتہدین

۲۔ خطبات قائدین ملت

۳۔ تشخیص مصلحت قومی

۴۔ علاقائی نمائندہ گان اور فقہاء

ان مصادر کے تحت آپ عزاداری، یا علی مدد، متعہ، بغض شیخین وصحابہ، تعداد بنات نبیؐ اور نکاح ام کلثوم کو عقائد گردانتے ہیں۔

۳۔ فرمایا غلط فہمیاں دور ہوجائیں گی۔ جس کے نام آپ نے کتابچہ تحریر کیا ہے وہ آپ کے فرمان کے مطابق عقیدے میں آپ سے اختلاف رکھتا ہے، یہ یقینی بات ہے اس کو غلط فہمی نہیں بلکہ صحیح فہمی کہتے ہے۔ غلط فہمی اشارات، متشابہات والی گفتگو اور کلمات میں ہوتی ہے۔

۴۔ آپ نے فرمایا: تاکہ وحدت امت میں حائل رکاوٹیں دور ہوجائیں۔ لیکن اس سے تو خلیج مزید بڑھ جائے گی اور حائل رکاوٹیں سد کی شکل اختیار کرلیں گی کیونکہ آپ اسے اعتقاد میں شمار کرتے ہیں، جبکہ اس تحقیقی مقالے کی تیسری ہستی جناب آقائے توحیدی فرماتے ہیں یہ نکاح میں ثانوی حیثیت رکھتا ہے جبکہ عام مسلمانوں کا کہنا ہے؛ نکاح ہمارے ہاں فروعات دین میں شمار نہیں ہوتا، یہ واجبات میں بھی نہیں بلکہ ضروریات زندگی میں سے ہے۔

اگر متعہ عقائد میں ثابت نہ ہوسکا تو قطعی طور پر واجبات میں شمار ہوگا جیسا کہ صاحب کتابچہ تحقیقی جائزہ اور وسائل الشیعہ کے نزدیک ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ جہاں تک آپ کی وسعت نظری اور استدال کتاب وسنت کے اعلان کی بات ہے تو اس حوالے سے ہم خود کو دل کی گہرائیوں اور دست بستہ' ہاتھ باندھ کر آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ بقول عامی: اندھا کیا چاہیے دو آنکھیں۔

یہ دعویٰ کتنا حوصلہ افزاء' پسندیدہ' دلچسپ اور لائق داد وتحسین ہے لیکن اگر یہ عملاً بھی ثابت ہوجائے تو مسلمانان پاکستان کو تمام اعیاد چھوڑ کر اس دن کو استحکام قرآن وسنت کے طور پر منانا چاہیے' حتی ان لوگوں کو بھی جو استحکام پاکستان کا دن مناتے ہیں انہیں اس عید کو چھوڑ کر استحکام قرآن وسنت کا دن منانا چاہیے کیونکہ استحکام قرآن وسنت سے ہی استحکام پاکستان ممکن ہے' استحکام پاکستان سے استحکام قرآن نہیں ہوسکتا۔ اس کے ساتھ ہی تمام فسادی جڑوں کی بیخ کنی ہوجائے گی' ساتھ ہی عام مسلمانوں میں موجود فرقہ واریت سے آزادی اور فرقہ واریت پھیلانے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔

ہم آپ اور دیگر بزرگ علماء وفقہائے عظام سے خاضعانہ التماس کرتے ہیں کہ آپ اپنا یہ دعویٰ موسوعات فقہیہ' جواہر الکلام' لمعہ الدمشقیہ' سلسلہ ینابیع الفقہیہ تالیف علی اصغر مروارید' موسوعہ پچاس جلدی آیت اللہ الخوئی کو سامنے رکھ کر کریں کہ پینتالیس مجلدات فقہی میں کتنی جگہ آیت قرآن اور سنت رسول سے استناد کیا گیا ہے' اسے ذرا سامنے لائیں۔ ان کتابوں میں جہاں انہیں کتاب خدا سے استدلال کرنا چاہیے تھا وہاں بھی انہوں نے روایت بے سند سے استدلال کیا ہے۔

فقہ میں ہزاروں مسائل موجود ہیں' ان میں سے کتنے فیصد پر آپ کتاب اللہ اور سنت رسول سے سند رکھتے ہیں۔ بعض بزرگان نے اس عمل خیر کا تجربہ کرنا چاہا تو مافیا نے ان سے فوراً مرجعیت کا دعویٰ کروادیا تاکہ وہ طوق' تعلیقات وحواشی کتب فقہی میں مصروف رہیں اور احوط' احتیاط اور اقویٰ ان کی گردن میں لٹکتی رہے۔ اگر آپ حضرات مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تو میں آپ کے مراجعین کے ایسے فتاویٰ پیش کروں جو کتاب اللہ اور سنت رسول

کے سراسر خلاف ہیں۔

ایک طرف تو آپ اس کے قرآن وسنت سے ثابت ہونے کا دعویٰ کیا ہے جبکہ دوسری جانب آیت کی تفسیر میں حدیث ضعیف مردود غالی، نصیری اور شیخی سے استدال کرتے ہوئے قرآن میں تحریف کر کے متعہ ثابت کرنے کی کوشش اور سنت کا خاتمہ کیا ہے۔قرآن کریم جو ان کی اصطلاح کے مطابق قطعیہ صدور ہے اسے اخبار واحادیث باطنیہ کی مدد سے جامع الاخبار بنادیا ہے۔

آپ اپنے اس دعویٰ پر ماضی میں کس حد تک قائم رہے ہیں اور مستقبل میں کس حد تک رہیں گے یہ صورتحال واضح نہیں لیکن عملاً آپ فرقے کی خاطر قرآن وسنت کو پیچھے رکھنے کی سنت پر گامزن نظر آتے ہیں۔اس عمل کی بو آپ کے ان دو تصورات سے آتی ہے۔شاید ہم اس نتیجہ گیری میں خطا کار ہوں۔

عقد دائمی اور حقوق زواج کے متعلق مرتب آثار میں، احکام کے متعلق کئی سورے اور آیات قرآن ذکر ہوئیں ہیں لیکن آپ نے صرف کلمہ "اسْتَمْتَعْتُمْ" کو صفین کے جھنڈے پر بلند کیا ہوا ہے۔

جہاں تک سنت سے استدلال کا تعلق ہے تو اس پر بھی ہمارے چند عرائض ہیں۔

۱۔ آپ بار ہا فرما چکے ہیں اور اکثر فرماتے بھی ہیں کہ سنت رسولؐ ہمیں اصحاب سے ملی ہے، جس پر ہمیں شک ہے۔

جیسا کہ سنت رسولؐ کے متعلق بحث کرنے والے دوسرے علماء بھی فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے اس پر عمل کرنا مشکل ہے کیونکہ اس میں اصحاب آتے ہیں۔ہم صرف ان روایات کو قبول کرتے ہیں جو ہمیں آئمہ اہل بیتؑ سے ملی ہیں۔

اس دعویٰ کے باوجود اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہاں جواز متعہ اور اپنا مقصد نکالنے کیلئے صحیح مسلم کی احادیث سے استناد کرتے ہیں۔علما و فقہا ویسے تو ہر جگہ احتیاط کی رٹ لگاتے ہیں اور خود بھی احتیاط کرتے ہیں لیکن جہاں احتیاط کرنی چاہیے تھی وہاں مشکوک السند اور معلوم الغلط سے استناد کرتے ہوئے متعہ کو بھی عقائد میں شامل کر دیا ہے۔جس

سے مزید شکوک پیدا ہوتے ہیں کہ آپ حسن نیت کی بجائے برے عزائم رکھتے ہیں۔

۲۔ ہم اہلسنّت والجماعت سے بھی نہ ختم ہونے والی حیرت اور تعجب رکھتے ہیں۔
انھوں نے بھی یہاں دو کھیل کھیلے ہیں۔

- انھوں نے صرف صاحب صحیح مسلم کی شخصیت کو بچانے کیلئے اس میں وارد روایات کی متن اور سند کو مخدوش قرار نہیں دیا۔ ان کا یہ عمل شریعت کی خاطر نہیں بلکہ مسلم بن حجاج "صاحب مسلم" کی خاطر تھا۔
- اس میں موجود پچیس (۲۵) روایات اصطلاح حدیث میں تواتر سے بھی زیادہ ہیں۔
ہمارے پاس جتنی روایات متواتر ہیں ان کا تواتر اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہے۔
ان روایات کی موجودگی اور انھیں بے سند قرار نہ دینے کے باوجود متعہ کی حرمت کا فتویٰ دینا حیرت انگیز ہے۔

تواتر سے زائد احادیث کے ہوتے ہوئے اہلسنّت نے اسے ناقابل عمل گردانا ہے اور متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ علامہ بزرگوار نے انھیں سے استناد کر کے متعہ کو ثابت کیا ہے۔ پتہ نہیں ان کے علماء کی رد کی ہوئی چیز آپ کو کیسے گوارا ہوئی۔

کتاب کے سرورق پر دو سطر لکھی ہوئی ہیں جو انتہائی پرکشش ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ اہمیت اور تجسس کی بھی حامل ہیں۔ اس میں ایک دعواء کیا گیا جو خوش آئند بھی ہے کہ ہم بھی اپنے مدعی پر کتاب وسنت سے سند رکھتے ہیں۔ جس پر دعویٰ کے ساتھ عمل بھی ہو تو نوے فیصد تنازعات ختم ہو جائیں گے۔

علم، وسعت قلبی اور شرح صدر کا باعث بنتا ہے۔ آپ کی، علم کے متعلق تغنی وترنم کی صدائے دلربا نے بہت سوں کو وہم وگمان میں مبتلا کر کے مدہوش ومغفول کیا ہوا ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ کونسا علم ہے جس کے حصول کے بعد بشر بالغ ہو جاتا ہے، اور نیاز انبیاء ختم ہو جاتی ہے۔

یہ یا تو وہ علم ہے جس کا منادی مارکس ہے جو ہر چیز کا مصدر و مآخذ اقتصاد کو قرار دیتا ہے' جب تک ہاتھ میں چیک' آٹے کی بوری اور چینی کا تھیلا نہ تھمائیں' لوگوں کو دین کی دعوت نہیں

دے سکتے۔ یا وہ علم جس کا اکتشاف فرویڈ نے کیا تھا کہ تمام ترقی و تمدن' اقتصادیات کی انتہاء و آخری منزل جنسی خواہشات ہے' جس کے حصول کیلئے درسگاہوں میں مخلوط تیراکی' کھیل کود ضروری ہے جبکہ دیگر اداروں میں چونکہ مردوں اور عورت کا آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے لہٰذا وہاں نکاح موقت' نکاح سری کئے بغیر انسان کی ترقی اور تمدن کی تکمیل ممکن نہیں۔ یا وہ علم جسے عکاظ میں فروخت کیا جاتا ہے جس کا اشتہار کبھی شاعر اپنے شعر سے' قاری قرائت بہ لحن سے اور عمامہ پوش بے سند روایات سے دیتے ہیں۔ غریب عوام اور اقتصادی لحاظ سے محروم طبقے کیلئے اس کا حصول عنقا بنا ہوا ہے۔ یا اس علم سے مراد مرسلات' مقطوع الاسناد' مجہول کتب والمولفین ہیں' جن کی صحت کی ضمانت خود انہوں نے تمہید میں دی ہے یا بعد میں آنے والوں نے حسن نیات پر مجموعہ کتب تالیف کی ہے۔ انہی مجموعات کے سمندر اور دائرہ میں محصور رکھنے کیلئے بعض کو مخالف سلف صالحین' بعض کو مخالف شیوخ الطائفہ کے نام سے متعارف کیا گیا ہے اور نہ ماننے والوں کی گردن میں معتزلہ' عقل گرا' پرویزی اور وہابی کی تہمت کا طوق ڈال کر گھسیٹتے ہیں۔ یا علم سے مراد نحوی' سیوطی' منطق' ارسطو' اصولی' خراسانی' فلسفہ' صدارتی' یا پھر قرآن و سنت سے عاری کوئی بھی علم ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اللہ نے قرآن میں صرف دین میں غلو کرنے سے منع کیا ہے اور چونکہ علم میں غلو نہیں ہوتا لہٰذا دین پرستی صحیح نہیں' علم پرستی درست ہے۔ ان میں سے وہ کونسے علوم ہیں جن کے سیکھنے کے بعد شرح صدر ہوتا ہے اور اپنے مخالفین کو بھی ہر صورت میں برداشت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

علم وسعت قلبی اور شرح صدر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ دعویٰ ہوا میں زیادہ چلتا ہے جبکہ اس کے پاؤں زمین پر کم ہی ٹکتے ہیں چنانچہ ابلیس جو مدعیٔ علم تھا اس کیلئے آدم کی آمد کی خبر ضیق خناق کا باعث بنی۔ حوزات علمیہ میں اصول فقہ اور علوم عربیہ کے ماہرین فقہا سوال کرنے والوں کو جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے صرف سر ہلاتے ہیں۔ مغرب جو اس وقت دعویٰ علم رکھتا ہے' محمد و قرآن کا نام سن کر سانسیں تنگ ہو جاتی ہیں اور وہ ان کی توہین و تذلیل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے ختم کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ ان کے گماشتے' ان

کوآقا اور ہمیں ان کے غلام کہتے ہیں۔قرآن اور احادیث میں کہیں نہیں آیا کہ علم وسعت صدر لاتا ہے۔

اللہ بعض کے سینے کفر کیلئے کشادہ کر دیتا ہے:

﴿وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (نحل:۱۰۶)

چنانچہ علم والوں کے سینے ہمیشہ الحادی احزاب کیلئے کھلے رہتے ہیں اس لئے قائد ملت کہتے ہیں ہمارے لئے لادینی طاقتیں بہتر ہیں اور مسلمانوں سے اس وقت تک تنگ رہتے ہیں جب تک ان کی منظور شدہ الحادی تنظیموں کے مخالفین کا جینا حرام نہ ہوجائے۔بلتستان کے قائد مرحوم کا سینہ سوشلزم کیلئے ہمیشہ کھلا اور مسلمانوں کیلئے ضیق رہتا تھا جبکہ قرآن کہتا ہے:

﴿فَمَنْ يُرِدِ اللهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ﴾ (انعام:۲۵)

اسی طرح حاضرین قوم وملت کی قیادت کرنے والے علماء نے جب میدان میں آمنے سامنے مسلمانوں کو دیکھا تو انتخابات میں شرکت کو اسلام وکفر کا مسئلہ قرار دیا لیکن جب دو کافر وملحد میدان میں اترے تو کہنے لگے کہ ہمارا غیر جانبدار رہنا وقت کی ضرورت ہے اور بعد میں ان کی حمایت کا اعلان کردیا۔یہاں سوال ہے کہ علم والوں کے سینے کھلے تو رہتے ہیں لیکن کس کیلئے۔

شرح صدر صرف ایمان میں ہے۔

﴿أَفَمَنْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ أُوْلَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (زمر:۲۲)

اگر علم وسعت وشرح صدر کا باعث ہوتا تو اندرون ملک مقتدر علماء اور بیرون ملک حوزات کے جیالے ہمیں شیعیت سے خارج' شیعوں کا پرویز قرار نہ دیتے' اور جنھیں انھوں نے کفر والحاد' گانوں اور فلموں سے متعلق کتابیں تک رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے ان پر ہماری کتابوں کو پڑھنا حرام قرار نہ دیتے۔علماء اعلام ہمیں بھی بولنے لکھنے کی اجازت دیتے جس طرح انہوں نے غالیوں اور نصیریوں کو خرافات پھیلانے کی کھلی اجازت دی رکھی ہے۔

ایک بے حیثیت علوم جدید وقدیم دینی اور دنیاوی میں ناکام، اجتماع میں بدنام، صحیح اردو لکھنے سے قاصر انسان کے چند صفحات دیکھ کر حوزات و مدارس میں مقیم، سروسینہ کوبی کرنے والے ستارہ گان، بیٹھک مراجع میں رہنے والے ان کے نائبین ہماری موت کا انتظار کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابھی تک زندہ ہیں۔

فقیہ ومرجع، محقق عالی حضرت آیت اللہ العظمیٰ خوئی رحمۃ اللہ علیہ

اس کتاب میں پہلا تحقیقی جائزہ عصر حاضر کے فقیہ ومرجع، محقق عالی حضرت آیت اللہ العظمیٰ خوئی طاب ثراہ کی کتاب "البیان فی تفسیر القرآن" سے اقتباس ہے جسے جامعہ اہل بیتؑ کے استاد جلیل القدر علامہ شفا نجفی صاحب نے ترجمہ کیا ہے۔ آیت اللہ کی متعہ کے بارے میں یہ صفحات انتہائی حیرت انگیز اور تعجب آور ہیں کیونکہ انھوں نے بہت سی دیگر مسلمات فرقہ کو بوسیدہ، فرسودہ اور بے بنیاد قرار دیا ہے جو بہت اہمیت کی حامل ہے۔ ان میں سے چند کا ذکر کرنا ضروری ہے:

۱۔ آپ کے عصر قریب میں محدث نوری جیسے محدث نے تحریف قرآن کے بارے میں ایک ضخیم کتاب "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" لکھی۔ اس سے پہلے سید ہاشم بحرانی اور حویزی نے نور الثقلین کے ذریعے تحریف قرآن کریم کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر پیش کیا تھا۔ گرچہ محدث نوری کی کتاب کی مخالفت ہوئی اور انہیں اس پر معذرت بھی کرنی پڑی لیکن علماء آج بھی اسی فکر کے حامی و داعی ہیں۔ اس عقیدہ کو آپ نے اپنی کتاب میں مدلل دلائل سے فرسودہ، بیہودہ، بے بنیاد قرار دے کر اپنے دور میں بہت سوں کو انگشت بہ دنداں کیا۔

۲۔ قرآن میں ناسخ ومنسوخ، علوم قرآن میں ایک بڑا موضوع ہے۔ آپ نے دلائل و براہین کے ذریعے قرآن میں آیات منسوخ کی موجودگی کا سرے سے انکار کیا۔

۳۔ شیعوں کے نزدیک کتاب "اصول اربعہ میۃ" کو ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ آپ "معجم رجال الحدیث" کی پہلی جلد میں لکھتے ہیں: "بزرگوں نے

اگر ایسا کچھ دیکھا ہے تو یہ ان کیلئے درست ہے لیکن ہمارے پاس ایسا کچھ ثابت نہیں ہے کہ ایسی کتاب موجود ہو۔"

۴۔ تفسیر قمی اور تفسیر امام حسن عسکری جو مجامع تفسیر اور فضائل اہل بیتؑ میں ایک بڑا مقام رکھتی ہیں۔ آپ نے ان دونوں کتابوں کے بے سند ہونے اور غالیوں کی اختراع ہونے کا واشگاف الفاظ میں بیان دیا۔

۵۔ علم اصول کو آپ نے نئے دور میں داخل کیا۔ علم رجال میں بڑی بڑی شخصیات جیسے سلیم بن قیس ہلالی، ایان بن عیاش کو افسانہ یا مشکوک قرار دیا اور علم اصول میں نئی جان ڈالی۔

آپ نے بھی سابقہ مجتہدین کی توضیح المسائل اور منہاج الصالحین میں بیان بہت سے فقہی مسائل پر اگر مگر، اقویٰ لگا کر رسالہ عملیہ پُر کیا لیکن متعہ پر پہنچ کر سابقہ علماء کے نقل کو من و عن باقی رکھا۔ علم روایت میں وسیع النظر، وسیع الباع ہوتے ہوئے بھی اس باب میں اپنی طرف سے کوئی اظہار نظر، الاقویٰ، التوقف تک کہنے کیلئے جرأت نہیں کی حالانکہ فقہاء خون بہانے اور نکاح میں احتیاط شدید کے قائل رہے ہیں۔ یہ انتہائی حیرت کی بات ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ بھی کہا جائے کہ جہاں ہمیں آیت اللہ اپنے مزاج کے مطابق ملے وہاں وہ محقق اور نابغہ روزگار بن گئے اور جہاں مزاج کے خلاف نظر آئے تو باعث حیرت ہو گئے۔ ایسی بات بالکل نہیں کیونکہ ہم نے آیت اللہ العظمیٰ کو ان کے اپنے مدعیٰ پر اقامہ شدہ دلائل سے تولا اور ناپا ہے اور جہاں انہوں نے دوسروں کے بیانات پر اکتفاء کر کے اظہار نظر کرنے سے گریز کیا وہاں حیرت اور تعجب کا اظہار بھی کیا ہے۔

نسخ فی شریعہ الاسلامیہ

آیت اللہ خوئی، البیان فی تفسیر القرآن ص ۳۰۳ پر نسخ کی تین تصاویر پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تلاوت منسوخ جبکہ حکم باقی ہے۔ اس صورت کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خبر واحد سے نسخ ثابت نہیں ہوتی۔

۲۔ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہیں یہ بھی پہلے کی طرح باطل ہے کیونکہ یہاں بھی اخبار احاد ہے۔

۳۔ حکم منسوخ ہوا لیکن تلاوت اپنی جگہ باقی ہے۔

اس کی تین صورتیں پیش کی ہیں۔

- احادیث متواترہ سے منسوخ ہوا ہے۔
- ایک آیت دوسری آیت پر ناظر ہے اسی لئے اسے منسوخ کہتے ہیں۔
- ایک آیت دوسری آیت سے متصادم اور منافی ہے۔اسی تصویر میں عدم تدبر وتفکر کی بو آتی ہے۔

جہاں تک آیت اللہ خوئی کی بات ہے انہوں نے اپنی بحث منسوخیت آیات کی مناسبت سے آیت " فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ "کو غیر منسوخ قرار دیا ہے۔اور جہاں تک متعہ کا مسئلہ ہے تو انہوں نے اس آیت سے استدلال کرنے سے گریز کرتے ہوئے زیادہ توجہ اور اعتماد روایات پر کیا ہے' لیکن روایات کی سند پر تحقیق کا ذکر تک نہیں کیا۔اگر روایات ضعیف قرار پائیں گی تو ان کی ساری بحث ادھوری رہ جائے گی۔

شیخ علی توحیدی

دوسری ہستی بلتستان میں علوم جدید وقدیم اور دینی ودنیوی کے جامع' وکالت کی سند حاصل کرنے والے' درس خارج سے فارغ التحصیل' بانی وسرپرست جامعۃ النجف (جہاں طلاب کو علوم عربیہ کے ساتھ ساتھ علوم جدید' سماجیات' سیاسیات اور شعرگوئی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے) جناب علامہ شیخ محمد علی توحیدی صاحب ہیں۔جامع علمین ہونے کے ناطے بہت سوں کی امیدیں آپ سے وابستہ تھیں لیکن نجانے کیوں آپ نے روشن خیالی' دوربینی اور ترویج دین میں صرف فرقہ نوربخشیہ کے ٹولے کو اپنی طرف کھینچنا' مدرسہ دینی کے طالبعلموں کی مدارس مروجہ کے امتحان میں مدد' قرآن اور سنت سے دور رکھنے والی علوم اور روشن خیالوں کی حوصلہ افزائی' خود کو روشن خیال دکھانے اور میدان سیاست میں مسلمانوں کو ناراض کر کے الحادی

طاقتوں کو خوش رکھنے کی حد تک محدود ہے۔

آپ اس موضوع پر خود کتاب تالیف کرنے کی صلاحیت واہلیت کے ساتھ وسائل بھی رکھتے تھے لیکن معلوم نہیں، آپ نے کیوں گانے سے بدتر، بواشاہ عباس کے قصائد کی ترویج کو مقدم رکھا اور مجہول النسب کتاب و مضمون کو ترجمہ کرنا پسند فرمایا۔ شاید اس پر ہونے والے ممکنہ اعتراضات سے جان چھڑانا چاہتے ہوں گے۔

علامہ بزرگوار توحیدی نے کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے یا کسی کے مضمون کا واضح نہیں ہوسکا۔ آپ نے اسی طرح اپنے مضمون کا آغاز کیا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے نکاح کی دوقسمیں ہیں:

۱۔ دائمی نکاح: یہ شادی کی افضل شرعی صورت ہے۔ یہ نکاح کی اصلی اور بنیادی نوعیت کا شرعی حکم ہے۔

معلوم نہیں کہ صاحب مضمون نے علامہ بزرگوار حر عاملی کے خلاف نکاح دائمی کو متعہ سے افضل قرار دینے کی کیسے جرأت کی؟

پھر لکھتے ہیں:

۲۔ متعہ (یعنی عارضی نکاح): یہ معاشرے کو زنا کی پستی میں گرنے سے بچانے کیلئے وضع کردہ حفاظتی ڈھال ہے۔ اس نکاح کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے، جب دائمی شادی ممکن نہ ہو یا ممکن تو ہو لیکن شرعی و عقلی ضروریات کی بنا پر اس (متعہ) کی حاجت پیش آئے۔

دائمی نکاح اور عارضی نکاح (متعہ) کی ماہیت اس لحاظ سے یکساں ہے کہ ان دونوں کے ذریعے جنسی خواہشات کی تکمیل حلال طریقے سے ہوتی ہے، نسل اور نسب کی حفاظت ہوتی ہے، نسل ونسب میں خلط واقع نہیں ہوتا نیز معاشرے میں عفت و پاکدامنی اور عزت و شرف کا معیار قائم رہتا ہے۔

البتہ ایک اور جہت سے ان دونوں میں کچھ فرق موجود ہے جو نکاح کی ماہیت کے منافی نہیں۔ عارضی نکاح (متعہ) میں بھی دائمی نکاح کی طرح عقد، مہر اور عدت ضروری ہیں

لیکن نکاح کی مدت معین ہوتی ہے نیز متعہ میراث اور نفقہ کا موجب نہیں بنتا۔ جس کی تفصیل علامہ بزرگوار نجفی اور حسینی نے فرمائی ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

شادی کی یہ قسم کتاب وسنت کے صریح بیانات کی رو سے شرعاً ثابت ہے۔ کسی مسلمان کو اس حقیقت سے انکار نہیں کہ متعہ عہد رسولؐ میں جائز اور شرعی عمل تھا۔ متعہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن خطابؓ نے اس سے منع کیا اور اس پر سزا کا اعلان کیا چنانچہ مذہب خلفاء نے اسی حکم کو اپنایا۔ ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اصحاب کا عمل حجت ہے۔ جبکہ بعض لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے متعہ پر پابندی گویا اس شرعی حکم کے منسوخ ہونے کا موجب ہے۔

پھر آگے رقمطراز ہیں۔

اہل قبلہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح (متعہ) کو دین اسلام میں جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ اسلامی مذاہب اپنے تمام تر باہمی اختلافات کے باوجود اس مسئلے میں کسی قسم کا اختلاف اور شک نہیں رکھتے کہ یہ نکاح عصر رسولؐ میں جائز تھا بلکہ بنیادی طور پر اس نکاح کی حلیت کا مسئلہ ضروریات دین (مسلمات) میں شامل ہے۔ قرآن کریم کی آیت اس کی حلیت پر گواہ ہے۔ اسی طرح اس نکاح کی حلیت کے بارے میں موجود احادیث بھی متواتر ہیں۔ یہ تواتر ان لوگوں کے ہاں بھی ثابت ہے جو اس حکم کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ "جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہے، ان کے طے شدہ مہر کو بطور فرض ادا کرو۔" (نساء:۲۴)

اس بیان کے بعد مولف لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں اس حکم کے منسوخ ہونے کے بارے میں موجود نظریات کا باہمی اختلاف بذات خود نسخ کے باطل ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

زمانہ نسخ کے بارے میں ان حضرات کے اختلاف سے ہمارے نظریے کی مزید تائید

ہوتی ہے۔اس اختلاف کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلاقول: جس سال جنگ خیبر کاواقعہ رونما ہوااسی سال رسولؐ نے حکم متعہ منسوخ کیا۔

دوسراقول: جس سال مکہ فتح ہوااس سال اس سے منع کیا گیا۔

تیسراقول: متعہ حلال تھااور غزوۂ تبوک میں رسول اللہؐ نے اس سے منع فرمایا۔

چوتھاقول: حجۃ الوداع کے موقع پراسے حلال قرار دیا گیا' پھراس سے منع کیا گیا۔

پانچواں قول: پہلی دفعہ اسے حلال قرار دیئے جانے کے بعد متعہ کاحکم منسوخ ہوا۔اس کے بعد پھر حلال قرار پایااور دوبارہ منسوخ ہوا۔اس کے بعد پھر حلال ہوااور تیسری دفعہ منسوخ ہوا۔

ان کے علاوہ اور بھی اقوال ملتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ کی حلیت کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔ان قرائن میں سب سے اہم قرینہ' نسخ کے بارے میں پائے جانے والے دعوؤں کا باہمی اختلاف ہے۔یہاں تک کہ مسلم نے صحیح مسلم میں باب متعہ کا عنوان ہی کچھ یوں رکھاہے:

باب نكاح المتعه و بيان أنه أبيح ثم نسخ ثم أبيح ثم نسخ و استقر تحريمه الى يوم القيامة

(صحیح مسلم۲:۱۳۰، دارالفکر۔بیروت)

قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عربی کا یہ قول نقل کیا ہے: یہ حکم دودفعہ منسوخ ہوا۔

❀ ❀ ❀ ❀ ❀

عقد متعہ' نکاح جائز ہے یا حرام' اس حکم سے آشنا' ہونے کیلئے ایک تمہید کی ضرورت ہے۔دین اسلام میں محرمات نکاح کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں جن سے شریعت نے نکاح حرام قرار دیاہے: محرمات نسبی' محرمات رضاعی اور محرمات سسرالی۔

قرآن کریم میں محرمات نسب کے سات گروہ کا ذکر کیا گیا ہے۔اس طرح محرمات رضاعی کے بھی سات گروہ کا ذکر ہے اس میں ماں اصل لیکن اخوت فرعی ہیں۔محرمات سببی یعنی سسرالی کے ذریعے حرام ہونے والے گروہ چار ہیں۔

۱۔ باپ کی منکوحہ

۲۔ بیٹے کی منکوحہ

۳۔ زوجہ کی ماں

۴۔ زوجہ کی بیٹی

محرمات موقت میں بعض خواتین سے حرمت نکاح ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ مخصوص وقت کیلئے ہے۔وقت گزرنے کے بعد حرمت ختم ہو جاتی ہے۔

۱۔ دو بہنوں کو جمع کرنا۔بہن اور اس کی خالہ دونوں کو زوجہ نہیں بنا سکتے ہیں اس کی حرمت وہی ہے جو اقارب میں بیان ہوئی ہے یہاں حرمت کی مدت مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد ختم ہو جاتی ہے تب ان میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح جائز ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسروں کی بیویاں یا ان کی مطلقہ جو عدہ میں ہیں ان کی حرمت کے بارے میں آیہ کریمہ ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ہے۔

علامہ توحیدی سے استفسار

اب ہم وضاحت کیلئے ان سے استفسار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ متعہ اور دائم کی تقسیم کس آیت کریمہ کے تحت ہے اور دونوں کا مقسم کیا ہے؟ کیا اس کا مقسم جنس ہے: جس طرح حیوان کے اندر مختلف نوع جیسے انسان، پرندے، حلال وحرام گوشت، درندے، چرندے ہیں ان میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔نکاح میں بھی عمل جنس ہے، جس کے مختلف مصادیق ہیں۔اس میں تمام انواع عمل جنسی جاہلیت قدیم وجدید شامل ہیں: مخادنۃ، استبضاع، مسیار، سری اس کی شاخیں ہیں لیکن اس میں ایک نئی قسم جو دور جاہلیت میں نہیں تھی متعہ ہے۔ دور جاہلیت میں رائج افراغِ جنسیات کے مصادیق میں لواط واستمنا بھی شامل ہے۔قرآن اور سنت معتبرہ نے نکاح میں بھی عمل جنسی کی دو قسم بتائی ہیں۔

نکاح شرعی۔نص جائز

نکاح غیر شرعی۔ناجائز

قرآن کریم میں محرمات جنسی کے تمام مصادیق یکجا بیان کر کے صرف ایک نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے لہٰذا آخر میں فرمایا: نکاح عمل جنسی کے دو ہی مصداق ہیں: حصان یا سفاح۔

یہ دونوں ایک نوع کے اندر ہیں جیسے انسان کے اندر مرد وعورت دو جنس ہیں، دونوں کی ضروریات، تقاضے، چاہت، لوازمات سب برابر ہیں، ایک چیز دوسری سے مختلف نہیں۔متعہ کے امتیازات سے پتہ چلتا ہے یہ دونوں ایک نوع کے دو فرد نہیں چونکہ دونوں کے تقاضے، ضروریات لوازمات مختلف ہیں۔

۱۔ یہاں مقسم نکاح ہے۔نکاح عمل جنسی کو کہتے ہیں۔

۲۔ جاہلیت قدیم اور جدید میں ادیان و مذاہب باطلہ کے پاس انواع واقسام کے جنسی عمل تھے۔قرآن نے ان تمام اقسام کو مردود قرار دے کر صرف زواج مادام الحیاۃ اور ناقابل جدائی کو باقی رکھا ہے جسے زواج کہتے ہیں۔کلمہ زواج میں مادام الحیاۃ اس کی دلالت نعمتی ہے، لہٰذا کہیں بھی اس کیلئے کسی قرینہ کی قید نہیں لگائی گئی ہے۔مندرجہ ذیل آیات میں کلمہ نکاح تکرار ہوا ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَ لَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ وَ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

(بقرہ:۲۳۰تا۲۳۲)

﴿وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيمًا﴾ (احزاب:۵۳)

﴿وَ يَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنكِحُوهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ (نساء:۱۲۷)

﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَ آتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نساء:۲۵)

ان آیات میں جائز اور ناجائز منکوحات کو جدا جدا بیان کیا گیا ہے جبکہ زوج کہیں تقسیم نہیں ہوا ہے۔ ان آیات کو ملاحظہ کرنے کے بعد نکاح کی صرف ایک صنف باقی رہتی ہے جسے آپ زواج کہہ سکتے ہیں؛ جبکہ کلمہ زواج کے ساتھ کسی بھی جگہ دائم اور متعہ، موقت ذکر نہیں ہوا سوائے آپ حضرات کی تالیفات کے۔

متعہ، ایک ضرورت ناگزیر

فرویڈ تعلیمات پر چلنے والے فرقہ ضالہ تنسیخ شریعت اسلام کے داعیان اور دین دشمنان بنام دوستداران اہل بیت اسے ایک انسانی ضرورت قرار دے کر فروغ دے رہے ہیں۔

کہتے ہیں: یہ انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے۔ اس موضوع پر علامہ سید محمد علی حسینی لبنانی نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں وہ لکھتے ہین کہ جنسی خواہشات ایک انسانی، فطری غریزہ اور زندگی کے تسلسل میں سے ایک ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ۔ اکثر و بیشتر انسان اس کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتے اور اس سے محرومی، درد، الم اور جسمانی ونفسانی مشکلات کا

سبب بنتی ہے اور آخر میں انسان اجتماعی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔

اسلام محمدی دین فطرت ہے۔ اس نے انسان کے اندر پائی جانے والی اس طاقت کا اعتراف کیا اور اس کیلئے ایک نظام وضع کیا ہے تاکہ اوامر الٰہی اور اس فطری نظام میں تصادم نہ ہو۔ پھر اسلام نے اس غریزہ پر چلنے کا راستہ دکھایا اس کی دعوت دی اور اس راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کیا۔ اس طریقہ زواج سے فرد اور مجتمع کو سکون ملتا ہے چنانچہ سورۂ نساء میں آیا ہے ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾

علماء اور دانشوروں سے استفسار ہے کیا انسان کے اندر پنہاں فطرت کے ظاہر ہونے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے اسے آزاد چھوڑنا چاہیے جیسے فرویڈ اور برٹرینڈ رسل کہتے ہیں اور بعض علماء بھی قرآن وسنت سے دلیل نہ ملنے کی صورت میں انہی مغربی مفکروں سے استناد کرتے ہیں۔ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو اسے دیگر فطریات کسب مال اقتدار طلبی میں بھی آزاد ہونا چاہیے اور اگر اسے بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بعثت انبیاء اور نزول کتب آسمانی لغو قرار پائیں گی۔

داعیان متعہ

متعہ کے رواج وفروغ اور اسے رائج کرنے کیلئے دیوانگی کی حد تک سر توڑ کوشش کرنے والوں نے اس کی فضیلت ومناقب اور حسن وافادیت کو ثابت کرنے کیلئے بحث میں بہت ہاتھ پیر مارے ہیں۔ اور اس کیلئے قرآن کریم سنت نبویؐ سے متصادم ومتعارض احادیث کے سائے میں فتاوی جعل کئے ہیں۔ ہم یہاں پر اس سلسلے کی چند احادیث وفتاوی پیش کرتے ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں یہ ایک رحمت الٰہی ہے جس سے اللہ نے آدمؑ سے خاتمؐ تک کسی کو نہیں نوازا۔ صرف امت محمدؐ کو یہ اعزاز حاصل ہے۔
۲۔ کہتے ہیں یہ آئمہؑ کی طرف سے شیعوں کیلئے تحفہ ہے۔
۳۔ علمائے بلتستان کا اپنے علاقے کیلئے ایک تحفہ ہے۔

علمائے بلتستان نے مقامی لوگوں کو اس سلسلے میں دو تحفے عنایت کئے ہیں۔

❁ مردوں کو عورتوں کے ہر قسم کے حقوق وواجبات اور ذمہ داری سے خالی و عاری کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے بھرپور استفادہ کیلئے انھوں نے زواج متعہ کی سفارش اور اس کی افضلیت کے دلائل پیش کئے ہیں۔اس سے علاقے کی وہ خواتین جو نکاح موقت کے ذریعے زوجیت میں آتی تھیں وہ مدت ختم ہونے' مدت بخشنے یا شوہر کے مرنے کے بعد دست خالی اپنے گھر واپس آجاتی۔ یہ عنایت علمائے بلتستان کا تحفہ ہے۔

❁ نوزائیدہ یا نابالغ لڑکیوں کو ہرالٹے سیدھے اور گھر میں آمد و رفت رکھنے والوں سے باپ کی ولایت سے نکاح پڑھانے کے بعد اس کی ماں سے کھلے گھل ملنے اور باتکلف گزارنے کی اجازت دیتے ہیں۔نابالغ لڑکی سے عقد کے بعد اس کی ماں حلال ہوتی ہے یا نہیں؟ باپ کو اپنی نابالغ لڑکی کا کسی سے عقد کرانے کی اجازت کی سند کیا ہے؟ اس پر کس آئمہؑ نے عمل کیا ہے؟ اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔

شاید آپ حضرات اس طرح کی عمل جنسی کو وسعت دینے کی بات کر رہے ہیں جس کے دائرے تنگ وضیق ہونے کی وجہ سے روشن خیال' کفر والحاد اور فرقہ باطلہ کے نمائندے پریشان حال ہیں۔آپ ان کی خوشنودی کی خاطر اسے کبھی زواج ہمیشگی کی نسبت' کبھی زیادہ اجر و ثواب کا حامل اور کبھی اہل بیتؑ کا تحفہ اور کبھی قلم گھما کر اگر مگر، اقوی، احتیاط، احوط، جائز کا عندیہ دیتے ہیں۔

زواج زندگی کی خاطر ہے' اس کا دائرہ محدود ہے۔اگر اس میں وسعت کی گنجائش ہوتی تو چار شادیوں سے زیادہ کرنے سے منع کیوں کیا گیا ہے۔

جو شرائط خصوصیات امتیازات متعہ کیلئے بیان ہوئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد زواج سے مختلف الحقیقۃ ہیں۔

قرآن میں کلمہ دائمہ نہیں بلکہ کلمہ زواج ہے۔زواج میں آنے کے بعد ایک دوسرے پر

حقوق، ذمہ داریاں اور مسئولیت بھی بیان کی گئی ہیں جو زوج و زوجہ کی بنیاد پر ہے نہ کہ دائمہ کے حوالے سے جو شریعت کے ساتھ عقل اور فطرت سے بھی ہم آہنگ ہے۔ لیکن ایک ایسا زواج جو تمام حقوق و مسؤلیت سے خالی و عاری ہو جس میں نفقہ، ارث وغیرہ کا کوئی ذکر نہ ہو اور ہر قسم کی حقوق سے بے بہرہ، صرف جنسی خواہشات میں ایک دوسرے کے تابع ہو، اسے لاقانونی جنسی عمل کہنا زیادہ مناسب ہے۔

یہ کہنا کہ ارث نہ ملنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کی فرسودگی اور بیہودگی کی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ زوجہ کافرہ و قاتلہ کو بھی ارث نہیں ملتا۔ ایسی منکر، قاتلہ و کافرہ زواج کو ملت و فرقے کی شناخت قرار دینا، ارباب فکرو دانش کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

معلوم نہیں انہوں (مترجم) نے کس کتاب کا ترجمہ کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ اسلام میں زواج کی دو قسمیں ہیں۔

علامہ بزرگوار شیخ محسن علی نجفی حفظہ اللہ تعالیٰ
عمید جامعہ اہل بیتؑ اور صاحب تفسیر الکوثر

اس کتاب میں ان کے صفحات کے بارے میں کچھ نگارشات پیش کرنے سے بقول بعض علماء دفع دہم تو ہم کیلئے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں کسی بھی عالم دین، دانشمند یا تنظیم سے ذاتی اختلاف نہیں رکھتا ہوں کلا ثم کلا جو بھی ان مسائل کو اس طرف کھینچتا ہے وہ مغرض ہے۔ میں ان کی شخصیت، علم وایمان اور قابلیت کا معترف ہوں۔ وہ ہمارے ملک کے بڑے جید، ممتاز، صاحب صلاحیت و قابلیت کے حامل عالم دین ہیں۔ ہمیں ان سے اپنی ذات کے حوالے سے نہیں بلکہ حد سے ماوراء قابلیت اور صلاحیت کے ہوتے ہوئے دین وملت کے وسیع مفاد میں کوتاہی کی شکایت ہے۔ آپ نے نمائندہ مراجع وقت کی نیابت کو چھوٹا سمجھ کر ایدھی اور شیخ حسن کی سیرت کو اپنایا ہے، جس سے دینی خدمت کا جذبہ رکھنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے، یہی شکایت دیگر جید علماء و دانشمندوں سے بھی ہے۔

موسسہ البلاغ المبین کے موسس بنیاد گزار اور ہمارے ملک میں اعلیٰ اور جانی پہچانی

شخصیت علامہ شیخ محسن علی نجفی صاحب تفسیر الکوثر ہیں۔آپ نے آیت محرمات نسبی وسببی کی ذیلی آیت ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ﴾ سے جواز متعہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔علامہ موصوف بھی تاریخ کے ان بزرگان میں شامل ہیں جو تمام وسائل فکری' مادی' اجتماعی اور وسائل وذرائع تحقیق کے ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ خرافات فروشوں کی معاونت' حوصلہ افزائی اور تکریم وتوقیر میں مصروف رہے ہیں۔

جناب عالی نے اکاذب فروش ذاکروں کیلئے جلیل القدر خدمات پیش کی ہیں۔بواشاہ عباس کے گانے سے بدتر نام نہاد قصائد جو کفر وشرک سے پُر ہیں' انہیں رواج اور فروغ دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔اسی طرح انہوں نے قرآن کریم کا ایک معیاری ترجمہ پیش کرنے کے بعد اس کے حاشیے میں غالیوں کی تفاسیر سے اقتباسات نقل کر کے اہل غلو سے اپنی گرائش کا عندیہ دیا ہے تا کہ نصیریوں کی ولاء شامل حال رہے' جو نص قرآن وسنت سے متصادم ہیں۔

شاید آپ اور آپ کے بعض شیدائیوں اور مریدوں کیلئے یہ عمل آپ کی ستائش میں شامل ہو چونکہ انسان کے کسی چیز سے محبت کرنے کے بعد اس کی بیہودہ' بدصورت وبدشکل چیزیں بھی اسے مصلحت نظر آتی ہیں جبکہ اکثر شیدائیوں کا تو مذہب ہی نہیں ہوتا ہے' وہ روٹی روزانہ کے نرخ پر کھاتے ہیں' ان کی سیرت اور وطیرہ برائیوں کو اچھا کہہ کر پیش کرنا ہوتا ہے۔لیکن ہمارا مذہب کہتا ہے کہ ہر انسان ذی صلاحیت واہلیت کی توانائیاں اہل اسلام کی سربلندی کیلئے صرف ہوں۔آپ نے فکر غیر محدود کو فرقہ محدود میں محصور کر لیا ہے اسی یہ فکر بھی محدود ہو گئی ہے۔آپ نے متعہ کی حمایت اور دفاع کرتے ہوئے عقد دائم اور متعہ کے مشترکات و مفارقات بیان فرمائے ہیں جنہیں ہم یہاں بیان کریں گے۔

عقد دائمی اور متعہ کے درمیان مشترکات

اسے ہم ''نکاح موقت ایک تحقیقی جائزہ'' سے نقل کر رہے ہیں جس میں یہ ''الکوثر فی تفسیر القرآن'' سے نقل کیا گیا ہے۔

علامہ محسن نجفی نے پہلے مرحلے میں قرآن وسنت سے ثابت زواج کی ایک شقیقہ بنام متعہ ضریز زواج اسلامی کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے ان دونوں عقود میں مشترکات بیان فرمائے ہیں جسے علامہ حسینی لبنانی نے بھی مشترکات ومفارقات کے عنوان سے پیش کیا ہے۔ ان مشترکات سے جو چیز واضح ہوتی ہے وہ وہی جنسی خواہشات ہیں جو مرد' عورت عندالضرورت تمام حقوق سے دستبردار ہوکر انجام دیتے ہیں۔ اس اشتراک کی اہمیت کی طرف علامہ توحیدی نے بھی توجہ دلائی ہے۔ ذیل میں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

فوارق وامتیازات متعہ

علمائے اعلام' امثال علامہ حسین لبنانی اور تحفہ اہل بیتؑ کے اساتید ذی قدر حضرات کا کہنا ہے کہ زواج متعہ عقد دائم سے چندان فرق اور امتیازات نہیں رکھتا بلکہ بنیاد حقوق میں دونوں یکساں ہیں' جسے ہم مشترکات عقد دائم وموقت کہیں گے۔

علامہ بزرگوار نے عقد موقت اور دائمی کے درمیان بہت سے مشترکات بیان فرمائے ہیں۔ یعنی متعہ والی عورت بھی دائمی جیسی حصار حصانت' حق مہر' عدہ اور اولاد کے الحاق میں برابر ہے۔ معلوم نہیں آپ نے کون سے متعہ کو مدنظر رکھا ہے کیونکہ ہمارے ہاں متعہ والی عورتوں کی دو مثالیں ہیں۔

۱۔ بلتستان میں انجام پانے والے متعہ کی شادیاں ہیں۔ جہاں عورت اعلانیہ طور پر عزیز واقارب کے قافلے میں احترام وتکریم کے ساتھ شوہر کے گھر جاتی ہے۔ یہاں حصار حصانت کے ساتھ گھر کے مزدور وملازم' کھانا اور لباس کے علاوہ اولاد کا بھی الحاق ہوتا ہے۔ اس میں شک وتردید کرنے والے کو مکا دکھایا جاسکتا ہے لیکن عورت اس کے علاوہ باقی تمام حقوق محترمانہ سے محروم ہے۔

۲۔ وہ متعہ جو بعض دانشگاہوں اور جامعات میں طالب علموں کی سہولیات کی خاطر روشن خیالان بے چین کرتے ہیں یا بعض آخوند' علماء حضرات بمعہ ان کے مروج حاجیان مخفی و پوشیدہ کرتے ہیں۔ کیا وہ بھی حصار حصانت میں ہوتا ہے؟ اسے

یکا یک بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

۞ حق حصانت دراصل حق نہیں بلکہ اسے حق طبیعی کہا جاسکتا ہے کیونکہ حقوق اسے کہا جاتا ہے جس کے نہ ملنے کی صورت میں محاکم شرعی سے رجوع کیا جاسکے۔ حصار حصانت اس میں شامل نہیں، یہ طبیعی امور میں آتی ہے۔ اگر زانی اور زانیہ باہم ہوں تو وہاں بھی اس وقت وہ اپنی چہیتے کی حصار میں ہوتی ہے۔ اور زوجہ نکاح موقت شوہر کے گھر میں نہیں تو وہ حصار میں نہیں ہوتی۔

شادی ہونے کے بعد عورت، مرد کے تحفظ میں آجاتی ہے۔ اسے کوئی خیانت والی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ بھلا متعہ میں کیسی حصانت ہے جہاں دونوں الگ الگ رہتے ہیں، خاص کر آج کل متعہ پر یہ کہہ کر زور دیا جاتا ہے کہ یہ کالج اور یونیورسٹیوں کے طالبعلموں کیلئے ضروری ہے۔ جہاں لڑکے، لڑکیاں ایک دوسرے سے مکالمہ کرتے ہیں، دونوں گاڑی میں ساتھ بیٹھتے ہیں پھر الگ ہوجاتے ہیں۔ کیا یہاں حصانت کی کوئی مثال ملتی ہے؟ کیا کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والوں کیلئے متعہ کی کوئی رجسٹریشن ہوتی ہے۔

بلتستان سے شادی کر کے آنے والی عورتیں حصار حصانت میں ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کیا یہ حصار حصانت کالج، یونیورسٹیوں، دفتر، حاجیوں اور بعض ملاؤں کی طرح چھپ چھپ کر کرنے والی متعہ میں بھی ہوتی ہے۔ کیا وہاں بھی یہ حصار حصانت پائی جاتی ہے؟

۞ عقد زواج موقت میں مہر رکن عقد ہے، اگر اس میں خلل پیدا ہوجائے تو عقد باطل ہوجاتا ہے گویا آپ کی نظر میں عقد دائمی میں مہر رکن نہیں، جہاں آپ نے مہر کو شناخت متعہ قرار دیا ہے۔ علامہ نجفی نے یہاں کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ مہر کی مقدار کتنی ہونی چاہیے شاید ان کی نظر میں احادیث واردہ کے مطابق بہتر ہے کم سے کم ہو جیسے ایک کمبل، ایک چادر، آدھا کلو یا ایک کلو چینی، ایک پاؤ چائے کافی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ علامہ نجفی اور دیگر جدت پسند فقہاء عقد دائم میں حق صداق کو تحفہ شوہر گردانتے ہیں لیکن اگر زوجہ متعہ مدت ختم ہونے سے پہلے

رابطہ ختم ہو جائے تو مہر یہ اسی تناسب سے کم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک ماہ کے متعہ کیلئے مہر ۱۰۰ روپیہ رکھا ہو اور پندرہ دن بعد عورت عقد ختم کرنا چاہے تو پچاس روپیہ مہر یہ بنے گا۔ اسے رکن عقد کہہ کر متعہ والی عورت کا تحفظ فرمایا۔

مفارقات نکاحین

یہ دو اقسام نکاح جن چیزوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ زوجہ متعہ ارث نہ لیتی ہے نہ دیتی ہے۔ (قرآن نے ارث کو زوج و زوجہ کی بنیاد پر قائم کیا ہے' اور زوجہ کیلئے دائمی یا غیر دائمی کا لفظ استعمال نہیں کیا لہٰذا جب ارث نہیں تو زوجہ بھی نہیں اور اگر زوجہ ہو تو ارث ہونا ضروری ہے)

۲۔ وہ کتنی ہی بیچاری لاوارث کیوں نہ ہو' حق نفقہ نہیں رکھتی۔ اگر وہ نان نفقہ کی محتاج مند ہو جائے تو کیا وہ شوہر کی ملازمت و نوکری کرے یا این جی اوز میں بھرتی ہو جائے۔ قرآن میں نفقہ کا ذکر زوجہ کی نام سے آیا ہے۔

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (نساء:۳۴)

۳۔ طلاق کی ضرورت نہیں۔ وہ مدت ختم ہونے یا بخشنے سے رخصت ہو جاتی ہے۔ ان عورتوں کی کوئی عزت' احترام اور تکریم نہیں کوئی بھی چاہے انھیں اگلے دن کان پکڑ کر گھر سے نکال دے۔

۴۔ کنواری لڑکی سے متعہ کرنا کراہت ہے۔

۵۔ زوج کا زوجہ متعہ کے ساتھ سونا اور رہنا ضروری نہیں یہ اس کی خواہش اور حاجت کی خاطر تحفہ ہے۔

۶۔ متعہ کی کوئی حد نہیں جتنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں نبی کریم کیلئے ۱۰ اور امت کیلئے صرف ۴ تک کی اجازت ہے۔ گویا روایاتِ متعہ حکم قرآن کو منسوخ کر سکتی ہیں جبکہ آیت اللہ خوئی نے روایات سے قرآن کی تنسیخ کو مسترد کیا ہے۔ تعدد

زوجات بہ چہار' امت میں جنسی خواہشات کولگام دینے کی خاطر ہے' اس حوالے سے متعہ فلسفہ اسلام کے خلاف ہے۔ یہ دشمنان اسلام کا ساختہ ہے' اس ترمیم کی تعبیر ہاتھ میں چھٹی انگلی جیسی ہے۔ (اس سے فائدہ مرد کو ہوا ہے یا عورتوں کو یا دین وملت کو؟)

ولی کی اجازت

ولی کی اجازت کے بارے میں حق وانصاف کے ساتھ یہ کہنا پڑے گا کہ آپ نے سورۂ نساء کی آیت ۲۵ سے استناد کرتے ہوئے ولی کی اجازت کو ضروری گردانا ہے جبکہ فقہاء نے یہ اجازت تنہا کنواری لڑکی تک محدود رکھی ہے بلکہ اگر لڑکی کی نیاز شادی ہے تو اجازت بھی ضروری نہیں۔ ثبیہ کیلئے اجازت کی نفی کی گئی ہے لیکن ان سے سوال یہ ہے کہ یہ تفریق کہاں سے نکلی ہے کہ کنواری کیلئے اجازت ضروری ہے جبکہ ثبیہ کیلئے ضروری نہیں۔ کیا آپ اس کی نشاندہی فرما سکتے ہیں؟ کالج' یونیورسٹیوں اور ہیرا منڈی میں ہونے والا متعہ بھی کیا ولی کی اجازت سے ہوتا ہے۔

متعہ اور حق مہر

آپ نے بڑی جرأت اور اعزاز وافتخار کے ساتھ فرمایا کہ متعہ میں مہر ضروری ہے' اس سلسلے میں آپ سے چند سوال ہیں؛

۱۔ کیا زنا میں اجرت اور معاوضہ نہیں ہوتا؟ کیا کچھ رقم دے دینا اسے زنا سے ممتاز کردیتا ہے؟

۲۔ کیا عقد دائم میں مہر نہیں ہوتا؟

۳۔ اگر کوئی مہر دیتا بھی ہے تو کتنا دیتا ہے؟ اگر شرمندگی محسوس نہ ہو تو وسائل کے باب متعہ میں حق مہر ملاحظہ فرمائیں۔ عورتوں کے حق میں کی جانے والے جنایت دیکھ کر شاید احساس شرمندگی ہو جائے۔

۴۔ کیا مہر کے بارے میں وارد آیات' سیرت نبی کریمؐ' اصحاب وآئمہ اور ہمارے ہاں

رائج حق مہر میں کوئی تناسب ہے۔حق مہر کی کوئی جامع تعبیر ہے جسے ہر جگہ اور ہر دور میں رائج کیا جاسکے؟

ملاحظہ کریں: یہ لفظ لغت عربی کی بجائے فارس کی زبان پہلوی سے لیا گیا ہے۔جس کے معنی محبت اور دل کی چاہت وغیرہ کیا گیا ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ محبت کی نشانی ہے۔اسی کو بنیاد بنا کر مہر کو کم سے کم مقرر کرنے کیلئے کہا ہے یعنی یہ محبت کی نشانی اور علامت ہے۔یہاں سے یہ دونوں معنی سنت نبویؐ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سیرت کے خلاف نظر آتے ہیں۔یہ محبت والفت کی نشانی ہے‘ کسی چیز کا عوض نہیں‘ یہ بات تین لحاظ سے مخدوش ہے۔

۱۔ قرآن نے اس کو اجر کہا ہے۔جو کہ اجرت سے ہے یعنی مقابلہ ومعاوضہ۔

۲۔ قرآن نے فرض کہا ہے۔

۳۔ مہر کے مقابل لفظ افضاء کہا ہے۔﴿وَقَدْ أَفْضَى﴾(نساء:۲۱)

اس کو پیار ومحبت کی نشانی کہنا خودساختی ہے۔یہاں سے زناء کی طرف جھکاؤ نظر آتا ہے کیونکہ نکاح زندگی ایک ساتھ گزارنے کا معاہدہ ہے۔جو معاہدہ عقلائی ہے۔یہ عشق کی بات نہیں ہے جو عقل سے باہر جذبات سے مغلوب ہونے کا نام ہے۔عشق کی بات کرنے والے ثقافت زناء کو فروغ دیتے ہیں۔

کم سے کم مہر یعنی مٹھی بھر گندم‘ ایک رومال‘ ایک قرآن یا ایک دفعہ درود شریف پڑھنا وغیرہ رکھنا یہ بھی ایک غلط بات ہے۔اس سے بھی متعہ کی طرف راستہ کھلتا ہے۔

مہر کے بارے میں وارد روایات میں لفظ مہر کے معنی اور مفہوم سے یہ خدشہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روایات جعلی اور خودساختہ ہیں کیونکہ کلمہ مہر لغت عربی میں موجود نہیں۔لیکن ان روایات میں یہ جن معنوں میں بیان ہوا ہے وہ مہر مہارت سے لیا گیا ہے جو کسی چیز کے عوض دینے کیلئے بولا جاتا ہے۔کیونکہ قرآن نے اس کی مقدار بہت زیادہ بتائی ہے اور لفظ قنطار استعمال ہوا ہے جس کے معنی ڈھیر یا بھرے ہوئے تھیلا کے ہیں‘ اس کا ذکر سورۃ نساء آیت نمبر ۲۰ میں آیا ہے۔جس چیز کو قرآن نے اِتنا زیادہ بتایا ہوا سے بہت زیادہ نیچے لے آنا جیسے

دس لاکھ کو اتنا کم کر دینا کہ اسے ایک مٹھی چاول یا گندم کہنا' یہ کس قسم کا تناسب ہے۔ پیغمبرؐ نے نکاح کیئے اور اصحاب کے بھی عقد ہوئے ہیں ان میں کم سے کم مہر کی مقدار تقریباً ۴۵۰ یا ۵۰۰ درھم رکھی گئی ہے۔

مہر کو قرآن کریم میں سورۂ نساء کی آیت ۲۰ کے تحت آزاد اور غیر محدود رکھا گیا ہے۔ ادھر فرمایا گیا ہے کہ "چمڑا بھر سونا" تو قارئین اندازہ لگائیں کہ یہ کتنا بنتا ہے۔ پیغمبر اور اصحاب کی ازواج و بنات کا مہر یہ اس وقت کے ایک غلام کی قیمت کے برابر تھا۔ اس مہر یہ کو عقد متعہ میں ایک کلو یا مٹھی بھر گندم' ایک چادر' بعض اوقات ایک درود پڑھنا کے برابر گردانا گیا ہے۔ بھلا یہ کوئی فضیلت ہے کہ شریعت نے مہر کی کثرت کی حوصلہ افزائی یا رغبت دلائی ہو اور یہاں کثرت کی مذمت کی جائے۔ کیا یہ حق ادا ہوا ہے؟ کیا مٹھی بھر گندم بھی کوئی حق مہر رکھے گا؟

نوٹ: یہ نتیجہ کہاں سے اخذ کیا ہے کہ اگر تعلقات زوج قائم کرتے وقت مہر یہ معین کرنا بھول جائیں اور بعد میں اختلاف ہو تو علماء فرماتے ہیں کہ مہر' مہر یہ مثل معین ہوگا۔ اور چاہے جتنا کم ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر عورت معینہ عقد سے کم مدت ساتھ رہے یا بالکل ہی ساتھ نہ رہے تو حق مہر یہ میں اسی تناسب سے کمی ہوگی۔ اس کے بالمقابل' عقد دائم میں بقول شیعہ علماء اجتماع سے پہلے جدائی آدھے مہر کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ گویا علامہ نجفی نے اپنی فراست اور ذہانت سے عیب ونقص کو امتیاز اور شناخت قرار دیا ہے۔ یہ صریح آیات قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کریم میں آیہ صداق' آیات اجر' آیات فرض سب اس بات کی واضح و روشن دلیل ہے کہ صداق عقد کا رکن ہے' برغم تجدد پسند فقہاء علماء کے کہ یہ تحفہ اور یہ رمز محبت ہے اگر ایسا ہوتا تو اسے فرض' اجر نہیں کہا جاتا' صداق کو روکنے یا نہ دینے والے کو بہتان عظیم نہیں کہا جاتا۔

﴿وَ إِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَ آتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلاَ تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ (نساء:۲۰)

کیا یہ رکن ہونے کیلئے کافی نہیں ہے۔

۞ مہر اجر ہے۔
﴿وَ آتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (نساء:۲۵)
۞ مہر کو فرض کہا گیا ہے یعنی مقطوع الذکر ہو۔ فرض کے معنی قطع اور طے کے ہیں۔
﴿وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُم فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾
(بقرہ:۲۳۶، ۲۳۷)
۞ مہر اجراء عقد ہوتے ہی ثابت ہو جاتا ہے' مدت پر تقسیم نہیں ہوتا۔ مہر کو اجرت کہا ہے اور عقد کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔
﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (نساء:۲۴)
مہر زمانہ پیغمبرؐ میں اس وقت کی قوت خرید کے مطابق ایک غلام آزاد کرنے اور ایک نفس کی دیت کے برابر تھی۔ اس سے اِس وقت اس کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

عدت

اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ متعہ میں عدت ہے۔
۱۔ کیا مدت عدت زوجہ دائمی کے برابر ہے یا تین قروء کی بجائے دو قروء ہے۔ اس ایک قروء کی کمی کی کیا توجیہ و تفسیر ہے۔
۲۔ اگر متعہ والی عورت عدت نہ کرے تو اسے کیسے پابند کرائیں گے؟
اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ عورت اس حکم کی پاسداری کرے گی۔ بعض علماء جو حوزات میں فقہ کو قرآن وسنت کی رو سے سمجھنے کی بجائے سینہ کوبی' خبر رسانی جیسی مصروفیات میں عمر گزارتے ہیں' ان کا موقف یہ ہے کہ یہ عورت کی ذمہ داری ہے' شریعت نے جو کہنا تھا کہہ دیا اگر کوئی عمل نہ کرے تو شریعت اسکی ذمہ دار نہیں' گویا ان کے پاس نظام زوجین سے متعلق کوئی احکام' ہدایت' طریقہ نفاذ' حدود' تعزیرات نامی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ ان کی شریعت صرف بولنے کی حد تک محدود ہے۔ اس پر عمل' اور اسکے نفاذ کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ان کے اجتہادات ہیں۔

۳۔ زوجہ متعہ کی عدت دو حیض یعنی پینتالیس دن ہے۔ یہ بھی قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں عدۃ تین قرو کو کہا گیا ہے۔(اس سے پتہ چلتا ہے یہ فلسفہ عدت جو قرآن اور سنت میں "ثلاثۃ قروۃ" آیا ہے، وہ زوجہ متعہ کیلئے نہیں ہے)

متعہ میں عدت ہوتی ہے

تعجب کا مقام یہ ہے کہ بعض معاصر حضرات نے نہایت غیر ذمہ داری سے لکھا ہے کہ متعہ میں عدت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم القرآن سورہ مومنون اور ڈاکٹر وھبہ الزجیلی تفسیر منیر ۵:۱۳۔ بھلا کوئی ایسا حکم ہوسکتا ہے جس میں تطہیر رحم کے بغیر اختلاط نسل کی اجازت دی گئی ہو؟

حضرت امام خوئیؒ اس جگہ ارشاد فرماتے ہیں؛ سبحانک اللّٰھم . بارالہا! گواہ رہنا کہ شیعوں پر یہ کتنا بڑا الزام ہے۔ متقدمین اور متاخرین شیعہ فقہاء کی کتب قارئین کے سامنے ہیں۔ آج تک کسی شیعہ فقیہ کی طرف یہ قول منسوب نہیں ہوا۔ اس قسم کا فتویٰ شاذ و نادر بھی، فقہی کتب میں موجود نہیں چہ جائیکہ یہ کوئی اجماعی مسئلہ ہو۔ ایک ایسا دن ضرور آئے گا جب شیعوں پر الزام لگانے والے دادگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے۔ وھنالک یخسر المبطلون.

علامہ محسن نجفی صاحب کا یہ دعویٰ چونکہ متعہ میں عدت ہے لہٰذا اسے بھی نکاح جائز میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ سے سوال یہ ہے: متعہ عدت ہونی چاہیے یا عدت ہے؟ اس دونوں باتوں میں فرق ہے۔ متعہ میں عدت ہے تو کیا اسے پورا بھی کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بعض شیعہ نشین علاقوں میں عقد دائمی کی بجائے متعہ کے فلسفے کے تحت ذلیل و خوار کی جاتیں ہیں۔

آپ نے جو عدت کو فخریہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے مراد کون سی عدت ہے۔ وہی جو روایات غیر مستند کے مطابق ۴۵ دن ہے حالانکہ عقد دائمی میں عدت، ثلاثہ قروہ ہے۔ عدت ۴۵ دن مقرر کرکے پہلے چھٹی دینا کس فلسفے کے تحت ہے۔

جب عورتیں مرد کے گھر سے نکل کر اپنے گھروں کی طرف جاتی ہوئی نظر آئیں تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ وہ عدت پوری کر چکی ہیں۔ لیکن وہ متعہ جو درسگاہوں' دانشگاہوں' حکومتی اداروں یا پیشہ ور خواتین کرتیں ہیں وہاں کون عدت پوری کرتا ہے کیونکہ یہاں تو متعہ چھپ کر کیا گیا ہوتا ہے' تو عدت پوری ہونے کی کیا ضمانت ہے۔ یہاں دو صورتیں ہیں؛

ا۔ یہ عورت احمق ہے جو ایک کلو گندم حق مہر لے کر تین مہینے انتظار کرے۔

۲۔ اجر وثواب کیلئے کیا ہو۔ جہاں انہیں کہا جاتا ہے کہ اس طرح وہ نبی کریمؐ اور حضرت زہراؑ کی محرم بنیں گی۔

مدت کا تعین ہوتا ہے

ضروری ہے کہ زواج منقطع کے عقد میں مدت کا تعین ہو تاکہ بعد میں اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ یہ اس حوالے سے دائمی سے مختلف ضرور ہے لیکن اسے زنا سے کیسے تمیز دیں گے؟ اس شرط اور زنا کی شرط میں چنداں فرق نہیں۔ زوجہ کی حیثیت' متعہ کی مدت ختم ہوتے ہی یا بخشتے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں کون سی خوبی وفضیلت ہے؟

متعہ اور نسل

علامہ محسن نجفی صاحب نے عقد دائمی اور متعہ میں مشترکات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد اسی شخص کی ہے جس نے متعہ کیا ہے۔ جب نکاح ہی چھپ کر گیا ہو علامہ نجفی صاحب یہ کون اور کیسے ثابت کرے گا کہ یہ اولاد اسی شخص کی ہے۔ متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد کی حالت تو زمانہ جاہلیت میں ہونے والے متعہ سے بھی بدتر ہے۔ زمانہ جاہلیت میں متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد کو عورت جس شخص کی طرف منسوب کرتی تھی معاشرہ اسے بچہ قبول کرنے پر مجبور کر دیتا تھا اور زانی کو بھی اسے قبول کرنا پڑتا تھا۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ یہاں تو اس کو زندہ ہی نہیں رکھا جاتا بلکہ سقط کر دیا جاتا ہے یا اگر زندہ رہے تو زمانہ جاہلیت کی رسم کو زندہ کرتے ہوئے اس کو زندہ دفنا دیا جاتا ہے۔

متعہ سے پیدا ہونے والی اولاد کو نہ تو قانونی تحفظ حاصل ہے اور نہ ہی معاشرہ اسے قبول کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر شریعت بھی اس مرد اور عورت کی حمایت نہیں کرتی کیونکہ

شریعت کہتی ہے"الولد للفراش"(اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر پیدا ہو) یہاں عورت کے اس مرد کے بستر پر ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔اگر اسے اولاد کہیں گے تو یہ زنا کے زمرے میں آئے گی اور قذف کی سزا لگے گی۔

اولاد کا وارث بننا

کیا متعہ کرنے والے افراد بچہ پیدا ہونے دیتے ہیں یا بچے کی پیدائش کے بعد اسے زندہ رکھتے ہیں۔اگر اولادیں زندہ رہے بھی' تو کیا کسی لڑکی کی یہ جرأت ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ فلاں کا بچہ ہے۔کون قبول کرے گا کہ فلاں لڑکا میری نسل سے ہے۔

عقد نکاح میں شہادت کی ضرورت سے انکار

عقد نکاح میں' گواہ کی ضرورت کو فقہائے امامیہ نے غیر ضروری گردانا ہے۔تعجب اس بات پر ہے کہ فقہاء عظام شاہد و گواہ کو کیونکر غیر ضروری گردانتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں معمول کے معاملات میں بھی گواہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عقد ہوا ہے یا نہیں؟ کوئی اس کا اقرار کرے گا تو کوئی اس کی نہی۔اگر گواہ نہ ہوں تو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ متعہ ہوا ہے یا زنا؟ ہر زانی یہی کہے گا کہ میں نے متعہ کیا ہے۔اور ان میں سے بھی کسی ایک کے مرنے کے بعد دوسرا یہی دعویٰ کرے گا کہ نکاح دائمی تھا تا کہ ارث لے سکے جبکہ مرنے والے کے لواحقین دعوی کریں گے کہ متعہ تھا۔گویا قرآن اور سنت میں اس زواج اور اس کے متعلقہ مسائل قابل مراجعہ عدالت ہی نہیں ہیں۔

- نکاح میں شہادت کی شرط سے انکار"آیۂ شہادت" کے مفہوم کا انکار ہے۔جہاں خداوند متعال نے شہادت کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَكْتُبْ﴾ (بقرہ:۲۸۲)

- اگر کسی مسئلے کی سند کے بارے میں صریح آیت موجود ہو تو اسکی سند کیلئے روایت کی ضرورت نہیں رہتی۔

۞ عقد میں شہادت وگواہی‘ معاملے کی توثیق وتائید کا سبب بنتی ہے جس سے اختلاف اور نزاع کا ممکنہ خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔

۞ شہادت‘ حلال کی علامت ونشانی ہے یعنی اہل حلال اپنے کام اعلانیہ کرتے ہیں جبکہ حرام خور اور چور اپنے کام چھپا کر کرتے ہیں۔

عقد زواج کے موقع پر گواہوں کی موجودگی کے بارے میں فقہائے مذاہب اربعہ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے تاہم فقہاءِ امامیہ نے اسے مستحب گردانتے ہوئے اس کے عدم وجوب پر اتفاق کیا ہے۔ یہ اپنے مدعی کے اثبات کیلئے‘ استدلال سورۂ نساء کی آیت ۳ اور نور کی آیت ۳۲ سے کرتے ہیں جس میں شہادت کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں قرضہ دیتے وقت اور لین دین کرتے وقت‘ معاملے کو ضبط تحریر میں لانے اور گواہ عادل رکھنے کا سختی سے حکم دیا گیا ہے۔ شریعت نے اسے عدالت سے قریب اور فسق و فجور‘ لڑائی جھگڑے سے بچنے کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔ کیا مرد وعورت میں مادام العمر زندگی گزارنے کا عہد و پیمان یعنی عقد ازدواج کی قدر وقیمت‘ قرضہ دینے اور خرید وفروخت سے بھی کم ہے؟

۱۔ اگر کوئی بستر مرگ یعنی حالت احتضار میں ہو تو اس کیلئے حکم ہے وصیت کرتے وقت گواہ رکھے۔

۲۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور اسے کسی ناگہانی سانحے کے باعث مرنے کا خدشہ ہو تو وہاں بھی وصیت کرے اور گواہ بھی رکھے۔ یہاں گواہی کیلئے کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَمِنَ

الظَّالِمِينَ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوآ اَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاسْمَعُوا وَاللهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾

(مائدہ۱۰۶تا۱۰۸)

یہاں واضح ہوتا ہے کہ انسان کی معمول کی زندگی جیسے تجارت، کاروبار، لین دین، سرمایہ لگانے اور ملازمت کرنے، غرض تمام معاملات میں گواہ رکھے جاتے ہیں اور معاہدے کو تحریر میں لایا جاتا ہے لیکن دوسری جانب انسان کی عمر بھر ساتھ رہنے والی شریک حیات، جن کے حقوق ایک دوسرے پر بھاری بھرکم اور ناقابل تردید ہوں، جس کے ذمے مادام الحیات نفقہ واجب ہو، انسانی زندگی میں اس سے بڑا اور کیا معاملہ ہوسکتا ہے۔ اس معاملے کو اللہ نے اپنی کتاب میں "مثیاق غلیظ" کہا ہے۔ اور قرآنی آیات میں واضح طور پر میثاق میں گواہ کے تعین کا حکم آیا ہے۔ قارئین کرام خود فیصلہ کریں اور بتائیں ایسے فتاویٰ کی حیثیت کیا ہوگی جو سراسر حکم قرآن کے خلاف ہوں۔

۱۔ زواج عہد و پیان ہے ہر عہد و پیان پر گواہ رکھنا واجب ہے۔
۲۔ زواج میں نص قرآن کے تحت، کنواری ہو یا شادی شدہ، اسکے اہل کی اجازت حاصل کرنے کے بعد اجراء عقد کا حکم ہے۔ جہاں اولیاء کی اجازت نہ ہو وہ عقد باطل ہے۔

عقد سببی اور نسبی کا خیال رکھتا ہے

بتائیں جب عقد متعہ آپس میں مخفی اور پوشیدہ ہو دوسروں کو اس بارے میں علم نہ ہو تو کیسے سببی اور نسبی رشتے کا خیال رکھا جاسکتا ہے۔ اسی لئے آج کل بے حجاب، مخلوط اور گھل مل کر رہنے والے خاندانوں میں بھی ایسے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ جب ایمان کی طرف رجحان بڑھتا ہے تو ان احکام کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یہاں اس مسئلے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسے بہت سے مسائل معاشرہ میں پھیل رہے ہیں جہاں لوگوں کو شادی کے بعد رشتے ناطے کا پتہ چلتا ہے نہ رخصتی کے بعد۔

یہ وہ حقوق باطلہ ہیں جن کا پرچار کیا جاتا ہے لیکن وہ حقوق جو قرآن کریم نے دیئے ہیں وہ اس عقد متعہ کے ذریعے چھین لئے گئے ہیں اور انھیں ان سے محروم رکھا گیا ہے۔

۱۔ قرآن میں زوجہ کیلئے حق نفقہ رکھا گیا ہے۔ نفقہ میں کھانا پینا' لباس وحق جائے سکونت ہے۔ کیا یہ حقوق گھر سے باہر ہونے والے متعہ میں حاصل ہے۔

۲۔ حق ارث: قرآن کریم میں زوجین میں سے کسی ایک کے مرنے کے بعد دوسرا حق ارث رکھتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ زوج و زوجہ ایک دوسرے سے ارث لیتے ہیں۔ کیا اس عقد میں زوج و زوجہ' ناکح ومنکوح ہیں' اگر ہیں تو ارث لینا ضروری ہے اگر نہیں تو یہ زنا ہے۔

متعہ' مترادف زنا ہے

متعہ' زواج نہیں بلکہ زنا ہے اس بارے میں ہمارے پاس آیات قرآن کریم اور روایات کثیرہ موجود ہیں۔ لغت اور قرآن کریم میں نکاح کے دو معنی بیان ہوئے ہیں ایک نہیں۔ عقد' ایجاب وقبول کو کہتے ہیں۔ اس حوالے سے نکاح کو نہ عبادات کہہ سکتے ہیں نہ عقود کہنا جائز ہے' بلکہ یہ معاملات لازم میں سے ہے جہاں ایجاب وقبول دونوں کی رضا ورغبت' عند شہود اور برملا' وقوع ہونا لازمی وضروری ہے۔ اس حوالے سے قرآن وطی' زنان کی تمام اقسام کو باطل گردان کر صرف دو ہی قسم کی وطی کو جائز قرار دیا ہے۔

۱۔ عقد لازم بین ، حُر وحُرہ (آزاد مرد اور آزاد عورت)

۲۔ بین حر اور امہ (آزاد مرد اور کنیز)

اس کے علاوہ جتنی بھی اقسام وطی موجود ہیں انھیں حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والا گردانا گیا ہے۔ اس بارے میں وارد آیات ملاحظہ کریں۔

﴿وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَ آتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ

وَلاَ مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْـمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَ أَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نساء:۲۵)

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ وَ اللاَّتِي تَـخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ (نساء:۳۴)

﴿وَ لْيَسْتَعْفِفْ الَّذِينَ لاَ يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمْ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ الَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَ لاَ تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ مَنْ يُكْرِهُّنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نور:۳۳)

﴿وَ الَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلاَّ عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الْعَادُونَ﴾
(معارج:۲۹ تا ۳۱)(مومنون:۵ تا ۷)

ان آیات کریمہ میں وطی کو زواج اور ملک یمین تک محدود رکھا ہے اور اس سے تعدی و تجاوز کو زنا گردانا ہے، اسے آیت میں سفح کہا گیا ہے۔ قرآن کریم اور سنت کے تحت زواج ایک عقد، ایجاب، قبول کی صورت میں انجام پاتا ہے یہ عقد آسانی سے ٹوٹ نہیں سکتا دوسری طرف قرآن وسنت نے اس پر مرتب ہونے والے احکامات بھی بیان فرمائے ہیں۔

متعہ، عقد نکاح کے احکامات سے عاری وخالی

۱۔ عقد نکاح کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیات میں میثاق غلیظ کہا یعنی آسانی سے نہ ٹوٹنے والا عقد جبکہ متعہ شوہر کی طرف سے مدت بخشنے سے ٹوٹ جاتا ہے اس

کیلئے اجراء عقد اور گواہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۲۔ عقد زواج میں شوہر پر بھاری بھرکم ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو آسانی سے ادا نہیں ہوتیں جیسا کہ قرآن کریم کی آیات اور سیرت آئمہ طاہرینؑ واصحابہ کرام سے ثابت ہے جبکہ متعہ میں مہریہ برائے نام رکھا جاتا ہے جس کی کوئی قدر قیمت بھی نہیں ہوتی اور اس سے بڑا ظلم یہ کہ یہ عقد بغیر تعین مہریہ بھی ہوسکتا ہے۔

۳۔ عقد دائم وقوع ہونے کے بعد شوہر پر عورت کی ضروریات زندگی عائد ہوتی ہیں جیسے لباس، کھانا، مسکن وغیرہ جسے قرآن نے نفقہ کہا ہے۔ اس کا ذکر متعدد آیات میں آیا ہے جبکہ متعہ میں شوہر کو ان ضروریات سے آزاد رکھا گیا ہے۔

﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللهُ لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (طلاق:۷)

﴿وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَ أَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نساء:۲۵)

﴿وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ﴾ (نساء:۶)

۴۔ اس عقد کے وقوع پانے کے بعد جدائی کیلئے طلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلاق کیلئے مرد پر کچھ شرائط رکھی ہیں جیسے کہ وہ بلا جبر اکراہ طلاق جاری کرے، گواہوں کے سامنے جاری ہو، طلاق ایسے وقت میں وقوع ہو جس میں ہم بستری نہ ہوئی ہو، عورت تین ماہواری تمام ہونے تک انتظار کرے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کریں:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ

تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (بقرہ:۲۲۹)

﴿وَ إِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَاتَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

(بقرہ:۲۳۷)

﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا﴾ (تحریم:۵)

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ (بقرہ:۲۳۰)

﴿إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ أَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ اتَّقُوا اللهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾ (طلاق:۱)

۵۔ وقوع عقد زواج کے بعد میاں بیوی کے درمیان بوجہ موت جدائی پڑنے کی صورت میں زندہ رہنے والے کیلئے ارث ہے۔اگر مرنے والا شوہر ہے تو زوجہ کیلئے ارث ہے اور اگر بیوی مرے تو شوہر کیلئے ارث ہے۔

۶۔ اس عقد کے بعد ان سے پیدا ہونے والی اولاد نہ تو ضائع کی جاسکتی ہے اور نہ ہی کسی اور کی طرف اس کی نسبت دی جاسکتی ہے اگر ایسا کیا گیا تو اس پر قذف کا اطلاق ہوگا جبکہ عقد متعہ میں نکاح چونکہ مخفی ہوتا ہے اس لئے اولاد کا انتساب نہ مرد کیلئے ممکن ہے نہ عورت کیلئے۔

۷۔ اس عقد میں اختلاف کی صورت میں کسی بھی عدالت میں رجوع کیا جاسکتا ہے لیکن متعہ چونکہ مخفی وتنہائی میں ہوتا ہے لہٰذا اختلاف کی صورت میں کسی کے پاس قضاوت کیلئے نہیں جاسکتے۔ یہاں عدالتیں بے بس ہیں۔

۸۔ عقد زواج چاہے باکرہ سے ہو یا شیبہ سے' اولیاء کی اجازت سے انجام پاتا ہے یہاں چونکہ متعہ میں ولی عقد نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہاں سے باب زنا کا ایک دروازہ کھلتا ہے۔

یہ تمام باتیں جو آیات قرآنی سے ثابت ہیں انھیں نظر انداز کر کے بعض مسلمان جو خود کو تابع اہل بیتؑ کہتے ہیں وہ فرق ضالہ' باطنیہ' قرآنیہ' کمیونزم اور مغربی الحادازم کی باتوں میں آ کر ڈنڈے سے اس نکاح کو شریعت میں شامل کرنے کی مہم چلارہے ہیں۔ حیرت وافسوس بعض علماء برجستہ پر ہے جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس نکاح کے بارے میں قرآن وسنت سے دلیل موجود ہے۔ یہاں پر یہ بیان کئے بغیر بھی آگے نہیں جایا جاسکتا کہ اس دور کے دو مفسرین کبیر ایک' آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی جنھوں نے تفسیر المیزان میں سورۂ نساء آیت ۲۴ سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ نکاح اس آیت کے نزول سے پہلے سے جاری تھا اور اسلام نے اس پر پابندی نہیں لگائی۔ انہوں نے کلمہ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ" سے استدلال کیا ہے۔ دوسرے مفسر آیت اللہ العظمیٰ ابولقاسم خوئی ہیں جنھوں نے سورہ نساء کی آیت ۲۴ کی رو سے منسوخیت متعہ کو رد کر کے اس نکاح کو نبی کریمؐ کے دور سے جاری اور باقی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ آیت اللہ خوئی علم رجال میں نابغہ روزگار ہوتے ہوئے بھی ان روایات کے راویوں کو چھوئے بغیر آگے گزر گئے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ نکاح آیت اللہ خوئیؒ کے گلے میں بھی کھٹک رہا تھا' اسی لئے آپ نے اپنی موسوعہ فقہی میں اس پر بحث کرنے سے گریز کرتے ہوئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

تعریف متعہ کے بعد اس کی حرمت اور جواز کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

متعہ حرام ہونے کی دلیل ہمارے پاس آیات کریمہ سورۂ مبارکہ مومنون آیات ۵ تا ۸ اور معارج ۲۹ تا ۳۱ ہیں۔ ان دونوں آیات میں قرآن کریم نے نکاح بمعنی وطی شرعی کو زوجہ

اور مملوکہ تک محدود رکھا گیا ہے۔اس کے علاوہ جتنے بھی وطی ہوں انہیں حرام وزنا قرار دیا ہے۔آپ حضرات نے زواج کی دو قسمیں بنائی ہیں جو دور جاہلیت کی تصوراتی تقسیم ہے۔ اسلام میں نکاح بمعنی وطی شرعی صرف ایک ہی جائز ہے۔

اہلسنّت والجماعت کا کہنا ہے نبی کریمؐ نے کچھ عرصے کیلئے اسے حلال اور بعد میں حرام قرار دیا۔اس صورت میں جواز اور حرمت متعہ دونوں آیت سے ثابت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہوگی جبکہ اہل تشیع کا کہنا ہے کہ نبی کریمؐ نے اسے حرام قرار دیا ہو یہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں لیکن چونکہ اہلسنّت بھی اقرار کرتے ہیں کہ یہ دور پیغمبرؐ میں موجود تھا لہٰذا وہ اسی کو جواز متعہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔

متعہ، کتب اہلسنّت والجماعت میں

دوسری دلیل وہ چند روایات ہیں جو صحیح بخاری ومسلم میں متعہ کے بارے میں وارد ہوئیں ہیں۔ان چند روایات احاد کو حجت قرار دینے کیلئے بعد میں آنے والے تابعین کی ایک لمبی فہرست پیش کی گئی ہے۔

احادیث جواز متعہ کتاب صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے۔علمائے اہلسنّت صحیح مسلم کے احترام اور دین وشریعت کی صیانت وپاسداری کے درمیان کشمکش، تضاد وتناقض کو حل نہیں کر سکے۔ وہ اس تناقض کا غصہ شیعوں پر نکالتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیعہ علماء اپنی تمام تر نفرت وکراہت اور طنز گوئی کے ساتھ دین وشریعت میں اپنے فرقے کے شہوترانوں کی جنسی خواہشات کی خاطر اپنے مطعون، اہلسنّت کی کتابوں سے استناد واستفادہ کرنے میں افتخار محسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم متعہ کو صحیح مسلم کی احادیث سے ثابت کرتے ہیں۔گویا دین ومذہب کی اساس کے مشکوک ومطعون کتابوں سے ثابت ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن اصول دین اور فروع دین میں ان کی دیگر روایات کو مسترد کرتے ہیں۔

ہم اہلسنّت کی کتاب صحیح مسلم اور اہل تشیع کے جوانوں کی جنسی خواہشات کے احترام کیلئے دین وشریعت سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے بلکہ اس سلسلے میں وارد روایات اور راویوں کو

جانچنے کی کوشش کریں گے۔

کسی بھی روایت کی حجت ثابت کرنے کیلئے دو بنیادی شرائط کی ضرورت ہے۔

۱۔ **سند روایت:** یعنی صحاح ستہ کے مصنفین سے لے کر رسول اللہ تک سلسلہ ترسیل تقطیع اور ضعیف راویوں سے پاک ہو۔

ابھی تک کسی نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے ان روایتوں کے راویوں کی چھان بین کی ہے۔صرف صحیح بخاری و مسلم میں ہونا روایت کے صحیح ہونے کی علامت ہے یا علماء اصول و رجال کے مقرر کردہ اصولوں سے گزارنا بھی ضروری ہے چنانچہ اس صدی کے روایت شناس نے ان کتابوں میں موجود بہت سی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

صحاح ستہ وغیرہ سے منقول روایات کے صحیح ہونے کے بارے میں کسی فقیہ نے نہیں کہا بلکہ روایات کے تسلسل طبقات میں موجود ہر راوی کا معتبر اور صحیح ہونا ضروری ہے۔کسی نے ابھی تک یہ دعویٰ نہیں کہا کہ اس سلسلہ کے تمام راوی صحیح وثقات میں سے ہیں بلکہ کتب صحاح ستہ کو گذشتہ تمام ضعیف احادیث سے پُر کتابوں پر صحیح ہونے یا کافی کی چادر چڑھانے والوں کا پول کھل گیا ہے۔اسی طرح اصول کافی سے گیارہ ہزار احادیث ضعیف نکالی گئی ہیں۔صحیح بخاری، صحیح مسلم و دیگر کتب سے علماء نے ہزاروں احادیث ضعیفہ نکالی ہیں۔

کیا حکم شریعت، خاص کر کے جہاں انتہائی احتیاط کرنے کا حکم ہو وہاں ان احادیث ضعیف، مشکوک یا مزورہ پر پردہ چڑھا کر نیچے گندگی اور اوپر شریعت کی چادر چڑھائی جانی چاہیے۔

۲۔ **متن روایت:** روایت کا متن اللہ کی کتاب اور دوسری صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو۔جہاں قرآن نے احکام کو تفصیلاً بیان کیا ہے، وہاں روایت اساس و بنیاد نہیں بن سکتی۔خاص کر جس موضوع پر قرآن نے سیر حاصل گفتگو کی ہو۔

نکاح مسیار، سری اور متعہ کے بارے میں فقہا کے فتاویٰ اور کتب احادیث میں وارد روایات میں جو خدوخال اور فوائد بیان ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھنے کے بعد یہ نکاح قرآن وسنت سے متصادم و متضاد ہونے کے ساتھ ساتھ زنا و فحشاء کو کسی دوسرے نام سے چلانے کی

علمی وفکری سازش نظر آتی ہے۔ اب کوئی نصیری طیش وغیض میں سر دیوار سے مارے تو یہ اس کا حق ہے لیکن ایک مسلمان اور غیرت وحمیت کے ذہن سے یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے۔

روایات کے حجت ہونے کی شرائط

میں یہاں اس خوف سے کہ لوگ مجھے سنیوں سے دفاع کرنے والا کہیں گے حقائق گوئی کا روزہ نہیں رکھ سکتا۔ میں واضح اور واشگاف الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ اس کے جو بھی نتائج ہوں گے اسے قبول کروں گا اور اس کا دفاع بھی کروں گا۔

عقائد‘ احکام‘ تاریخ اور تفسیر سے متعلق کسی قسم کے مواد کا کسی فرقے کی کتب میں ہونا کافی نہیں کہ آپ اس فرقے کو محکوم کریں اور ان سے کہیں تمہاری ایسی کی تیسی‘ تمہیں ماننا پڑے گا۔ وہ بھی سینکڑوں احادیث آپ کی کتابوں سے بطور سند دے سکتے ہیں۔ آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اہلسنّت اپنی کتابوں کی حجت کی ضمانت دیتے ہیں‘ یہ جھوٹ ہے۔ ایسی ضمانتیں شیعہ کتابوں کے مولفین نے بھی دی ہیں جیسے ان کتابوں میں جو کچھ ہے اسے ہم نے معتبر کتب سے نکالا ہے یا کافی ہمارے شیعوں کیلئے کافی ہے۔

اس بارے میں چندین نکات ہیں۔

- اس فرقے کے محققین اس روایت کو تسلیم کرتے ہوں۔
- اس پر عمل بھی کرتے ہوں ورنہ کوئی بھی فرقہ نہیں بچے گا۔
- کتب روائی میں موجود تمام روایات من وعن واجب اتباع نہیں‘ گر چہ بعض حدیث تہمت کا ڈنڈا چلا کر منوائی جاتی ہیں۔ روایات کا کسی کتب معتبر وغیر معتبر‘ صحیح وغلط‘ کافی وغیر کافی میں ہونا حجت نہیں بلکہ اس کی حجیت کیلئے مندرجہ ذیل شرائط سے گزرنا ضروری ہے۔

۱۔ روایت کا منقولہ کتاب سے آخری سند تک تمام طبقات روائی میں صحیح وحسن ہونا ضروری ہے۔ بطور مثال اگر روایت اصول کافی‘ من لا یحضر الفقیہ‘ استبصار‘ بحار الانوار‘ وسائل الشیعہ‘ صحیح بخاری‘ مسلم‘ سنن نسائی‘ مسند احمد میں ہوں تو ان

سے لے کر آخری سند تک تمام طبقات میں موجود راوی صحیح ہونے چاہیے۔

۲۔ اس روایت کے مضمون کے خلاف کوئی اور روایت نہ ملتی ہو۔

۳۔ روایت قرآن کریم کی آیات ومحکمات سے متعارض ومتصادم نہ ہو۔

۴۔ روایت نبی کریم سے وارد مسلمہ ومعتبرہ روایات سے متعارض نہ ہو۔

۵۔ روایت مزاج واصول مسلمات شریعت سے متصادم نہ ہو۔

۶۔ روایت اگر آئمہ سے منقول ہو تو اس کی سند قرآن یا سنت رسولؐ سے ملنا بھی ضروری ہے۔

۷۔ روایت اپنی جگہ شریعت مسلمات سے قریب ہو اور محالات سے بعید ہو۔

۸۔ روایت اپنی جگہ شرح وتفسیر آیات قرآن ہو نہ کہ تأسیس احکام کیونکہ تأسیسات کا مصدر صرف قرآن ہے۔

اگر ہم متعہ کے بارے میں وارد روایات کو ان اصولوں سے گزاریں گے تو یہ روایات چندیں بار عرش سے فرش پر گریں گی۔

۱۔ روایات کی سندیں تمام طبقات میں صحیح نہیں ہے بلکہ مرسلہ، مقطوع، تدلیس وغیرہ کا شکار ہے۔

۲۔ روایات کا مضمون مخالف قرآن ہے پھر بھی روایات صحیح ومستند قرار دی جاتی ہے۔

۳۔ روایات آیات کثیرہ سے متصادم ہے۔ آیات میں آیا ہے کہ عقد نکاح غلیظ یعنی گاڑھا ہے جبکہ متعہ عقد جائز ہے جیسے وکالت وصایت ہے۔ آیات، نفقہ، شوہر پر ثابت کرتی ہیں جبکہ روایات متعہ اس کی نفی کرتی ہے۔ آیات ارث کو ثابت کرتی ہیں جبکہ متعہ نفی کرتا ہے۔ آیات مہریہ کثیر ثابت کرتی ہیں جبکہ روایات قلیل مہریہ۔

۴۔ دین اسلام میں فلسفہ زواج کی تین عناصر بتائے گئے ہیں جبکہ روایات متعہ صرف جنسی خواہشات کی تکمیل بتاتی ہے۔ متعہ میں پہلا اور دوسرا عنصر نہیں ہے صرف استمتاع ہے جو زنا کی شاخ ہے اور یہ حرام ہے۔

متعہ کا قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں حرام ہونا آیات محکمات سے ثابت ہے لیکن

متعہ کے جواز میں پہلے قرآن کو حدیث سے وصل کرنے کے بعد اسے کتاب سے استناد کہنا' شکست خوردہ کا نعرۂ فتح ہی کہا جا سکتا ہے۔ قرآنی استدلال سے ہاتھ دھونے کے بعد دین اسلام کا دوسرا مصدر سنت رسول اللہؐ ہے۔ اگر اس سے استناد کر کے استدلال کرنا چاہیں تو یہاں بھی متعہ کے حامیوں کی فریقین کی کتب روایت میں موجود روایتوں کو میزان روایت و رجال شناسی کے ترازو سے گزاریں گے۔

" کتاب المتعہ و مشروعتھا فی الاسلام " از گروہ علماء صفحہ ۳۸ پر کتب اہلسنّت میں متعہ کے بارے میں وارد روایات کا ذکر کرتے ہوئے صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۱۰۲۲ سے نقل کرتے ہیں کہ اسماعیل نے قیس سے نقل کیا ہے کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم رسول اللہ کے ساتھ جنگ میں جاتے تھے تو ہماری عورتیں ہمارے ساتھ نہیں ہوتی تھیں۔ ہم نے رسول اللہ سے کہا ہم اپنے آپ کو خصی کر لیں تو پیغمبر اکرمؐ نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ پھر آپ نے ہمیں ایک کپڑا مہر دیکر متعہ کرنے کی اجازت دے دی اس کے بعد عبداللہ نے یہ آیت پڑھی (نساء:۸۷)۔

اس روایت میں دو نام اسماعیل اور قیس آئے ہیں۔ اسماعیل کے نام سے رجال صحیح مسلم میں سترہ راویوں کا ذکر ملتا ہے لہٰذا معلوم نہیں کہ اس روایت میں جس اسماعیل کا نام آیا ہے وہ ان سترہ راویوں میں سے کون سا راوی ہے لہٰذا اسماعیل مجہول ہے۔ دوسرا راوی قیس ہے' قیس کے نام سے رجال صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۳ پر آٹھ نام بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بھی معلوم نہیں کہ ان آٹھ میں سے کس قیس نے یہ روایت نقل کی ہے لہٰذا قیس بھی مجہول ہے۔

متعہ کے بارے میں دوسرا راوی عمر ابن دینار ہے۔ انہوں نے حسن ابن محمد سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن عقوم سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ کی طرف سے منادی ہوئی کہ تمہیں متعہ کرنے کی اجازت ہے۔

رجال صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ٦٨ کے مطابق عمر ابن دینار قریشی اور مکی ہے۔ یہ موسیٰ ابن بازان مولیٰ بنی جمع کے مولیٰ تھے' انہوں نے ۱۲٦ھ میں وفات پائی۔ حسن بن محمد کے نام سے دو راویوں کا ذکر ہے لہٰذا یہ بھی مجہول ہے۔ صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۱۳۳ سلمہ بن عقوم۔

یہاں پر ہم صرف باب متعہ میں صحیح مسلم اور وسائل الشیعہ میں پھینکی گئی احادیث کا حشر دکھائیں گے جہاں جعل سازوں نے غالی، کذاب، مجہول الحال، بدنام، گمنام، فرضی ناموں نے احادیث جعل کر کے راویوں کو دیں، ان راویوں نے یہ نام مصنفین و مؤلفین کے حوالے کیں جنھوں نے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی اور بعد میں آنے والوں نے ان کی حفاظت و حراست کی ضمانت دی اور اب ان کے جیالے تشدد اور پروپیگنڈے سے اسے فروغ دے رہے ہیں۔

روایات صحیح مسلم کی سند پر نقد و جرح علمائے رجال

پچیس روایات میں مذکورہ راویوں میں سے مندرجہ ذیل راوی مجہول الحال ہیں۔

ابو بکر ابی شیبہ	مجہول
ابن علیۃ معمر	مجہول۔ اس نام سے انیس (۱۹) افراد ہیں۔
زھری	مجہول
حسن حلوانی	تہذیب التہذیب میں اس کا ذکر نہیں ہے۔
یونس	مجہول
ابن شھاب	معلوم نہیں
ابن أبی عمرۃ الأنصاری	معلوم نہیں کس قسم کا انسان ہے
یحییٰ بن یحییٰ	مجہول۔ اس نام سے تین شخص ہیں۔
مالک	معلوم نہیں کہ کون ہے؟
ابن شہاب	معلوم نہیں کس قسم کا انسان ہے
عبداللہ	مجہول
أبو بکر بن أبی شیبہ	مجہول
ابی زبیر	ثقہ نہیں ہیں
عمرو بن دینار	مجہول۔ اس نام سے تین آدمی ہیں۔

عبدالرزاق	مجہول۔اس نام سے چار ہی آدمی ہیں۔
عطاء	اس نام کے ۱۴۵ افراد ہیں۔
جریر	مجہول مہمل
اسماعیل	مجہول مجمل
ابی خالد	
ابوبکر بن ابی شیبہ	مجہول مہمل۔ابوبکر کے نام سے کئی افراد ہیں۔
وکیع	مجہول۔اس نام سے تین افراد ہیں۔
اسماعیل	مجہول ومہمل
محمد بن بشار	مجہول۔اس نام کی دو شخصیات ہیں: محمد بن بشار بن عثمان' محمد بن بشار عدنی
محمد بن جعفر	مجہول۔اس نام سے نو (۹) آدمی ہیں۔
شعبۃ	مجہول۔اس نام کے دو آدمی ہیں: شعبۃ بن دینار' شعبۃ بن دینار ہاشمی
حسن بن محمد	مجہول۔اس نام سے (۷) افراد ہیں۔
ابن بشر	مجھول۔بشر کے نام سے سات (۷) افراد ہیں۔
اسماعیل	مجہول۔اس نام سے اٹھارہ (۱۸) افراد ہیں۔
قیس	مجہول۔اس نام سے آٹھ (۸) آدمی ہیں۔

(کتاب صحیح مسلم ج۹ ص۱۷۹، مطبع المصریہ و مکتبتھا)

عثمان بن ابی شیبۃ

اسی نام سے پانچ افراد کا ذکر ملتا ہے لہٰذا یہ بھی مجہول ہے۔

۱۔ عثمان بن ابی شیبہ' تہذیب میں اس نام کا کوئی شخص مذکور نہیں۔صرف شیبہ کے نام سے پانچ افراد ہیں۔لسان المیزان میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔

۲۔ ان روایات میں نبی کریم نے جس مقام پر متعہ کی اجازت دی وہ جگہ مجہول الحال

ہے اور تین جگہوں اوطاس، فتح مکہ یا خیبر میں تردد ہے، جگہ بیان نہیں کی گئی۔

۳۔ بعض افراد کا کہنا ہے کہ متعہ عقد جائز ہے۔ عقد جائز میں عورت ایجاب کنندہ اور مرد قبول کنندہ ہے لیکن روایت میں عورت اور مرد دونوں مجہول ہیں اور اگر کہیں کسی مرد کا ذکر مل بھی جائے تو یہ نہیں ملتا کہ اس نے کس عورت سے عقد کیا تھا۔

۴۔ حق صداق جسے مہر یہ کہا گیا ہے، اس کی مقدار کا تذکرہ مٹھی بھر کھجور یا آٹے کے برابر ملتا ہے۔ جس کی مثال قرآن، سنت رسول حتیٰ سیرت آئمہ وصحابہ میں بھی نہیں کہیں نہیں ملتی۔ یہ فحشاء کا حق مہر تو ہوسکتا ہے عقد نکاح اسلامی کا عقد مہر نہیں۔

۵۔ روایات کے مطابق متعہ کا حکم کب اور کس جگہ منسوخ ہوا۔ واضح نہیں کہ اس سے کس نے منع کیا؟ اسے رسول اللہ نے مردود قرار دیا ہے یا خلیفہ دوم نے؟

۶۔ جس آیت سے اس کے جواز کا استناد کیا گیا ہے اس آیت میں، جیسا کہ حدیث اول میں مذکور ہے۔ کسی قسم کی تحریم کا ذکر ہے اور نہ کسی کی تعدی کا۔

۷۔ جو روایات جواز متعہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور جن مردوں نے عورتوں سے متعہ کے بارے میں بات کی ہے ان سے جعل خودساختگی، فرقہ باطنیہ اور اس کی شاخوں کی اباحہ محرمات کی بو آتی ہے۔

علمائے رجال کی جرح وتعدیل کے نتیجے میں مجہول وضعیف قرار پانے کے بعد بھی صحیح مسلم کے مولف کے احترام میں اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ متعہ کے قرآن، سنت رسول، مزاج شریعت سے متصادم ہونے کے ساتھ دیگر حوالے سے واضح طور پر زنا کی دوسری شکل وصورت میں سامنے آنے کے بعد بھی اس کے رواج دینے پر اکڑنے کیا منطق بنتی ہے درآنحالیکہ یہ روایات اپنی سند ومتن دونوں حوالے سے مخدوش و مشکوک ہیں۔

متعہ کے بارے میں وارد روایات

صحیح مسلم میں متعہ کے بارے میں وارد احادیث کے روات

پہلی حدیث

۱۔محمد ابن عبداللہ بن نمیر الہمدانی
۲۔وکیع
۳۔ابن بشر
۴۔اسماعیل
۵۔قیس

محمد بن عبداللہ بن نمیر الہمدانی خارفی ابوعبدالرحمٰن کوفی حافظ: متوفی شعبان ۲۳۴ھ ق

۱۔ ابو اسماعیل ترمذی کہتا ہے کہ احمد بن حنبل، محمد بن عبد اللہ بن نمیر کا بڑا عجیب احترام اور تعظیم کیا کرتے تھے۔
۲۔ ابن حنید کہتا ہے: میں نے کوفہ میں ابن نمیر جیسا نہیں دیکھا گیا۔
۳۔ احمد بن سنان کہتا ہے کوفہ کے اصل، ثقہ اور اصحاب حدیث میں سے ہے۔
۴۔ بخاری نے ان سے ۲۲ اور مسلم نے ۱۵۷۳ احادیث نقل کی ہیں۔

(تہذیب ج۹ص۲۰۱)

وکیع: اس نام سے تین افراد کتب رجال میں ملتے ہیں۔(رجال صحیح مسلم)

۱۔وکیع بن جراح بن ملیح بن عدی بن فرس بن جمجمہ ابوسفیان رواسی، کوفی۔من قیس غیلان۔

مروذی کہتا ہے: ابن مہدی وکیع لکھنے میں بہت زیادہ غلطی کرنے والا ہے۔وکیع نے پانچ سو احادیث کے لکھنے میں غلطی کی ہے جبکہ ان کا حافظہ بہت ہی عجیب ومضبوط تھا۔

(تہذیب ج۱۱ص۱۱۰)

صالح بن احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔وکیع اور یزید میں سے کوئی بھی میرے پاس ثابت وثقہ نہیں اور دونوں میں سے کوئی بھی صالح نہیں۔وکیع ایسا عالم ہے جو سلطان

سے آلودہ نہیں ہوتا تھا۔ متولد ۱۲۸ھ ہیں۔

بعض نے متولد ۱۲۷، ۱۲۹ھ بتایا ہے جبکہ بعض متوفی ۹۶ھ کہتے ہیں۔

محمد بن نصر مروزی کہتا ہے کہ وکیع یاد کی ہوئی احادیث کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا تھا۔ یعنی الفاظ کو بدل کر حدیث نقل کرتے تھے یعنی حدیث کو بالمعنی نقل کرتے تھے اور اہل لسان نہیں تھے۔

۲۔ وکیع بن عدس

۳۔ وکیع بن محرز

رجال صحیح مسلم: عثمان بن أبی شیبۃ اور ابی شیبہ کے والد کا نام ابراہیم بن عثمان ابوالحسن عبسی کوفی ہے۔ متوفی ۲۳۹ھ متولد ۱۵۶ھ لیکن انہوں نے باب نکاح میں کسی سے روایت نقل نہیں کی۔ بنا بر قول صاحب کتاب ھذا۔

تہذیب: عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خوستی عبسی مولا ابوالحسن بن أبی شیبہ کوفی صاحب سند اور تفسیر۔ ان سے ایک جماعت نے سوائے ترمذی اور نسائی کے نقل کیا ہے۔ بخاری نے ان سے (۵۳) اور مسلم نے (۱۳۵) روایت نقل کی ہیں۔

چوتھی حدیث

جابر بن عبداللہ۔ بن عمرو بن حرام بن ثعلبہ خزرجی سلمی أبو عبداللہ۔ تہذیب ج ۲ ص ۲۷

جابر بن عبداللہ۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۷۔

ان کو عبداللہ اور ابو محمد دونوں کہا جاتا ہے۔ متوفی بنا بر ایک قول ۷۳ھ اور دوسرے قول کے مطابق ۷۷ ہجری ہے۔ بعض کے مطابق وہ اور ان کے بیٹے کا سنہ ۹۴ھ انتقال ہوا۔ ان کی نماز أبان بن عثمان نے پڑھائی جو مدینہ میں صحابہ میں سب سے آخری ہستی تھے۔ کچھ انکی تاریخ وفات ۷۸ھ بتاتے ہیں۔ انہوں نے پیغمبرؐ ابی بکر، عمر و علی، ابی عبیدہ، طلحہ، معاذ بن جبل، عمار بن یاسر، خالد بن ولید، أبی بردہ بن نیار، أبی قتادہ، أبی ھریرہ، أبی سعید، عبداللہ بن أنیس، أبی حمید الساعدی، أم شریک، ام مالک، ام مبشر جو صحابہ میں سے تھی اور ام کلثوم بنت ابی بکر جو

تابعین میں سے تھیں روایت نقل کی ہے۔

ان سے ان کی اولاد عبدالرحمٰن، عقیل، محمد، سعید بن المسیب، محمود بن لبید، أبوالزبیر، عمرو بن دینار، ابوجعفر الباقر، ابن عمہ محمد بن عمرو دین الحسن، محمد بن منکر ذابونضرہ عبدی، وہب بن کیسان، سعید بن میناء، الحسن بن محمد بن حنفیہ، سعید بن الحارث، سابن أبی جعد أیمن الحبشی، حسن بصری، ابوصالح سمان، سعید بن أبی ہلال.......نے روایات کی ہیں۔

سلمۃ بن اکوع۔ابن عمرو: (تہذیب ج ۴ ص ۱۴۰)

سلمہ بن أکوع

اس بارے میں تہذیب میں کچھ ذکر نہیں ہوا ہے۔

پانچویں حدیث

امیۃ بن بسطام العیشی

تہذیب التہذیب ج ا ص ۳۲۳ پر لکھتے ہیں: امیہ بن بسطام بن منتشر عیشی ابوبکر بصری ابن عم یزید بن زریع نے ابن عینیہ، معتمر بن سلیمان، بشر بن مفضل وغیرہ سے روایت نقل کی ہیں۔اوران سے شیخان، بوشنجی، ابن أبی عاسم دوری، تمتام، حسن بن سفیان ابویعلی وغیرہ نے روایت نقل کیں ہیں۔

ابوحاتم نے ان کو صادق کہا ہے۔ابن حبان نے انہیں ثقات میں نقل کیا ہے۔ان کا انتقال سنہ ۲۳۱ھ کو ہوا۔

یذید یعنی ابن زریع۔العیشی۔التمیمی ابومعاویہ بصری حافظ۔

روح یعنی ابن القاسم۔

حسن ابن أکوع۔

جابر بن عبداللہ

چھٹی حدیث

حسن حلوانی

لبن جریج

ساتویں حدیث

محمد بن رافع

عبدالرزاق

ابن جریج

ابوزبیر تہذیب التہذیب ابوزبیر مکی، وہی محمد بن مسلم ہے۔

محمد بن مسلم بن تدرس اسدی: مولی ابوزبیر مکی۔

ان سے عطاء جو ان کے شیوخ میں سے ہیں' زہری ایوب' اعین بن ناہل' ابن عون اٗعمش، سلمہ بن کھیل' ابن جریج' ہشام بن عروہ' موسی بن عقبہ' یحیٰ بن سعید انصاری' عبید اللہ بن عمر' عمارہ بن غزیہ' عبدربہ' بن سعید۔ ابوخیثہ' زہیر بن معاویہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

نعیم ابن حماد کہتا ہے میں نے ابن عینیہ سے سنا وہ کہتا تھا ہمارے لئے ابوزبیر نے حدیث نقل کی اور وہ ابوزبیر ہے یعنی گویا اسے ضعیف کہا۔

ہشام بن اعمار' سوید بن عبدالعزیز سے نقل کرتا ہے کہ انہوں نے سعبہ سے کہا کہ: اٗبی زبیر سے روای کی ہے۔

نعیم بن حماد کہتا ہے میں نے ہشیا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اٗبی زبیر سے سنا ہے لیکن شعبہ نے میری کتاب لی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

یونس ابن عبدالاٗعلی نے شافعی سے سنا ہے کہ ابوزبیر کی حدیث کو سہارا دینے کی ضرورت ہے۔ اٗبی حاتم نے اپنے والد سے اٗبی زبیر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان کی حدیث لکھو لیکن ان سے استدلال نہ کرو۔

نسائی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔

عمرو بن علی اور ترمذی کہتے ہیں کہ ابوزبیر کا انتقال ۱۲۶ھ کو ہوا۔

محمد بن ملسم بن تدرس اسدی (ج۹ص ۳۹۰)

نسائی نے انھیں ثقہ شمار کیا ہے۔ مالک نے اَبی زبیر سے بہت سی احادیث نقل کی ہیں اور یہ ان کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ خود ثقہ ہیں لیکن بعض ضعفاء نے اس سے روایت نقل کی ہے۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔

آٹھویں حدیث

حامد بن عمر بکراوی۔ بن حفص بن عمر ثقفی بکراوی ابوعبدالرحمٰن بصری۔ (ج۲ص ۱۴۷)

حامد بن عمر بن حفص بن عمر بن عبیداللہ بن اَبی بکرۃ ثقفی بکراوی ابوعبدالرحمٰن بصری قاضی کرمان نیشابور میں قیام پذیر تھے۔

انہوں نے بکار بن عبدالعزیز بن اَبی بکرہ، اَبی عوانہ، عبدالواحد بن زیاد، حماد بن زید، بشر بن مفضل معتمر وغیرہ سے نقل کی ہے۔ ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔ بنابر نقل بخاری پہلی صدی ۲۳۳ھ کو ان کا انتقال ہوا۔

ابن حبان نے انھیں ثقات میں نقل کیا ہے۔ عبدالوحد عبدی بن زیادہ مولی بوبشر ابو عبیدہ بصری بھی کہتے ہیں۔ (ج۶ص ۳۸۵)

انہوں نے ابی اسحاق شیبانی، عاصم الأحوال، اَعمش اَبی مالک اشجعی یزید بن اَبی بردہ سے روایت کی ہے۔ ابن سعد نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ نسائی نے کہا ہے ان کی حدیث میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۱۷۶ھ ہے ایک اور قول کے مطابق ۱۷۷ھ۔ بخاری نے محمد بن محبوب سے نقل کیا ہے کہ وہ سنہ ۱۷۹ھ میں انتقال کر گئے۔ ابوداود کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔

عبدالواحد العبدی یعنی ابن زیادہ عبدالواحد العبدی۔ (ج۶ص ۳۸۵)

عاسم۔ مجھول۔ اس نام کے دس افراد ہیں۔

اَبی نضرہ۔ واضح نہیں۔

نویں حدیث

ابوبکر بن اَبی شیبۃ۔ مجھول

یونس بن محمد بن مسلم بغدادی ابومحمد حافظ المؤدب (ج۱۱ص۳۹۳)

انہوں نے داود بن ابی فرات، سفیان بن عبدالرحمٰن، صالح مری، نافع ابن عمر جمعی فلیح، حماد ین وغیرہ سے روایت کی ہے۔

اور ان سے ان کے بیٹے ابراہیم، احمد، علی بن مدینی، اَبی شیبہ کے دو بیٹے۔عبد اللہ منسدی، ابوخیثمہ حجاج بن شاعر وغیرہ نے روایت کی ہے۔

عثمان دارمی نے انھیں ابن معین کے قول کی بنا پر ثقہ کہا ہے۔یعقوب بن شیبہ نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ابن حبان نے ان کو کتاب ثقات میں نقل کیا ہے۔

عبدالواحد بن زیادہ۔

ابوعمیس مسعودی کوفی (عتبہ بن عبداللہ) (ج۷ص۸۹)

اصل نام عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہذلی ابوعمیس مسعود کوفی ہے۔علی بن مدینی نے کہا ہے ان کی تقریباً چالیس (۴۰) احادیث ہیں۔ابن حاتم نے صالح الحدیث کہا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ابن سعد نے ثقہ کہا ہے۔

اَیاس بن سلمہ عن اَبیہ۔اَیاس بن سلمہ بن اَکوع اسلمی ابوسلمہ۔ابوبکر مدنی (ج۱ص۳۴۰)

اپنے والد اور عمار بن یاسر کے بیٹے سے روایت کی ہے۔اور ان سے ان کے بیٹے سعید اور محمد، ابوعمیس، عکرمہ ابن عمار، عمر بن راشد۔ابن مکین، عجلی اور نسائی نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ ابن سعد کے مطابق مدینہ میں سنہ ۱۱۹ھ میں وفات پائی۔

دسویں حدیث

قتیبۃ بن سعید	اس نام سے دو آدمی ہے۔
لیث	اس نام سے پانچ آدمی ہیں۔

ربیع بن سبرہ جھنی (ج۳ص۲۱۲)

عجلی کہتا ہے؛ حجازی تابعی اور ثقہ ہے۔نسائی بھی انھیں ثقہ کہتے ہیں۔ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ابن معین سے عبدالملک ابن ربیع بن سبرہ ان کے والد اور ان

کے جد سے منقول روایات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا یہ سب ضعاف ہیں۔ کیونکہ ان کی حدیث کی سند میں علقمہ بخاری آتا ہے جس کے بارے میں خطیب ابوبکر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ ثابت نہیں، نہ انہوں نے علقمہ سے حدیث کو سنا ہے۔

گیارہویں حدیث

ابو کامل، فضیل بن حسین، جحدری (تہذیب ج ۸ ص ۲۶۱)

ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ مطین، موسی بن ہارون کا کہنا ہے کہ اس کا انتقال ۲۳۷ھ میں ہوا۔ پیدائش کی تاریخ ابن سمعانی نے ۱۴۵ھ بتائی ہے۔ بخاری نے تعلیقاً ان سے روایت کی ہے۔ مسلم اور ابوداؤد نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ نسائی نے زکریا، سجزی کے توسط ان سے روایت کی ہے۔

بشر: یعنی ابن مفضل بن لاحق (قاضی ابو اسماعیل بصری۔ ج ۱ ص ۴۴)

علی بن مدنی کہتا ہے کہ بشر روزانہ ۴۰۰ رکعت نماز پڑھتا تھا اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتا تھا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ ثقہ ہے اور عثمانی پر مذہب تھا۔ متوفی ۱۸۶ھ ہے۔ احمد بن حنبل نے سنہ ۱۸۷ھ متوفی بتایا ہے۔

عمارۃ بن عزیۃ بن حارث انصاری مازنی مدنی۔ (ج ۷ ص ۳۷۰)

عمارہ۔ احمد ابوزرعہ، یحیٰ بن معین صالح۔ ابوحاتم اور نسائی کے مطابق ثقہ وصالح ہیں۔ متوفی ۱۴۰ھ ہیں۔ عقیلی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ ضعیف ہیں۔ عبدالحق کے مطابق متاخرین نے انھیں ضعیف کہا ہے۔

ربیع بن سیرہ بن معبد۔ ابن عوسجہ جھنی مدنی بھی کہا جاتا ہے۔ (ج ۳ ص ۲۱۲)

بارہویں حدیث

احمد بن سعید بن صخر الدارمی۔ ابوجعفر سرخسی نیشابوری۔ (ج ۱ ص ۲۸)

نیشاپور۔ متوفی ۲۵۳ھ۔ ابن حبان کے مطابق متوفی ۲۶۵ھ ہے۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔

ابونعمان　　　　اس کنیت کے دو شخص ہے:
حکم بن عبداللہ۔عبدالرحمٰن بن نعمان (ج ۶ص ۲۵۷)
عمارہ بن غزیہ (ج ۷ص ۳۷۰)　　　　(ذکر ہوچکا ہے)
ربیع بن سبرہ جھنی (ج ۳ص ۲۱۲)

تیرھویں حدیث (حرام قرار دینے والی احادیث)

محمد بن عبداللہ بن عمیر

عبدالعزیزی بن عمرو بن عبدالعزیزی بن مروان بن حکم اموی۔ابومحمد مدنی۔ربیع بن سبرہ جھنی۔ذکر ہوچکا ہے۔(ج ۶ص ۳۱۲)

عبدالعزیز بن عمر

ابن معین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔نسائی اور ابوداؤد نے بھی ثقہ کہا ہے۔میمون بن اُصبغ نے ابی مسہر سے نقل کیا ہے کہ ضعیف الحدیث ہے۔ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے سنہ ۱۴۷ھ کے بعد ان کا انتقال ہوا۔خطابی نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ وہ اہل حفظ اور اتقال میں سے نہیں تھے۔

چودھویں حدیث

حدیث ابوبکر بن اَبی شیبہ۔　　　　مجہول
عبدۃ بن سلیمان۔بن بکر بصری ابوسہل (ج ۶ص ۴۰۶) عبدالعزیز بن عمر۔ذکر ہوچکا ہے۔

پندرہویں حدیث

اسحاق بن ابراہیم　　　　اس نام سے ۱۷ آدمی ہیں
یحیٰی بن آدم بن سلیمان اموی ابوذکریا کوفی (ج ۱۱ص ۱۵۴)

یحیٰی بن آدم سلیمان اموی مولی ابی محیط ابوزکریا کوفی۔عثمان دارمی، ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ یہ ثقہ ہیں۔متوفی ۲۰۳ ربیع الاول۔ابن حبان نے بھی انھیں ثقہ کہا ہے۔

عبدالعزیز بن ربیع بن سبرہ بن معبد

سولہویں حدیث (نہی والی حدیث)

عمرو بن فاقد: ابن بکیر کون ہے؟

ابن نمیر۔ ابن نمیر کون ہے؟

سفیان بن عیینۃ بن اَبی عمران میمون ھدالی ابو محمد کوفی (ج ۴ ص ۱۰۴)

سفیان بن عیینہ' متولد ۱۰۷ھ ساکن مکہ۔ شافعی کہتا ہے کہ اگر مالک اور سفیان نہ ہوتے تو علوم حجاز ختم ہو جاتے۔ متوفی ۱۹۸ھ۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ سنہ ۶۳ھ کو کوفہ سے مکہ آئے۔

(ج ۱۱ ص ۳۳۳)

زھرہ

یعقوب بن ابراھیم بن سعد بن ابراھیم بن عبد الرحمٰن بن عوف الزھری۔ ابو یوسف مدنی بغداد میں قیام کیا۔ ابن معین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔ عجلی' ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ متوفی شوال سنہ ۲۸۰ھ۔ (ج ۱۱ ص ۳۳۳)

ربیع بن سبرہ جھنی

سترہویں حدیث

ابیع بن سبرہ۔ (ج ۳ ص ۲۱۲)

اٹھارہویں حدیث

عبد بن حمید بن نصر کشی ابو محمد (ج ۶ ص ۴۰۲)

عبد بن حمید نام عبد الجید ہے (متوفی ۲۴۹ھ) ابو حاتم بن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ یعقوب بن ابراھیم بن سعد۔ وہی زھری ہے جو ۱۶ ویں حدیث میں گزر چکا ہے۔

یعقوب بن ابراھیم بن سعید بن ابراھیم زھرہ ابو یوسف مدنی (ج ۱۱ ص ۳۳۳، ۲۳۶)

صالح اس نام کے بہت سے افراد ہیں

ربیع بن سبرہ جھنی۔

انیسویں حدیث

حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ تجیبی ابوحفص مصری۔ (ج ۲ ص ۲۰۱)

ابوحاتم کہتا ہے کہ ان کی احادیث لکھیں لیکن ان سے استدلال نہ کریں۔ متوفی ۲۴۴ھ متولد ۱۶۶ھ۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ مزید پڑھنے کی ضرورت ہے۔

ابن وھب۔

عروۃ بن زبیر؛ بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قیصر الاسدی ابوعبداللہ المدنی۔

خالد بن مھاجر بن سیف اللہ کالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی حجازی

بیسویں حدیث

سلمۃ بن شبیب نیسابوری ابوعبدالرحمٰن حجری مسمعی (ج ۴ ص ۱۲۹)

سلمہ بن شبیب، مکہ میں قیام کیا۔ ابوحاتم، صالح بن محمد بغدادی، نسائی، احمد بن سیار نے ثقہ کہا ہے۔ اصل میں نیشاپوری تھے۔ مکہ میں انتقال ہوا۔ متوفی ۲۴۷ھ یا ۲۴۶ھ۔

حسن بن محمد بن اعین حرانی ابوعلی قرشی (ج ۲ ص ۲۷۴)

حسن بن اعین۔ حراتی ابوعلی قریشی متوفی ۲۱۰ھ۔ مولی ام عبدالملک بنت محمد بن مروان ابوحاتم نے ان کو درک کیا اور کچھ لکھا ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

معقل اس نام کے گیارہ افراد ہیں

ابن ابی عبلہ

عمر بن عبدالعزیز اس نام کے چار آدمی ہیں

ربیع بن سبرۃ الجھنی

اکیسویں حدیث

حسن ابن محمد ابن علی۔ حسن بن محمد بن علی بن اَبی طالب ہاشم ابومحمد مدنی

بائیسویں حدیث

عبداللہ بن محمد بن اَسماء؛ بن عبد بن مخارق ضبعی ابوعبدالرحمٰن بصری۔

جویریہ بن اَسماء بن عبید بن مخارق۔ مخراق الضبعی ابومخارق۔ ابواَسماء بصری

مالک

تئیس ویں حدیث

ابن عیینۃ

زھیر اس نام سے سولہ (۱۶) افراد ہیں۔

زھیر: (ج ۳ ص ۳۰۵)

سفیان بن عیینۃ: بن اَبی عمران میمون ھدالی ابومحمد کوفی۔ (ج ۴ ص ۱۰۴)

زھری۔

زھیر بن حرب

متوفی ۲۳۴ھ متولد ۱۶۰ھ۔ صاحب زھرہ کہتے ہیں کہ مسلم نے ان سے حدیث ۱۰۲۸۱ روایت کی ہیں۔

عبداللہ بن محمد بن علی اس نام سے دو افراد ہیں۔

عبداللہ بن محمد بن علی بن ابی طالب ہاشم۔ ابوہاشم کنیت ہے، متوفی ۹۸ھ یا ۹۹ھ۔

عبداللہ بن محمد بن علی بن نفیل بن زراع بن علی، متوفی ۲۳۴ھ۔

حسن

عبداللہ ابی محمد بن علی (ج ۶ ص ۱۶،۱۵)

چوبیسویں حدیث

محمد بن عبداللہ بن نمیر ہمدانی ابوعبدالرحمٰن کوفی حافظ

عبیداللہ دسیوں نام ہیں۔

ابن شہاب معلوم نہیں۔

عبداللہ ابنی محمد بن علی (ج۶ص ۱۶۱۵)

پچیسویں حدیث

ابوطاھر یا بوطاھر مصری۔احمد بن عمرو ب۱۵۵ یا ابوطاھر وارق کوفی۔محمد بن حسنن (ج۹ص ۱۰۱)

ابوطاہر۔احمد بن عمرو۔متوفی ۲۵۵ھ یا ۲۴۹ھ

محمد بن حسن تسینم حضرمی ابوطاہر، وارق کوفی۔

حرملۃ بن یحییٰ۔گزرچکا (ج۲ص ۲۰۱)

ابن وھب

یونس

ابن شہاب

حسن

عبداللہ بنی محمد بن علی بن ابی طالب (ج۶ص ۱۶۱۵)

روایات متعہ وسائل الشیعہ میں

کتاب وسائل شیعہ تالیف محمد بن حسن حر عاملی جلد ۲۱ باب ۴۰ میں ۲۶۳۵۶ سے ۲۶۵۷۹ تک احادیث جمع کی گئی ہیں۔جن میں متعہ کو متبادل زواج کی ترمیمی شق کے طور پر دکھایا گیا ہے جو پہلے مرحلہ میں کسی بھی سادہ لوح یا جنسی خواہشات سے لبریز جوان کیلئے سمجھنا ممکن ہے۔

راویان باب متعہ از کتاب وسائل الشیعہ

متعہ کے بارے میں وسائل الشیعہ کی روایات کی ایک تقسیم بندی؛

۱۔ روایات کا اکثر و بیشتر حصہ مرسلات ابتدائی، وسطی اور انتہائی سے پر ہے۔

۲۔ بہت سی روایات میں نام بطور مجمل، بغیر تخلص ولقب ونسبت کے پیش کیا گیا ہے جس سے معلوم نہیں ہوتا کہ راوی کونسا ہے، اس طرح وہ مجھول ہوجاتا ہے۔

۳۔ بہت سی روایتوں کے راوی ضعفاء سے روایات نقل کرنے یا پھر ضعفاء ان سے روایت نقل کرنے کے حوالے سے مشہور ہیں۔ اس قسم کی روایات قابل قبول نہیں، جیسے محمد بن یعقوب، علی بن ابراہیم اور ان کے باپ۔ محمد ابن یعقوب ضعفاء سے نقل کرتے ہیں جبکہ علی ابن ابراہیم غالی ہیں ان کی کتاب پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

۴۔ بہت سے راویان کا علمائے رجال کے نزدیک کاذب اور غالی ہونا ثابت ہے جیسے: سہیل ابن زیاد: جامع الرواۃ جلد ۱ ص ۳۹۳ کے تحت ضعیف، غالی اور غیر معتبر ہے۔

۵۔ بعض راویان کا نام علمائے رجال نے اپنی کتب میں بالکل ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

وسائل الشیعہ باب متعہ میں مندرجہ ذیل احادیث مراسل ہیں۔

۲۰۳۶۶_۲۶۳۶۶_۲۶۳۶۷_۲۶۳۶۹_۲۶۳۷۰_۲۶۳۷۱_۲۶۳۷۲_

۲۶۳۷۴_۲۶۳۷۵_۲۶۳۷۶_۲۶۳۷۷_۲۶۳۷۹_۲۶۳۸۰_۲۶۳۸۱_

۲۶۳۸۵_۲۶۳۸۶_۲۶۳۸۹_۲۶۳۹۱_۲۶۳۹۲_۲۶۳۹۵_۲۶۴۱۹_

۲۶۴۳۲_۲۶۴۵۳_۲۶۴۵۷_۲۶۴۶۸_۲۶۴۷۴_۲۶۴۸۱_۲۶۴۸۴_

۲۶۴۸۹_۲۶۴۹۱_۲۶۴۹۳_۲۶۴۹۴_۲۶۵۰۱_۲۶۵۰۲_۲۶۵۲۱_

۲۶۵۲۲_۲۶۵۲۳_۲۶۵۲۶_۲۶۵۲۸_۲۶۵۴۵_۲۶۵۴۹_۲۶۵۵۱_

۲۶۵۷۹_

ابواب متعہ، وسائل شیعہ میں (۴۵) احادیث مرسل مضمر ہے۔

۶۔ حدیث مرسل کسے کہتے ہیں اس کی کتنی اقسام ہے اور اس کا کیا حکم ہے اس بارے میں بھی کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ حدیث مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جن روایات میں راوی کو ابتدا' وسط یا انتہا میں چھوڑ کر آگے سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں علماء شیعہ کے تین قول ملتے ہیں۔

- حدیث مرسل جیسی بھی ہو قبول ہے۔ یہ احمد بن محمد بن خالد برقی کا نظریہ ہے۔
- شیخ طوسی، محقق حلی، علامہ حلی، شہید اول، شہید ثانی، کا کہنا ہے روایت مرسل بالکل مردود ہے۔
- اس میں تفصیل ہے بعض مراسل قبول ہیں بعض مردود' بعض احادیث مرسلہ قبول ہیں بعض نہیں۔ "عدۃ من اصحابنا"

۷۔ ان روایات میں کتنی روایات صریح آیات قرآن سے متصادم ہیں۔ ان روایات' میں سے اکثر صریح نص آیات قرآن کے خلاف ہیں۔ جس کی طرف موقع پر اشارہ کیا جائے گا۔

۸۔ ہر ایک روایت کے ذیل میں اس سے متعلق تبصرہ کریں گے۔

وسائل الشیعہ تالیف حر عاملی دیکھنے کے بعد اس بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ متعہ' زواج کے خلاف قرامطہ' باطنیہ' اسماعیلیوں' مجوسی مغربیوں کی اعلان کردہ مباح شاخوں میں سے ایک کا نام ہے۔

ہم یہاں کتاب وسائل الشیعہ میں متعہ کی فضیلت ہونے کے بارے میں وارد ہونے والی روایات بیان کریں گے تاکہ صاحبان تحقیق انصاف کرسکیں۔ ہم ان درج شدہ روایات کی ایک تقسیم بندی بھی پیش کریں گے کہ ان روایات میں سے بہت سی مرسلہ ہیں جنھیں علمائے رجال نے مسترد کیا ہے۔ وہ یا تو قرآن کریم وسنت رسول سے متصادم ہیں یا پھر عقل اور مسلمات اسلام سے متصادم ہیں۔ ان روایات پر بحث وتحقیق بررسی کو چند متراتب میں پیش کریں گے۔

ہم یہاں پر وسائل الشیعہ کے باب متعہ میں وارد روایتوں کے راویوں کا کتب رجال سے استقصاء کر کے استعلام کریں گے۔ متعہ کے بارے میں وارد روایات چاہے صحاح ستہ میں ہوں یا کتب مجامع روائی شیعہ جیسے وسائل شیعہ وغیرہ میں، ان سب کو علماء حدیث کی طرف سے وضع کردہ محک اور کسوٹیوں سے گزارنا ہوگا۔ علماء حدیث نے روایات کی چھان بین کیلئے پہلے مرحلے میں صحت سقم کی بنیادی دو کسوٹیاں وضع کی ہیں۔

۱۔ اس کی سند صحیح ہو۔ سند صحیح سے مراد اس کی سند جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں سے لے کر انتہا تک یعنی جس سے حدیث اخذ کی گئی ہے وہ تمام اشخاص عادل، حافظ، ضابط حدیث سے تسلسل میں انتہا کو پہنچائے ہو۔

۲۔ حدیث کا متن مضمون اپنی جگہ صحیح ہو۔

حدیث کو مقبول اور غیر مقبول میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حدیث مقبول کو اہلسنّت نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

- حدیث صحیح۔
- حدیث حسن اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ روات، سب مشہور ومعروف ہوں۔ علماء فقہاء اس پر عمل کرتے ہوں بیچ میں ایسا فرد نہ ہو جو شاذ یا متہم ہو۔
- حدیث ضعیف کی علماء نے یوں تعریف کی ہے کہ جس حدیث میں تمام راوی تسلسل میں نہ ہوں۔ اس کی علماء نے چند قسمیں بیان کی ہیں معلق، مرسل، معزل، منقطع۔ اگر یہ صفات حدیث میں پائی جاتی ہیں تو وہ حدیث مردود ہوگی۔
- مضمون کا روایت کے حوالے سے محتویٰ اپنی جگہ صحیح ہے یا نہیں اس سلسلے میں بھی بعض بزرگان نے صحت وسقم کی کسوٹی اپنے فہم ودرک فراست کو قرار دیا ہے۔ اس کی واضح مثال زیارت جامعہ ہے کہتے ہیں اس کے راوی معتبر نہیں لیکن اس کا مضمون اپنی جگہ درست ہے۔ اس درستگی کو انہوں نے شاید اپنے فہم ودرک سے نسبت دی ہے۔ اس طرح ہر شخص اس متن کو درست قرار دے سکتا ہے۔
- محتوی مضمون عقل آیات قرآن کے مطابق ایسے معنی پر مشتمل ہو جو نا قابل تردید

ہوں۔

❁ معقولات وہ محسوسات عقلاء کے خلاف نہ ہو جس کے بارے میں عقلاء شک و تردد نہ رکھتے ہوں۔

❁ وہ محتوی مضامین جو روایت معتبر و مستند کے مطابق ہوں۔

اگر کوئی روایت ان تین مسلمات کے خلاف ہوگی تو اُس روایت کو جو سند کے حوالے سے تو درست ہے لیکن متن کے حوالے سے مردود قرار پائی ہے انھیں علماء حدیث کے وضع کردہ حقائق اور مسلمات کے سامنے رکھنے کے بعد ہم ان روایات کا جائزہ لیں گے جو جواز متعہ کے بارے میں کتب روائی میں آئی ہیں۔

وسائل الشیعہ ج۲۱ص ۵ حدیث ۲۶۳۵۶ میں محمد بن یعقوب نے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے: امام محمد باقر سے متعہ کے بارے میں پوچھا گیا تو امام نے سورہ نساء کی آیت ۲۲ کا حوالہ دیا۔

تبصرہ

محمد بن یعقوب ضعفاء سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جن سے نقل کیا گیا ہے ان میں سب سے اہم "سہیل بن زیاد" ہے جو مسلم ضعیف شخص تھا۔

حدیث ۲۶۳۵۷: یہ حدیث صاحب وسائل نے کافی' تہذیب' استبصار سے نقل کی ہے۔

اس روایت میں محمد ابن اسماعیل نے فضل ابن شاذان سے' انہوں نے صفوان بن یحیٰ' انہوں نے ابن مسکان سے' انہوں نے عبد اللہ بن سلیمان سے اور انہوں نے امام محمد باقر سے نقل کیا ہے۔

اس میں کہا ہے اگر مجھ سے پہلے بنی خطاب حاکم نہ ہوتے تو کسی شقی کے علاوہ کوئی زانی نہ ہوتا۔

تبصرہ

محمد بن اسماعیل ضعیف ہے۔

۱۔ اس روایت میں ایک بحث راویوں کی ہے کہ وہ کہاں تک ثقہ ہیں۔

۲۔ متن میں دو باتیں ہیں۔ عمر بن خطاب نے متعہ کو حرام قرار دیا جبکہ اسے یہ حق حاصل نہیں تھا۔ ادھر سوال یہ ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی حکومت کے دور میں عملاً اس پابندی کو ختم کیوں نہیں کیا کیونکہ تنسیخ حکم رسول اللہ ناجائز ہے۔ اور اگر گذشتہ خلیفہ نے قرآن وسنت رسول کے خلاف حکم صادر کیا تھا تو علیؑ کو اسے منسوخ کرنا چاہیے تھا۔

حدیث ۲۶۳۵۸: محمد ابن یعقوب نے علی ابن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابن ابی عمیر سے اور انہوں نے بطور مرسل امام صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امام نے فرمایا: نساء ۲۴ میں "الیٰ اجل المسمیٰ" تھا۔

تبصرہ

۱۔ علی ابن ابراہیم، اکثر و بیشتر روایات باب ضعفاء سے نقل کرتے تھے لہٰذا ضعفاء سے نقل کرنے والوں کی حدیث مقبول نہیں۔

۲۔ ابن ابی عمیر کی امام صادق سے نقل شدہ حدیث مرسلہ ہے یعنی یہ حدیث درمیان میں مقطوع الراوی ہے۔

۳۔ یہاں متعہ کو تسلیم کریں تو تحریف قرآن کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ آیت میں تحریف کرکے متعہ ثابت کیا گیا ہے۔

حدیث ۲۶۳۵۹: اس میں ہاشم بن قمی نے ابن ابی عمیر سے انہوں نے عمیر ابن عضینہ، انہوں نے زرارہ سے نقل کیا کہ وہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن عمیر لیثی امام باقر کے پاس آیا اور امام سے متعہ نساء کے بارے میں پوچھا۔ امام نے فرمایا خدا نے اپنی کتاب اور نبی کی سنت میں اسے جائز قرار دیا ہے لہٰذا یہ قیام قیامت تک حلال ہے۔ عبداللہ بن عمیر نے کہا اے ابا جعفر! آپ جیسی ہستیاں بھی ایسی بات کرتی ہیں جبکہ عمر نے اسے حرام کیا ہے اور نہی کی ہے۔ امام نے فرمایا کہ وہ کیوں حرام قرار دے سکتا ہے۔ لیثی نے کہا میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں جو چیز عمر نے حرام قرار دی ہے اسے آپ حلال نہ کریں۔ امام نے اس سے فرمایا تم اپنے صاحب کے مذہب پر ہو میں قول رسول اللہ پر ہوں۔ تم ہم سے الگ

ہو جاؤ حق وہی ہے جو رسول اللہ نے فرمایا اور باطل وہی ہے جو تمہارے صاحب نے کہا ہے۔عبداللہ ابن عمر نے پھر پلٹ کر امام سے کہا: آپ کو یہ پسند ہے کہ آپ کی خواتین' بیٹیاں اور بہنیں اور آپ کی چچازاد بہنیں متعہ کریں۔جب آپ کی خدمت میں آپ کی خاندان کی خواتین کا ذکر کیا گیا تو امام نے اس سے منہ موڑ لیا۔

تبصرہ

۱۔ اس میں جو راوی ہیں ان پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

۲۔ جب قرآن اور سنت نبیؐ میں متعہ جائز ہے اور آپ بھی اس کے جائز ہونے کے داعی ہیں تو اپنی خواتین کے متعہ کا ذکر آنے پر امام کو منہ نہیں موڑنا چاہیے تھا۔ بلکہ آپ کو تو یہ فرمانا چاہیے تھا کہ جب شریعت میں جائز ہے تو ہماری طرف سے اجازت ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

حدیث ۵: محمد ابن یحییٰ نے عبداللہ ابن عمر سے انہوں نے علی ابن حکم سے' انہوں نے آبان بن عثمان سے' انہوں نے ابی مریم سے انہوں نے ابی عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا متعہ کا جواز قرآن میں ہے اور اسی پر نبیؐ کی سنت چلی ہے۔اس روایت کو شیخ یعقوب کلینی نے نقل کیا ہے۔

﴿۲۶۳۶۱﴾

حدیث ۶: علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے' انہوں نے ابن ابی عمیر سے' انہوں نے علی ابن حسن ابن زیاد سے' انہوں نے حریص سے' انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم نے ابی حنیفہ کو امام صادق سے سوال کرتے ہوئے سنا اور انہوں نے متعہ کے بارے میں سوال کیا۔

امام نے فرمایا کس متعہ کے بارے میں پوچھتے ہو۔ابی حنیفہ نے کہا متعہ حج ونساء کے بارے میں کیا حق ہے یا نہیں۔امام نے کہا: سبحان اللہ! کیا کتاب نہیں پڑھتے۔پھر امام نے یہ آیت (نساء:۲۴) کی تلاوت کی تو ابو حنیفہ نے کہا: سبحان اللہ! کیا کہنے یہ آیت مجھے ابھی ابھی یاد آئی (یعنی کبھی یہ آیت نہیں پڑھی)۔

حدیث۲۶۳۶۲: علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے' انہوں نے علی ابن اسباط سے اور انہوں نے ہمارے بعض اصحاب سے' انہوں نے محمد ابن مسلم سے اور انہوں نے امام محمد باقر سے کہ امام نے فرمایا خدا نے تم پر مہربانی کی ہے اور تمہیں شراب کے بدلے میں متعہ دیا ہے۔

تبصرہ

۱۔ علی ابن ابراہیم کا ان کے باپ سے اور ان کا ابن ابی عمیر سے تذکرہ پہلے کر چکے ہیں۔

۲۔ باقیوں کے بارے میں تحقیق موقع پر آئیں گی۔

۳۔ جس آیت سے استناد کیا گیا ہے' وہ قرآن میں تحریف ثابت ہونے کے بعد ہی صحیح تصور ہو گی۔

۴۔ اس میں یہ بھی کوشش کی گئی ہے ابو حنیفہ قرآن سے بالکل نا آشنا انسان تھے۔ جسے مملکت وسیع اسلامی کے خلیفہ مقتدر و مسلط منصور دوانیقی قیادت کی پیشکش کرے' اور وہ اسے وہ قبول نہ کرے' اور منصب قضاوت کے لائق انسان کو یہ آیت نہیں آتی تھی۔ اس کے علاوہ ابو حنیفہ اور امام صادق کے ملاقات کو بھی ثابت کرنا ضروری ہے۔

حدیث ۷: علی ابن ابراہیم اپنے باپ سے اور انہوں نے علی ابن اثبات سے انہوں نے بعض اصحاب سے انہوں نے محمد ابن مسلم سے انہوں نے امام باقر سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا تو امام نے فرمایا، اللہ نے تم پر مہربانی کی ہے اور متعہ کو شراب کے عوض جائز قرار دیا ہے۔

تبصرہ

۱۔ علی ابن ابراہیم اور ان کے باپ کے بارے میں وضاحت ہو گئی ہے۔

۲۔ علی ابن اسباط نے جن بعض اصحاب سے روایت کی ہے وہ مجھول الحال ہیں۔

۳۔ متعہ کی شراب کے عوض بطور مہربانی کا کوئی مطلب نہیں۔ شریعت میں ایک حرام سے روکنے کے بعد کوئی اور حرام عوض میں نہیں دیا جاتا ہے۔ شراب اور زنا دونوں

ایک ہی چیز ہے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

حدیث ۸: محمد ابن یحییٰ نے احمد بن محمد سے انہوں نے عباس ابن موسیٰ سے انہوں نے اسحاق بن عمار سے انہوں نے ابی سارہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام صادق سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو امام نے فرمایا حلال ہے۔

تبصرہ

اس میں ان راویوں پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

حدیث ۹: محمد ابن علی ابن حسین نے عبداللہ بن سنان سے نقل کیا ہے انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ امام نے فرمایا: اللہ نے ہمارے شیعوں کیلئے شراب کو حرام کیا اور اس کے بدل میں متعہ دیا ہے۔

تبصرہ

اس کا مطلب یہ ہوا کہ فاسد کا بدل بھی فاسد ہی ہوگا۔

حدیث ۱۰: امام صادق سے نقل کیا ہے۔ وہ شخص ہم سے نہیں جو ہماری رجعت کا قائل نہیں اور ہمارے متعہ کو جائز نہیں سمجھتا۔

تبصرہ

۱۔ یہ حدیث مرسل ملی ہے۔ وسائل الشیعہ نے مستقیماً امام صادق سے نقل کی ہے یعنی بارہویں صدی کے عالم نے سیدھا دوسری صدی کے امام سے سوال کیا ہے۔

۲۔ امام نے فرمایا وہ شخص ہم سے نہیں جو ہماری رجعت کا قائل نہیں۔ رجعت کا بطلان ہونا تحقیق وعلما کے پاس مسلم ہے۔ رجعت اپنی جگہ عقیدہ کیسانی ہے۔

۳۔ اس میں امام سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارے متعہ کو حلال نہیں سمجھتا۔ یہاں سے یہ بات نکلتی ہے کہ متعہ قرآن وسنت میں نہیں بلکہ ہمارا جائز کیا ہوا ہے۔

حدیث ۱۱: امام رضا سے منقول ہے کہ متعہ حلال نہیں سوائے اس کے جو متعہ کو جانتا ہو اور اس کیلئے حرام ہے جو نہیں جانتا۔

حدیث ۲۶۳۶۳: تنقیح المقال طبع جدید جلد ۷ ص ۱۴۳ پر لکھتے ہیں احمد بن محمد کنیت عباس۔ یہ

ابن عقدہ کے نام سے مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

حدیث ۲۶۳۶۵: میں امام صادقؑ سے نقل ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں رکھتا اور متعہ کو جائز نہیں سمجھتا۔

تبصرہ

مرسلہ ہے۔ یہ حدیث غور طلب ہے۔ اس حدیث میں متعہ کو رجعت کے برابر تصور کیا گیا ہے۔ رجعت کے بارے میں صاحب وسائل الشیعہ کی ایک خاص کتاب ہے جس میں انہوں نے رجعت کے ثبوت میں چھ سوتیں حدیث اور چونسٹھ آیت پیش کیں ہیں۔ رجعت سے کوئی یہ نتیجہ تو اخذ کرسکتا ہے کہ آئمہ دوبارہ واپس آئیں گے اور زمین پر حکومت قائم کریں گے تو ان کی عظمت، بزرگی، خلائق کیلئے روشنی ہوجائے گی لیکن شہوت پرستوں کے متعہ کرنے سے آئمہ کو کیا فائدہ ہوگا؟

اس قدر احادیث سے ثابت شدہ رجعت کے بارے میں علامہ مظفر عقائد امامیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے پاس ثابت نہیں۔ علامہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء، اصل اصول شیعہ میں فرمایا ہے رجعت کی ہمارے پاس ایک تنکے کی بھی قیمت نہیں۔ واضح ہوا کہ کسی چیز کے بارے میں کثرت روایات کا ثابت ہونا اس کی حجیت کیلئے کافی نہیں۔ جس طرح کثرت روایت سے رجعت ثابت نہیں ہوئی اسی طرح کثرت روایت سے متعہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا، جب تک روایت کے حجت ہونے کیلئے مقرر شرائط پوری نہ ہوجائیں اور تمام راوی صحیح نہ ہوں۔

﴿۲۶۳۶۹﴾

حدیث ۱۷: مرسل ہے۔ امام صادقؑ سے زنا میں چار گواہ رکھنے کے بارے میں پوچھا تو نعوذ باللہ امام نے جواب دیا: اللہ نے تمہارے لئے متعہ حلال کیا ہے لوگ اسے پسند نہیں کرتے ہیں اس کو زنا سمجھتے ہیں جبکہ تمہیں بچانے کیلئے اسے حلال کیا گیا ہے۔

حدیث ۲۶۳۶۹: احمد بن محمد بن عیسیٰ بن احمد بن عیسیٰ۔ تنقیح المقال جلد ۸ ص ۱۳ پر لکھتے ہیں یہ صاحب شیخ صدوق کے استادوں میں سے تھے۔ سید تھے لہٰذا اسے روایت حسن میں شمار کیا

ہے۔ تنقیح المقال لکھتے ہے پھر خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

حدیث۲۶۳۷۰: مرسلہ اور عیون اخبار سے ہے۔

حدیث۲۶۳۷۱: مرسلہ ہے۔

تبصرہ

۱۔ روایت مرسلہ ہے۔

۲۔ معرفت متعہ اور مہارت متعہ واضح نہیں ہے۔ یعنی متعہ کی معرفت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک سرقتی نکاح ہے۔

حدیث۱۲: پیغمبرؐ نے متعہ کو حلال قرار دیا ہے اور حرام نہیں کیا یہاں تک کہ پیغمبرؐ دنیا سے گزر گئے۔

تبصرہ

یہ حدیث بھی مرسلہ ہے جو تحریف قرآن کو ثابت کرتی ہے۔

حدیث۱۳: ابن عباس نے سورۂ نساء کی آیت ۲۴ سے استدلال کیا ہے۔ کہ یہاں الیٰ اجل مسمیٰ تھا۔

تبصرہ

۱۔ حدیث مرسلہ ہے۔

۲۔ جواز متعہ قرآن میں تحریف کر کے ثابت کیا گیا ہے حالانکہ قرآن میں لفظی تحریف ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

حدیث۱۴: امام صادقؑ سے کہا گیا کہ زنا میں چار گواہ اور قتل میں دو گواہ کیوں رکھے گئے۔ امام نے فرمایا (نعوذ باللہ) اللہ نے تمہارے لئے متعہ کو حلال کیا ہے اور اللہ کو پتہ ہے کہ لوگ متعہ کو پسند نہیں کرتے۔ اللہ نے متعہ کو تمہارے لئے حلال قرار دیا کیونکہ اللہ جانتا تھا کہ بعد میں تمہارے خلاف لوگ اس متعہ کو زنا قرار دے کر تم پر حد جاری کریں گے اسی وجہ سے اللہ نے زنا کرنے والے پر حد جاری کرنے کیلئے چار گواہوں کی شرط رکھ دی تا کہ نہ چار گواہ مل سکیں اور نہ حد جاری ہو۔ اس طرح اللہ نے متعہ کرنے والوں کو بچایا ہے۔

علل الشرائع میں علی ابن ابراہیم نے عبداللہ بن جعفر حمیری سے' انہوں نے احمد بن محمد ابن عیسیٰ سے' انہوں نے علی ابن اثیم سے اور انہوں نے کسی اور سے' اور اس نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے۔اسی طرح برقی نے ایک محاسن میں علی ابن اثیم سے نقل کیا ہے۔

تبصرہ

۱۔ یہ حدیث اپنی جگہ مرسلہ ہے۔انہوں نے مستقیماً امام صادق سے نقل کیا ہے۔

۲۔ اس میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ نے زنا میں چار شاہد و گواہ رکھے ہیں چونکہ یہ عام طور پر ممکن الحصول نہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ متعہ زنا یا زنا کی شاخ ہے۔وہ خود ڈر کر سوال کو مفروضہ بنا کر امام سے جواب لیتے ہیں۔ورنہ اگر یہ ممکن الحصول نہ ہوتا تو اللہ نے اپنی کتاب میں اسے کیوں رکھتا۔

۳۔ عبداللہ بن جعفر حمیری' احمد ابن محمد ابن عیسیٰ علی ابن اثیم اور علی ابن احمد ابن اثیم اور برقی کے بارے میں تحقیق کرنی ہوگی۔

حدیث ۱۵: عیون الاخبار میں فضل ابن شاذان سے اور انہوں نے امام رضا سے نقل کیا ہے۔ امام نے ایک خط مامون کو بھیجا اس میں لکھا: اسلام خالص شہادت لا الہ الا اللہ ہے۔اس کے بعد فرمایا: متعہ کا جواز اللہ نے اپنی کتاب اور سنت نبی میں نازل کیا ہے متعہ نساء اور متعہ حج۔

تبصرہ

۱۔ حدیث اپنی جگہ مرسلہ ہے۔عیون اخبار میں کس سے نقل کیا گیا ہے معلوم نہیں۔ مستقیماً فضل ابن شاذان سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ فضل ابن شاذان کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔

حدیث ۱۶: کتاب مقنع شیخ مفید میں رسول اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اللہ نے متعہ کو حلال قرار دیا پھر خدا نے اسے حرام قرار نہیں دیا اور یہاں تک کہ پیغمبرؐ رخصت ہو گئے۔

تبصرہ

یہ حدیث بھی مرسلہ ہے۔

حدیث ۱۷: عبداللہ ابن جعفر نے قرب الاسناد میں کہا ہے۔قرب الاسناد میں احمد ابن اسحاق'

انہوں نے بکرابن محمد سے انہوں نے امام صادقؑ سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو امامؑ نے نساء ۲۴ کی تلاوت کی۔

تبصرہ

۱۔ اس آیت سے استدلال متعہ، تحریف قرآن کو ثابت کرنے کے بعد ہی مکمل ہوگا۔

۲۔ اس روایت میں عبداللہ بن جعفر، احمد ابن اسحاق، بکرابن محمد کے بارے میں تحقیق کی ضرورت ہے۔

حدیث ۱۸: علی ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں احمد بن ادریس سے انہوں نے احمد بن محمد سے انہوں نے مالک بن عبداللہ بن اسلم انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے مرد سے انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا سورہ فاطر آیت ۲ میں متعہ اس آیت کا مصداق ہے۔

تبصرہ

۱۔ اس آیت کے کس کلمہ سے متعہ ثابت ہوتا ہے یہ دیکھنا ضروری ہے۔

۲۔ احمد ابن ادریس، احمد ابن محمد، مالک بن عبداللہ ابن اسلم کے بارے میں دیکھنا ہوگا۔

حدیث ۱۹: امام صادقؑ نے سورہ نساء کی آیت ۲۴ میں الیٰ اجل مسمیٰ تقدیر فرض کر کے اس سے متعہ کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

تبصرہ

۱۔ حدیث مرسلہ ہے۔

۲۔ یہ واضح ہے کہ تحریف قرآن ثابت ہونے کے بعد ہی اس کا استدلال مکمل ہوگا۔

حدیث ۲۰: عیاشی نے اپنی تفسیر میں محمد ابن مسلم سے انہوں نے امام باقرؑ سے انہوں نے جابر ابن عبداللہ اور انہوں نے رسول اللہ سے نقل کیا ہے کہ لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ میں گئے تو پیغمبرؐ نے متعہ حلال قرار دیا اور اسے پھر حرام نہیں کیا۔ اور فرمایا حضرت علیؑ فرماتے تھے: اگر مجھ سے پہلے ابن خطاب اسے حرام قرار نہ دیتے تو شقی کے علاوہ کوئی زنا نہیں کرتا۔

ابن عباس اس آیت (نساء:۲۴) کو پڑھنے کے بعد الیٰ اجل مسمیٰ لکھتے تھے اور کہتے تھے یہ لوگ رسول اللہ پر کفر باندھتے ہیں۔ نبی نے اسے حلال کیا اور حرام قرار نہیں دیا ہے۔

تبصرہ

۱۔ عیاشی بذات خود روایات ضعیف نقل کرنے میں مشہور ہیں۔

۲۔ انہوں نے بطور مرسل محمد ابن مسلم سے نقل کیا ہے۔

۳۔ جابر انصاری رسول اللہ کے ساتھ کس جنگ میں شریک تھے؟ وہ کون سی جنگ ہے جس میں متعہ حلال ہوا؟ انہوں نے خود بھی متعہ کیا تھا یا نہیں؟ اگر کیا' تو کس خاتون کے ساتھ کیا۔

حدیث ۲۱: محمد ابن نعمان مفید' انہوں نے رسالہ متعہ میں حضرت علیؑ اور دیگر آئمہؑ سے نقل کیا ہے وہ متعہ کو مباح سمجھتے تھے۔

حدیث ۲۲: فضل شیبانی' امام باقرؑ سے منسوب کر کے کہتا ہے: عبداللہ بن عطاء مکی نے "واذا اسر النبی" (تحریم:۳) کی آیت کے بارے میں پوچھا۔ امام نے فرمایا: پیغمبرؐ نے ایک آزاد عورت سے متعہ کیا' آپ کی بعض خواتین کو پتہ چلا تو انھوں نے آپ کی طرف زنا کی نسبت دی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا یہ میرے لئے حلال ہے۔ یہ ایک نکاح ہے اجل کے ساتھ اسے چھپا کر رکھو۔ اس کے بعد بعض ازواج کو اس کا پتہ چلا۔

تبصرہ

۱۔ یہ روایت بھی مرسلہ ہے۔

۲۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنی بعض ازواج کو راز بتایا تھا۔

۳۔ کہتے ہیں رسول اللہ نے اسے مخفی رکھا تھا لیکن ازواج کو پتہ چل گیا۔

۴۔ ازواج پیغمبرؐ نے پیغمبرؐ پر تہمت لگائی لہٰذا ان پر حد جاری ہوتی ہے۔

۵۔ اسے چھپا کر رکھو۔ نکاح کرنے کے بعد اس پر احکام وارد ہوتے ہیں جن میں سے ایک حکم اولاد کا انتساب ہے۔ اسی طرح اگر نکاح مستور کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو اولاد کس سے منسوب ہوگی۔ متعہ میں کتمان نکاح سے نکاح کے بارے میں خدشہ لاحق ہوتا ہے۔

حدیث ۲۶۳/۱۷: کتاب مقنع سے نقل ہے رسول اللہ نے متعہ کو حلال قرار دیا اور اسے حرام قرار

نہیں دیا حتیٰ کہ آپ نے وفات پائی جبکہ اس بارے میں وارد روایات کا کہنا ہے کہ متعہ کو آپ نے کئی بار حلال اور کئی بار حرام قرار دیا ہے۔

حدیث ۲۶۳۷۲: تنقیح المقال جلد ۵ ص ۲۹۴، احمد بن اسحٰق ابہری۔ کہتے ہیں ان کے بارے میں کتب رجال میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ شخص مجمل ہے۔ ممکن ہے یہ شخص احمد بن اسحٰق اشعری ہو۔ اشعری کی جگہ ابہری کہا ہو، احمد بن اسحٰق اشعری کنیت ابوعلی قمی ہے۔ (ص ۳۰۱)

حدیث ۲۶۳۷۷: میں فضل شیبانی نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن عطاء مکی نے امام سے سورۂ نساء کی آیت ۲۴ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: پیغمبرؐ نے ایک آزاد عورت کے ساتھ متعہ کیا آپ کی بہت سی زوجات کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے آپ کو زنا پر متہم کیا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے، لئے حلال ہے۔ یہ ہم نے ایک مدت کے تحت کیا ہے۔

تبصرہ

روایت مرسلہ ہے۔ ساتھ ہی اس میں اُس عورت کا ذکر نہیں جس سے پیغمبر نے متعہ کیا۔ اس میں پیغمبرؐ کی زوجات کو متہم کیا گیا ہے جو پیغمبرؐ کے بارے میں تہمت وافتراء سے گریز نہیں کرتی تھیں۔

حدیث ۲۶۳۷۸: میں ابن بابویہ میں بلا سند حضرت علیؑ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ علیؑ نے کوفہ میں بنی نحشل کی ایک عورت سے متعہ کیا۔

حدیث ۲۶۳۷۹: میں اسناد کثیرہ سے ابی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے' انہوں نے امام صادقؑ سے پوچھا کیا آیہ متعہ نسخ ہوگئی ہے تو آپ نے فرمایا اگر عمر نہی نہ کرتے تو سوائے شقی کے کوئی اور زنا نہ کرتا۔

تبصرہ

یہاں باعث تعجب بات یہ ہے کہ عمر کے نہی کی پروانہ کرنے والے مدعیانِ ولایت سے فاحشہ خانے' نیلام گھر کیوں پُر ہیں۔

حدیث ۲۶۳۷۹: احمد بن اشیم رجال' تنقیح المقال' طبع جدید جلد ۵ ص ۳۲۹۔ ان کے بارے میں لکھتے ہیں علامہ حلیؒ دور' جامع الرواۃ' نجاشی نے نقل کیا ہے لیکن ان کا نام نہیں لیا ہے۔

محقق نے معتبر میں کہا ہے کہ وہ ضعیف اور مجہول الحال ہے۔

حدیث۲۶۳۸۱: میں اسماعیل بن ابی خالد نے قیس ابن ابی حازم سے انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ہم پیغمبر کے ساتھ جنگ میں تھے۔ ہماری بیویاں ہمارے ساتھ نہیں تھیں ہم نے رسول اللہؐ سے کہا کیوں نہ ہم یہاں اجرت دے کر عقد کرلیں۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ عورت کو ایک لباس دے کر راضی کرو۔

حدیث۲۶۳۸۲: میں عمر ابن دینار نے حسن بن محمد اور انہوں نے جابر سے نقل کیا کہ پیغمبرؐ کی کی طرف سے ندا دینے والا باہر آیا اور اس نے کہا پیغمبر نے تمہیں اجازت دی ہے کہ متعہ کرلو۔

حدیث۲۶۳۸۳: میں یونس نے زہری سے، انہوں نے عروۃ ابن زبیر سے، انہوں نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ متعہ رسول اللہ کے زمانے میں رائج تھا۔

حدیث۲۶۳۸۷: میں محمد ابن حسن نے محمد ابن احمد ابن یحیٰی سے اور انہوں نے امام ابی جعفر محمد باقرؑ سے، انہوں نے ابی جوزا سے، انہوں نے حسین ابن علوان سے، انہوں نے عمر ابن خالد سے، انہوں نے زید ابن علی سے اور انہوں نے حضرت علی سے نقل کیا کہ پیغمبر نے خیبر کے دن شہری گدھے اور متعہ دونوں کو حرام قرار دیا ہے۔

تبصرہ

اس سے معلوم ہوا کہ متعہ کی حیثیت ایک شہری گدھے کے برابر ہے۔

حدیث ۲۶۳۸۸: میں محمد ابن علی ابن حسین نے بکر ابن محمد سے، انہوں نے ابی عبداللہ سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو ابی عبداللہ نے کہا مجھے مکروہ محسوس ہوتا ہے کہ مسلمان دنیا سے چلا جائے اور وہ پیغمبر کی سنت پر عمل نہ کرے۔ یعنی اس نے متعہ نہ کیا ہو۔

حدیث۲۶۳۹۰: میں صالح بن عقبہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا: کیا متعہ کا ثواب ہے؟ فرمایا اگر خدا کی رضایت اور منکرین متعہ کی مخالفت میں کیا جائے تو اس سلسلے میں ایک کلمہ منہ سے صادر ہوتے ہی اس کیلئے ایک حسنہ لکھا جائے گا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہی حسنہ شمار ہوگا۔ عورت کے نزدیک ہوتے ہی گناہوں کی بخشش ہو

جائے گی۔ غسل کرتے ہوئے پانی کا ہر قطرہ پانی جو بالوں سے گرے گا اسی اندازے سے گناہ بخشے جائیں گے" یعنی ہر بال کے برابر"۔

تبصرہ

کسی عالم دین نے ہمارے علاقے کے ایک دانشور، ماسٹر موسیٰ جان سے کہا کہ متعہ کے بعد غسل کا پانی فرشتے پیتے ہیں تو انہوں نے کہا یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس میں جراثیم ہوتے ہیں۔

۱۔ صالح بن عقبہ: کذاب شخص ہے۔ (ج ۱ ص ۴۰۷)

۲۔ بقول مدعیان، متعہ، دائمی کے بعد ہے یعنی دائمی کی فرع ہے۔ دائمی کو چھوڑ کر فرع کیلئے اتنی فضیلت کہاں سے آئی ہے؟

۳۔ زواج انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ایک ہے لیکن کئی دیگر ضروریات سے کہیں درجہ نیچ اور پست ہے۔ جیسے کھانا پینا اہم ترین ضرورت میں سے ہے۔ اس اصول کے تحت ہر لقمہ، ہر بوند پانی کیلئے ثواب ہونا چاہیے۔ نیند انسان کی ضرورت میں سے ایک ہے جس کے بغیر انسان چند دن بھی نہیں رہ سکتا، اس کیلئے بھی ثواب ہونا چاہیے۔ لباس کے بغیر ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں رہ سکتا لہٰذا اس کیلئے بھی ثواب ہونا چاہیے۔

۴۔ روایات میں انسان کی گمراہ ہونے کے اسباب میں سے ایک جنسیت ہے لہٰذا قرآن کریم میں جنسیت کو کنٹرول کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے۔ حضرت یحیٰ کی شادی نہ کرنے پر ان کی مدح کی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث قصر متعہ کو پاش پاش کرنے کیلئے کافی ہے۔

حدیث ۲۶۳۹۱: بغیر کسی راوی کے امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ نے جب نبیؐ کو آسمان پر پہنچایا تو جبرئیلؑ ملے، جبرئیل نے عرض کی: یا محمدؐ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ سے کہا ہے کہ ہم نے آپ کی امت کی متعہ کرنے والی عورتوں کو بخش دیا ہے۔

حدیث ۲۶۳۹۲: میں کہتے ہیں مومن کا ایمان مکمل نہیں ہوتا جب تک متعہ نہ کرے۔

تبصرہ

نمی دانم کہ دنیا میں کتنے انبیاء ہوں گے کہ جن کا ایمان ناقص ہوگیا ہوگا۔

حدیث۲۶۳۹۳: خصال میں انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حماد ابن یعلی بن حماد سے انہوں نے باپ سے انہوں نے حماد ابن عیسیٰ سے انہوں نے حرید بن عبداللہ انہوں نے زرارہ بن عبداللہ اعین سے انہوں نے امام باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا مومن کا کھیل تین چیزوں میں ہے۔عورتوں سے متعہ کرنا' مذاق کرنا' تہجد پڑھنا۔

تبصرہ

کھیل چندین آیات قرآن کے مطابق ایک مذموم عمل ہے۔تو کیا نماز تہجد بھی کھیل ہے یعنی مذاق اور تہجد برابر ہیں۔

حدیث۲۶۳۹۴: محمد ابن حسن نے مصباح میں انہوں نے ابی عمیر سے انہوں نے ہشام سے اور انہوں نے ابی عبداللہ سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا میں مرد کیلئے پسند کرتا ہوں کہ وہ دنیا سے نہ جائے جب تک ایک دفعہ متعہ نہ کرلے اور جمعہ کے دن جماعت نہ پڑھے۔یعنی جمعہ اور متعہ برابر ہے۔

یہ روایات یا تو مرسلات ہیں یا تدلیس وتقطیع پر مشتمل اور اسناد سے عاری مرسلات ہیں جبکہ بعض آیات قرآن سے متصادم ہیں اور بعض روایات عورتوں کے حق میں اہانت' تذلیل و تحقیر ہیں کیونکہ ان روایات میں عورت کو تمام حقوق زوجیت سے محروم کیا گیا ہے۔متعہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہونے کی صورت میں اسے کسی عدالت میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔گویا دین میں یہ شق حرج ومرج' لا اُبالی' من مانی اور بدمعاشی پر مشتمل ہے یہاں کسی قسم کا قانون نہیں سوائے مباح کے قانون کے' جسے صرف روایات اہل بیتؑ کے نام سے خود چلا کر تحفہ اہل بیتؑ قرار دیا گیا ہے۔ہم جن اہل بیتؑ کی بات کرتے ہیں وہ (نعوذ باللہ) کیا شہوت اور جنسیات پر مبنی گندی چیزوں کا تحفہ دیتے ہیں؟

ان روایات میں اکثر تقطع یعنی بیچ سے کٹی ہوئی ہیں۔اور کئی روایات ضعف اور متروک پائی گئی ہیں۔

"اگر متعہ کے چھوڑنے کی قسم کھائی ہو یا اسے چھوڑنے کی نذر کی ہو" وسائل شیعہ جلد ۲۱ ص ۱۶، باب ۳ میں اس عنوان کے ذیل میں شمارہ حدیث ۲۶۴۰۳۔ ۲۶۴۰۴۔ ۲۶۴۰۵ میں پانچ حدیث بیان کی گئی ہیں۔

حدیث ۲۶۴۰۳: "متعہ عہد و پیان اور نذر توڑ کر بھی کریں" محمد ابن یعقوب نے علی ابن ابراہیم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ابن محبوب سے انہوں نے علی ساعی سے نقل کیا انہوں نے ابا الحسن سے کہا میں متعہ کرتا تھا مجھے اس سے کراہت ہوئی تو میں نے رکن و مقام کے درمیان اللہ سے عہد کیا اور نذر کی کہ روزے رکھوں اور کبھی متعہ نہیں کروں گا۔ پھر مجھ پر گراں گزرا میں نے یہ قسم کیوں کھائی۔ میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ میں اعلانیہ شادی کروں، امام نے فرمایا تم نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اس کی اطاعت نہ کرو گے، اگر تم نے اسکی اطاعت نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے اس کی معصیت کی ہے۔

حدیث ۲۶۴۰۴: محمد ابن علی ابن حسین نے جمیل بن صالح سے نقل کیا ہے ہمارے بعض اصحاب نے امام صادقؑ سے کہا مجھے متعہ کے بارے میں کراہت سی محسوس ہوتی ہے لہذا میں نے قسم کھائی ہے کہ میں متعہ نہیں کروں گا تو امامؑ نے فرمایا تم نے اللہ کی اطاعت نہیں کی اور اس کی معصیت کی ہے۔

یہی مطلب ۲۶۴۰۵ میں محمد بن عبداللہ بن جعفر بن حمیری سے منقول ہے انہوں نے امام زمان کو ایک خط لکھا جس میں سوال کیا میں نے ایک صاحب حق کو دیکھا جو متعہ کو جائز سمجھتا ہے، رجعت پر عقیدہ رکھتا ہے، اس کی بیوی ہے جو اس کے تمام امور میں اس کے ساتھ ہے، اس نے عہد کیا ہے کہ اس بیوی کے علاوہ اور شادی نہیں کرے گا، نہ متعہ کرے گا، اس عہد پر وہ (۱۹) سال سے قائم ہے۔ جب کبھی وہ شہر سے باہر جاتا ہے تو نہ متعہ کرتا ہے نہ اس کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنے عزیز اقارب میں اپنے نفس کو بچانے کی خاطر متعہ نہیں کرتا۔ کیا متعہ چھوڑنا اس کیلئے باعث گناہ ہے اور متعہ کے ذریعے اللہ اور اس کی معصیت کرنے کیلئے جو قسم کھائی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

تبصرہ

۱۔ ان تین روایات، پہلی میں علی سائی اور دوسری میں بعض اصحاب اور تیسری میں محمد بن عیسیٰ جعفر حمیری ہے جنھیں کتب رجال میں دیکھنا ہوگا۔

۲۔ یہ جو خط امام زمان کی طرف لکھا گیا ہے، یہ کس نے لکھا تھا اور کیا اس کا جواب امام زمان کی طرف سے آیا ہے۔ یہ دونوں اپنی جگہ مشکوک ہے۔

۳۔ امام زمان اس وقت پیدا ہوئے تھے یا نہیں۔ یہ ثابت نہیں ہے۔

۴۔ اگر ہے تو ان تک خطوط جانے اور ان کے جوابات آنے کی کہانیاں فقہاء کے نزدیک قابل قبول ہیں یا نہیں۔

۵۔ متن روایت: اللہ کی طرف سے بندے کیلئے جو ہدایت آئی ہے اس کا ایک حصہ اس کی ذاتی شخصی زندگی کے مسائل کے متعلق ہے جن کے چھوڑنے سے بندہ عاصی نہیں ہوتا چنانچہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ اگر کوئی فقیر ہے تو شادی نہ کرے اسی طرح اللہ نے حضرت یحییٰ کی مدح شادی نہ کرنے کی وجہ سے کی۔ شادی نہ کرنا بھی اللہ کی معصیت ہے یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔
یہاں راوی نے یہ نہیں کہا کہ متعہ حرام ہے تا کہ یہ کہا جائے کہ اس نے خدا کے حلال کو حرام کہا۔ بلکہ اس نے کہا کہ مجھ اچھا نہیں لگتا۔

۶۔ اس میں کہا میں اعلانیہ زواج نہیں کر سکتا ہوں یا متعہ اعلانیہ نہیں کرتا جبکہ یہ چھپا ہوا عمل ہے اور زواج اعلانیہ ہے۔

"ولی کے اجازت ضروری نہیں"۔ اس میں نہ ولی کی ضرورت ہے نہ شاہد کی۔ متعہ چار بار سے زائد دفعہ بھی کیا جا سکتا ہے، اس کی کوئی حد نہیں۔ وسائل شیعہ جلد ۲۱ ص ۱۸ باب ۴ حدیث ۲۶۴۰۶، ۲۶۴۰۷، ۲۶۴۰۸، ۲۶۴۰۹، ۲۶۴۱۰، ۲۶۴۱۱، ۲۶۴۱۲، ۲۶۴۱۳، ۲۶۴۱۴ میں بیان ہے کہ متعہ کی تعداد محدود نہیں۔ امام صادقؑ اور امام باقرؑ سے نقل ہے کہ متعہ جتنا چاہے کیا جا سکتا ہے، چاہے ہزار (۱۰۰۰) بار کرے۔ یہ ایک قسم کی مزدوری ہے، مستاجرات، نہ اس کی طلاق ہے نہ ارث۔ یہ نہ کسی دین پر ہے نہ دین اسلام میں شہوت رانی کی کوئی حدود ہے اس

کا مطلب یہ ہے کہ کنیز جیسی ہے آپ جتنی کنیز چاہے رکھیں اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔

تبصرہ

۱۔ کسی حد تک محدود نہیں۔سینکڑوں، ہزاروں، الا ماشا اللہ کر سکتا ہے۔

۲۔ یہ کنیزوں جیسا ہے۔

۳۔ ان کیلئے نہ طلاق ہے نہ ارث۔

۴۔ ان کیلئے نہ ولی کی اجازت کی ضرورت ہے نہ شاہد کی۔

۵۔ اگر حیض ہے تو انکی عدت ۴۵ دن ہے جو قرآن میں موجود آیت عدت کے خلاف ہے۔قرآن میں عدت کی تین صورتیں بیان ہوئیں ہیں:

- عدت بعداز وفات شوہر جو کہ ۴ مہینے ۱۰ دن ہے۔
- ثلاثۃ قروء
- وضع حمل

جیسا کہ آیت کریمہ بقرہ: ۲۲۸، طلاق ۴ میں آیا ہے۔اگر یہ احتمال حمل کی وجہ سے ہی ہے تو متعہ، زنا اور عقد دائمی کے عدت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔لیکن متعہ میں ۴۵ دن کہاں سے نکالا گیا ہے معلوم نہیں۔

۶۔ لوگوں کا اصرار ہے کہ متعہ زواج ہے ان روایات میں واضح انداز میں کہا ہے یہ مزدوری ہے یہ زواج نہیں۔

۷۔ لاتعداد جنسی خواہشات کو قرآن کریم نے عمل شیطان کہا ہے، یہ سیرت بادشاہان ہے سیرت اہل بیتؑ نہیں۔

حدیث ۲۶۴۴۲: عورت شوہر کے نہ ہونے یا عدۃ میں نہ ہونے کا اقرار کرے تو کافی ہے۔ زیادہ تفتیش یا سوال کی ضروری نہیں ہے۔

حدیث ۲۶۴۴۷: محمد بن یعقوب نے محمد بن یحییٰ سے انہوں نے احمد اور عبداللہ، فرزندان محمد بن عیسیٰ سے انہوں نے علی بن حکم سے انہوں نے زیاد ابن ہلال، انہوں نے امام صادقؑ سے نقل کیا میں نے امام صادقؑ سے سنا باکرہ سے متعہ کرنا اشکال نہیں اگر افضانہ ہو جائے۔

باپ کی اجازت کے بغیر متعہ کیا جاسکتا ہے۔

تبصرہ

۱۔ اس حدیث میں محمد بن یحییٰ اور احمد عبداللہ فرزندان محمد بن عیسیٰ اور علی ابن حکم زیاد ابن علی ہلال کے بارے میں علمائے رجال کا نقطہ نظر جاننا ضرور ہے۔

۲۔ باکرہ لڑکی سے بغیر اذن باپ' متعہ کرنے کی اجازت امام جعفر صادقؑ کی طرف سے خلاف نص قرآن ہے۔ سورۂ نساء ۲۵ میں فرمایا﴿فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ کہ ان کے اہل کی اجازت لے کر نکاح کریں۔ امام صادق قرآن کے خلاف فتوای نہیں دے سکتے۔

حدیث ۲۶۴۴۸: اس میں محمد بن ابی حمزہ انہوں نے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے اس نے امام جعفر صادقؑ کی طرف سے نقل کیا آیا باکرہ لڑکی سے متعہ ہوسکتا ہے تو امام نے فرمایا اشکال نہیں۔

روایت ۲۶۴۵۲، ۲۶۴۵۳، ۲۶۴۵۴، ۲۶۴۵۶، ۲۶۴۵۷ بھی اسی مضمون کی ہیں۔

تبصرہ

۱۔ اس میں محمد بن ابی حمزہ اور بعض اصحاب دو سند میں جائے اشکال ہے۔ ایک محمد بن ابی حمزہ، اصحاب سے اشکال ہے۔

۲۔ متن روایت جیسا کہ پہلے آیات میں بتایا ہے نص آیات کے خلاف ہے۔

۳۔ یہ روایت' حدیث ۲۶۴۴۵ کے خلاف ہے۔

۴۔ محمد بن موسیٰ بن عمر بن یزید اور ابی مسیہ، محمد بن حسن ان راویوں کے بارے میں علماء رجال کا نقطہ نظر دیکھنا ہوگا۔

۵۔ محمد بن عیسیٰ فضیل کثیر مدنی۔

۶۔ مہلب بن دلال نے ایک خط کے ذریعے استفسار کیا کہ ایک عورت ہمارے گھر میں تھی۔ اس نے خود کو میرے لئے پیش کیا۔ میں نے اللہ رسول اور ملائکہ کو گواہ رکھ کر اس سے عقد کر لیا۔ پھر اس کے باپ نے اسے کسی اور مرد کے عقد میں

دے دیا۔اب اس کا کیا حکم ہے۔امام نے جواب دیا عقد دائم بغیر ولی اور دو شاہدین کے نہیں ہوتا اور تزویج متعہ باکرہ سے ولی کی اجازت کے بغیر تو بالکل نہیں ہوسکتا۔خود کو اور اس مسئلہ کو چھپاؤ۔

جب زواج دائم میں ولی اور دو شاہد کی ضرورت ہے تو یہ ولی اور شاہدین کی ضرورت متعہ میں کیوں نہیں۔

جواز متعہ اور امام باقرؑ کی لاجوابی

وسائل شیعہ اور مستدرک الوسائل میں متعہ کے بارے میں وارد روایات کو سامنے رکھنے کے بعد اگر کوئی صاحب شرم وحیا ہو تو اس کا شرم سے سر جھک جانا چاہیے۔اسی سلسلہ کی ایک روایت ۲۶۳۵۹ زرارہ سے نقل ہے۔اس روایت کو سامنے رکھنے کے بعد دو باتوں میں سے ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا یا تو یہ روایت جعلی وخود ساختہ ہے جسے امام باقرؑ سے منسوب کیا گیا ہے یا پھر نعوذ باللہ امام باقر اس سائل کے سوال سے عاجز آ گئے۔

روایت میں ہے کہ علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے،انہوں نے ابن ابی عمیر سے اور عمر ابن عدینہ سے اور زرارہ سے نقل کیا ہے۔عبداللہ بن عمیر لیثی امام باقرؑ کی خدمت میں آئے اور امام سے متعہ کے بارے میں سوال کیا کہ آپ متعہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

اس پر امامؑ نے فرمایا: خدا نے اسے اپنی کتاب اور نبی کی سنت میں حلال قرار دیا ہے۔ یہ حلال ہے قیام قیامت تک۔تو عبداللہ بن عمیر نے کہا: یا ابا جعفر! آپ بھی اس طرح کہتے ہیں جبکہ عمر نے اسے حرام قرار دیا ہے اور اس سے روکا ہے تو امامؑ نے فرمایا اگرچہ اس نے حرام قرار دیا ہے تو عبداللہ عمیر نے کہا میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو چیز حضرت عمر نے حرام قرار دی ہے اسے حلال قرار نہ دیں۔امام نے فرمایا: تم اپنے صاحب کے قول کی پیروی کرو میں رسول للہ کے قول پر رہوں گا۔حق وہ ہے جو رسول اللہ نے فرمایا ہے اور باطل وہ ہے کہ جو تمہارے صاحب نے کہا ہے۔عبداللہ بن عمیر نے پلٹ کر امام سے کہا کیا آپ کو خوشی ہوگی کہ آپ کی عورتیں،بیٹیاں، بہنیں اور چچازاد بہنیں متعہ کریں تو امام نے یہ جملہ سن کر

اس کی طرف سے منہ موڑ دیا۔

اس سے ثابت ہوا کہ یہ ایک فعل قبیح ہے۔ جو قرآن وسنت سے ثابت نہیں کیونکہ ان سے ثابت شدہ احکام میں انسان اپنی بیٹی، بہنوں کو نکاح کیلئے پیش کرتا ہے۔

"متعہ میں گواہ اور اعلان شرط نہیں ہے"۔ وسائل جلد ۲۱ ص ۶۴ باب ۳۱ شمارہ حدیث ۲۶۵۴۱ میں عمر بن ازینت نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے چار بیویوں والا بھی جتنا چاہے متعہ کرے، اسے نہ ولی کی ضرورت ہے نہ شاہد کی۔

حدیث ۲۶۵۴۲: مغیرہ کہتا ہے: امام صادقؑ سے پوچھا کہ متعہ میں کتنے گواہ چاہیے، امام نے فرمایا ایک مرد دو عورت۔ سائل نے سوال کیا کہ اگر اس بات کے فاش ہونے کا ڈر ہو؟ امام نے فرمایا تو ایک مرد کافی ہے، یہ بھی عورت کیلئے ہے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے فجور کیا ہے۔

حدیث ۲۶۵۴۳: میں معلیٰ بن خنیس سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے امام صادقؑ سے پوچھا متعہ کیلئے کتنے گواہ چاہیے۔ امام نے فرمایا: ایک مرد دو عورت۔ ہم نے دوبارہ پوچھا کہ اگر ایک بھی نہ ملے؟ امام نے فرمایا: یہ ناممکن ہے۔ ہم نے عرض کی: اگر اسے ڈر ہو کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے تو کہا ایک کافی ہے۔ میں نے کہا: مسلمان پیغمبر کے زمانے میں بغیر گواہ شادی کرتے تھے۔ امام نے فرمایا: نہیں۔

تبصرہ

۱۔ معلیٰ بن خنیس غالی کیسانی ہے۔

۲۔ آیات گواہ کے خلاف ہے۔

حدیث ۲۳۶۵۶: اس حدیث میں زواج متعہ کے جواز میں ابی بصیر نے امام باقر سے پوچھا تو امام نے فرمایا اس کا جواز سورۂ نساء کی آیت ۲۴ میں ہے۔

تبصرہ

۱۔ اس روایت کو یعقوب کلینی اپنے گروہ اصحاب سے نقل کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے گروہ اصحاب کے بارے میں تحقیق کرنی ہوگی کہ وہ اپنی جگہ معروف وموثق

ہے یا مجهول الحال ہے۔

۲۔ عدۃ اصحاب سھل ابن زیاد سے نقل کیا گیا ہے۔ سھل ابن زیاد مطعون ومتروک الحدیث ہے۔ عدہ اصحاب نے علی ابن ابراہیم سے نقل کیا ہے' جس کا قرآن سے استدلال واضح ہے کیونکہ انہوں نے تحریف قرآن کی بنیاد پر استدلال کیا ہے۔ جہاں انہوں نے الیٰ اجل المسمیٰ کو تقدیر رکھ کے متعہ کو جائز بنایا ہے۔

۳۔ علی ابن ابراہیم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے اور ان کے باپ یعنی ہاشم پر تحقیق کی ضرورت ہے۔

حدیث ۲۶۵۳۰: عورت سے جتنی بار بھی متعہ کریں کوئی حرج نہیں۔ تین بار ہو حتی کہ نو بار بھی ہو جائے تو حرام نہیں ہوتا۔

حدیث ۲۶۵۴۱: متعہ میں نہ گواہ رکھنا ضروری ہے نہ اعلان کرنا۔

حدیث ۲۶۵۴۴: میں علی بن جعفر نے امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا آیا متعہ بغیر گواہ ہو سکتا ہے؟ امام نے فرمایا: اگر دونوں مسلمان ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

ان تین حدیثوں میں عمر بن عمیر، محمد بن فضیل حارث بن مغیرہ اور معلیٰ بن خنیس کے بارے میں علماء رجال کا نظریہ دیکھنا ہوگا۔

انسانی زندگی میں نکاح کے مسئلہ میں اہم اور خطرناک اختلافات کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ باب نکاح جس میں زنا' نکاح دائم یا متعہ کوئی فرق نہیں رکھا گیا وہاں جائے اختلاف عورت کی عدہ اور اولاد ہے جو کہ بہت اہمیت کی حامل ہے' یہاں بھی گواہ کو غیر ضروری گردانا اس بات کی دلیل ہے کہ متعہ' زنا سے قریب ہے۔

قرآن کریم اور سنت نبی میں اپنے تمام معاملات میں جہاں اختلاف کی گنجائش ہو' گواہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور مومنین کو دعوت بہ گواہ کے موقع پر دعوت قبول کرنے اور اسے ادا کرنے کا حکم ہے۔

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ﴾ (بقرہ:۲۸۲)

اس کے علاوہ سورہ انعام کی آیت ۱۵۰ سورہ نور کی آیت ۸ سورہ معارج کی آیت ۲۳ سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۳ سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۶ سورہ بقرہ کی آیت ۱۴۰ ملاحظہ کریں۔

حدیث ۲۶۴۵۸: اس روایت میں ابی مریم نے امام صادقؑ سے نقل کیا کہ باکرہ لڑکی سے اس کے باپ کی اجازت کے بغیر متعہ نہ کرو۔

صاحب وسائل کہتے ہیں کہ اس روایت کو شیخ نے کراہت پر حمل کیا ہے یا ممکن ہے کہ تقیہ کے ڈر سے کہا ہو۔ اسی طرح حدیث ۲۶۴۵۹، ۲۶۴۶۰ میں باکرہ سے متعہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

﴿۲۶۵۶۲﴾

"باب جواز العزل عن المتمتع بها"

حدیث ۱: محمد بن یعقوب نے محمد بن یحییٰ، انھوں نے احمد بن محمد، انھوں نے ابن محبوب، انھوں نے یعلی سے انھوں نے محمد ابن مسلم سے انھوں نے ابا عبداللہ سے عزل یعنی نطفہ کو باہر پھینکنے کے بارے میں پوچھا: تو امام نے جواب دیا: "یہ مرد کا حق ہے وہ جہاں چاہے اس پھینک دے۔"

حدیث ۲: علی ابن ابراھیم نے اپنے باپ سے انھوں نے ابن ابی عمیر وغیرہ سے نقل کیا ہے "قال الماء الرجل" یہ نطفہ مرد کا حق ہے جہاں چاہے اس کو رکھ سکتا ہے۔

باب ۳۵۔ "اگر کوئی شخص کسی عورت سے غیر معین مہینہ کیلئے عقد کرے۔"

حدیث ۱: محمد بن یعقوب نے بعض اصحاب سے نقل کیا ہے۔ ان اصحاب نے احمد ابن محمد سے انھوں نے بھی ہمارے بعض اصحاب سے انھوں نے عمر ابن عبدالعزیز سے انھوں نے عیسیٰ بن سلیمان سے انھوں نے بکار بن کردم سے انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ ایک مرد جو ایک عورت سے ملتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم اپنے آپ کو میری زوجیت میں دے دو ایک مہینہ کیلئے مگر وہ مہینہ کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ اور اسی طرح ایک سال گزر جاتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ فرمایا: اگر اس نے مہینہ کا نام لیا ہے تو اسے حق ہے کہ وہ اسے زوجیت میں لے لیکن اگر مہینہ کا ذکر نہیں کیا تو اس کو حق نہیں ہے۔

کتاب ضعفاء الحدیث ملبووی

مفصل بن عمر الجعفی: فاسد المذہب' اسکی روایات مضطرب ہیں ان پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔فرقہ خطابی سے تعلق رکھتا تھا۔(ص ۲۳۱)

کتاب ص ۲۱۵: **محمد بن علی بن ابراہیم بن موسی قرشی**: کذاب اور غالی تھا۔

کتاب ص ۲۱۳: **محمد بن عبداللہ**، کذاب، مختلق (خلط کرنے والا) تھا۔

کتاب ص ۲۱۲: **ابوالمفضل محمد بن عبداللہ طان**، کاذب، ضعیف تھا۔

کتاب ص ۲۰۵؛ **محمد بن سنان**، کنیت ابوجعفر، ضعیف، غالی تھا۔

کتاب ص ۲۰۲؛ **محمد بن خالد بن عبدالرحمٰن برقی**، ضعیف، اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

کتاب ص ۲۰۳؛ **محمد بن سالم**، ضعیف ہے۔

کتاب: **محمد بن الحسن شمحون**، ضعیف ہے۔

کتاب ص ۲۳۰: **فضل ابن شاذان**: امام رضا کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے۔ضعیف ہے۔

مفضل بن صالح ابوجمیلہ اسدی خاسن: ضعیف، کذاب، حدیث جعل کرنے میں ماہر تھا۔

کتاب ص ۲۲۹: **معلیٰ بن محمد بصری**، ابوالحسن، اس کی احادیث مضطرب، مذہب بھی نامعلوم اور امام سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔

کتاب ص ۲۲۹: **ابوعبداللہ معلیٰ بن خنیس موسی جعفر بن محمد کوفی**: ضعیف' ناقابل اعتماد وبھروسہ' غالی ان سے دفاع کرتے ہیں۔

کتاب ص: ۲۲۸؛ **محمد بن موسی بن عیسی**۔اہلِ قم نے غلو وغالی سے ان کی توصیف کی ہے۔

کتاب ص ۲۲۵: **ابوجعفر محمد بن فضل اسیر فی ازدی ارزق**۔ضعیف ہے۔

کتاب ص ۲۱۹: **ابوجعفر محمد بن عیسی بن عبدالیقطنی**، ضعیف ہے۔

ابوعبداللہ جابر بن یزید الجعفی، ان کی اکثر روایات ضعیف ہے۔

مفضل بن حرالجعفی، فاسد المذہب، مضطرب روایات ہے۔

مفضل بن صالح ابوجمیلہ اسدی، ضعیف، کذاب اور حدیث جعل کرنے والا۔(ص ۲۰۳)

سفلی بن محمد بصری ابوالحسن۔ مضطرب الحدیث۔
ابوعبداللہ معلیٰ بن خنیس موسی جعفر بن محمد۔ ضعیف
محمد بن موسی بن عیسیٰ، قمیوں نے ضعیف اور غالی کہا ہے۔ (ص ۲۲۹)
ابوجعفر محمد بن فضل الصیر فی ازدی۔ (ص ۲۲۵)
ابوجعفر محمد بن عیسی بن عبید (ص ۲۱۹)
محمد بن علی بن ابراہیم قریش۔ کذاب، غالی۔ (ص ۲۱۵)
ابوجعفر محمد بن عبداللہ۔ غالی۔ (ص ۲۱۲)
ابوالفضل محمد بن عبداللہ۔ کاذب
محمد بن سنان۔ ضعیف۔ (ص ۲۰۵)
محمد بن خالد برقی۔ ضعیف۔ (ص ۲۰۲)
محمد بن سالم (ص ۲۰۳)
محمد حسن الحق (ص ۲۰۰)
محمد بن الحسین کے نام سے جامع الرواۃ میں ۳۲ نام آئے ہیں۔
محمد بن حسن کے نام سے ۴۷ نام آئے ہیں۔
حسن بن علی کے نام سے ۴۵ نام آئے ہیں۔
احمد بن محمد کے نام سے ۶۷ راوی کا ذکر ملتا ہے۔
محمد بن علی کے نام ۴۳ راویوں کا ذکر ملتا ہے۔
محمد بن یحییٰ کے نام سے ۲۶ نام آئے ہیں۔
محمد بن اسماعیل: (جامع الرواۃ ج ۲ ص ۲۱) مجہول ہے۔
عمر ابن اذینہ: پورا نام عمر ابن محمد ابن عبدالرحمٰن بن اذینہ۔ (جامع الرواۃ ج ا ص ۳۳۱)
عبداللہ بن جعفر حمیری۔ شیخ قمین میں سے ہیں۔ ۲۹۰ھ میں کوفہ سے قم آئے۔
(جامع الرواۃ ج ا ص ۴۷۸)

حفظ بن بختری: کوفہ کا رہنے والا ہے۔ (جامع الرواۃ ج ا ص ۲۶۱)

عمرابن حنظلہ عملی بکری کوفی۔(جامع الرواۃ ج ا ص ۶۳۳)
جعفرابن شبر بجلی۔متوفی ۲۰۸ھ۔(جامع الرواۃ ج ا ص ۱۵۰)
جمیل بن صالح اسدی:(جامع الرواۃ ج ا ص ۱۶۰)
حمادبن عثمان اناب:(جامع الرواۃ ج ا ص ۲۷۱)
محمدابن حسن کے نام سے جامع الرواۃ میں ۴۶ نام ہیں۔

روایات متعہ کے راویان

اسحاق بن ابرہیم کے نام سے کئی افراد ہیں۔احمد بن عیسیٰ نے ان پر طعن وتنقید کی ہے۔اور یہ کہا ہے کہ ان سے فاسد ومنکرہ مذاہب سنا گیا ہے۔
محمد بن سالم: کے نام سے پندرہ افراد ہیں،لہٰذا یہ شخص مجھول الحال ہے۔
محمد بن علی: پچاس (۵۰) سے زائد افراد اس نام سے ہیں لہٰذا یہ مجھول ومہمل الحال ہے۔
حسین بن ناتانہ۔اس نام کا کوئی آدمی جامع الرواۃ میں نہیں۔
حمزہ بن محمد علوی۔اس نام کا کوئی شخص،جامع الرواۃ میں نہیں ہے۔
صالح بن عقبہ۔کذاب شخص ہے۔(جامع الرواۃ ج ا ص ۴۰۷)
عبدالرحمٰن بن حماد: غالی تھا۔(جامع الرواۃ ج اا ص ۴۴۲)
عبداللہ بن محمد: اس نام سے ۳۷،افراد ہیں،چنانچہ مجہول ہے۔(جامع الرواۃ ج ا ص ۵۰۱)
محمد بن یحییٰ کے نام سے ۲۵ راوی ہیں،چنانچہ مجہول ہے۔
معلیٰ بن خنیس: یہ ضعیف راوی ہے اور کیسانیہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔(جامع الرواۃ ج ا ص ۲۴۷)

عاصم بن حمید۔(جامع الرواات جلد ا،ص ۴۲۵)

دوسری روایت میں: عبداللہ بن سلمان کے نام سے ۱۳ اشخاص کا ذکر ملتا ہے۔
(جامع الرواات جلد ا ص ۴۸۶)

حدیث ۳ میں: ابن ابی عمیر کے بارے میں روضات الجنات جلد ۲ ص ۲۲۹ میں اس کے بارے میں کہیں کچھ نہیں ملتا۔

حدیث ۲ میں: روضات الجنات جلد ۲،ص ۴۳۶ میں کہتے ہیں کہ ان کا نام عمران بن مسکن ہے۔ مسکن بن حسن بن محمد بن مسکن بھی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی ابن مسکان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔

ابن ابی عمیر۔ ابن ابی نجرانی۔ ابن ابی الرحمٰن۔ محمد بن ابی عمیر۔ اس کو شامی میں شامل کیا گیا ہے۔ (جلد ۲ص ۵۶)

احمد بن محمد: اس کے نام سے جامع الرواۃ میں ۶۹ لوگوں کا ذکر ملتا ہے۔

محمد بن یحییٰ کے نام سے۔ ۲۶ نام (حدیث ۸، جلد ۲)

حمزہ بن محمد علوی۔ اس نام کوئی شخص جامع الرواۃ میں نہیں ہے۔

حمزہ بن محمد کے نام سے چار آدمی جامع الرواۃ میں ذکر ہیں۔

احمد بن محمد بن سعید، ابن عقدہ: فرقہ زیدیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زیدیہ، جارودیہ وہ فرقہ ہے جو زیاد بن منذر، سے منسوب ہے۔ اس نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی' انصار امام محمد باقرؑ میں سے تھے۔ بعد میں وہ زیدی ہو گئے۔ امام محمد باقرؑ نے اسے سرحوب کہا ہے۔ سرحوب اس شیطان کو کہتے ہیں جو دریا میں ہوتا ہے۔ ابو جارود نابینا تھے' برملا شیخین کو سب کرتے تھے۔ ابو جارود کے عقائد تھے کہ نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ اور ان کی اولادوں پر نص کی ہے اور ان کی صفات بیان کی ہیں لیکن نام نہیں لیا۔ ان کی مخالفت کرنے والے کافر ہیں کیونکہ انہوں نے نبی کے بعد علیؑ کی بیعت نہیں کی۔ ابو جارود کے عقائد میں سے یہ ہے کہ حضرت علیؑ' امام حسنؑ' امام حسینؑ کے بعد نص کا سلسلہ ختم ہے۔ امامت امام حسنؑ' امام حسینؑ کی اولادوں میں شوریٰ سے منعقد ہوگی اور وہ شخص اپنی جگہ عالم اور شجاع ہو اور تلوار اٹھا کر نکلے۔ اسی بنیاد پر ان کے بعد جارودیہ' دو فرقوں میں بٹ گئے ایک فرقے نے کہا حضرت علیؑ نے اپنے بعد اپنے بیٹے امام حسنؑ اور ان کے بعد امام حسینؑ کی امامت پر نص کی ہے اور ان کے بعد ان کی اولادوں میں جو عالم وورع اور قیام بہ سیف کرے گا اس کیلئے نص ہے۔

امام منتظر کے بارے میں کسی کا نام نہیں لیا۔ ہر وہ شخص امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے قیام بہ سیف کرے گا وہی امام ہوگا۔ پھر کہتے تھے کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی

بن ابی طالب امام منتظر ہیں وہ قتل نہیں ہوئے وہی مہدی منتظر ہے وہی عالم کو عدل وانصاف سے پر کریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم صاحب طاقان امام منتظر ہیں۔ بعض نے یحیٰ بن عمر کی مہدویت کا اعلان کیا۔

ایک فرقہ ضالہ اور غالی کو ثقہ کہنے کی کیا منطق ہے۔ ابن عقدہ جو شیخین کو کافر کہتے ہیں اس کا حضرت علیؑ کے بارے میں کیا نظریہ ہے کیونکہ آپؑ شیخین کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور اپنی نصائح اور مشوروں سے نوازتے تھے۔ (معجم فرق اسلامہ تالیف شریف یحیٰ امین ص ۷۸)

تنقیح المقال، احمد بن محمد بن سعید بن عبدالرحمٰن بن زیاد بن عبداللہ ہمدانی معروف ابن عقدہ، محمد بن احمد بن جنید، سے نقل کیا ہے۔ وہ زیدی، جارویہ ہے اور اس پر مرے ہیں۔ انہیں ایک لاکھ بیس ہزار احادیث حفظ تھیں۔ ۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔ انہیں عقدہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ علم صرف میں زیادہ تعقید اور نسخہ گیری کرنے والے تھے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ جلد۲ ص ۱۴ رقم ۲۳۶۵ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اہل بیتؑ کی احادیث جمع کرتے تھے۔ اسی طرح مذمت اصحاب رسول اللہؐ ابوبکر، عمر کے بارے میں احادیث جمع کرتے تھے۔ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ جلد۳ ص ۵۵ رقم ۸۴۹ میں لکھا ہے کہ ابن عقدہ حافظ عصر اور محدیث بحر ہے۔ ان کے باپ نحوی تھے اوپر نیچے حق باطل سب میں لکھا ہے حفظ اور کثرت حدیث انہیں پر ختم ہوا۔ صاحب تالیف وترجمہ ہیں لیکن دین مسافروں سے لیتے تھے اگر یہ اپنے نفس کو بچاتے تو وہ مرجع تقلید ہوتے۔

اسحاق بن عمار: حدیث ۸ (روضات جنات جلد۱ ص ۸۲)

عبداللہ بن جعفر، الحمیری

احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد بن مالک اشعری، شیخ قمیین۔

قیس بن ابی حازم، کے نام سے کوئی راوی نہیں ہے۔ حدیث ۲۶۔ (جامع الرواۃ)

اسماعیل بن ابی خالد، حدیث ۲۶ (جامع الرواۃ جلد۱ ص ۹۶)

عبداللہ بن مسعود، (جامع الرواۃ جلد۱)

فضل ابن شاذان: کشی ان کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ خلط کرتا تھا۔ حزیفہ، فضل بن شاذان

ابن مسعود کے بارے میں ہے وہ خلط کرتا ہے اور حکومت سے ملا ہوا ہے۔
(روضات جنات جلد اص ۱۸۲)

عمیرو بن دینار: اس نام سے ۲ آدمی ہیں۔ایک تابعی ہے اور ایک کوفی ہے لہٰذا یہ بھی مجہول الحال ہے۔

سعد الشعری: کہتے ہیں، امام حسن عسکری کے خاص افراد میں سے تھے۔انہوں نے امام زمان کو دیکھا تھا۔ یہ شیخ قمیین ہیں۔ان کی چند کتابیں ہیں آپ کوفہ چھوڑ کر قم تشریف لائے۔امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں کہ وہ علماء قمیین میں سب سے بزرگ اور ثقہ ہیں۔امام زمان کے سفیر تھے۔

احمد بن محمد: ۲۶۳۷۴ اور ۲۶۳۹۶ میں ذکر ہے۔برقی نے رجال میں، اسے امام صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔احمد بن محمد کا اور کتب رجالی میں کوئی ذکر نہیں آتا لیکن یہ نام سات ہزار روایات میں آیا ہے۔انہوں نے امام صادقؑ، امام کاظمؑ، امام رضاؑ کے علاوہ دیگر سے بھی روایت نقل کیں ہیں۔رجال حدیث جلد۲ص ۱۹۷ آیت اللہ خوئیؒ فرماتے ہیں: اس کی تشخیص ممکن نہیں ہے کیونکہ اس نام کے بہت سے افراد ہیں لہٰذا یہ شخص مہمل ہے۔
(تنقیح المقال جلد ۷ص ۲۳۷)

احمد بن محمد بن خلدی: خالد سے خلدی۔کنیت ابوحسن رقم ۱۶۴۔کشی نے اپنی رجال میں ۲۵۸ پر نقل کیا ہے، بحار نے جلد ۴۸ص ۱۸۹ پر نقل کیا ہے۔نتیجہ گیری میں مامقانی نے لکھا ہے علماء کی تعدیل میں ان کا ذکر نہیں ہے لہٰذا مہمل ہے۔احمد بن محمد بن خلدی برقی جلد ۷ص ۲۷۳ رقم ۶۳۴ا طبع جدید تنقیح میں نجاشی سے نقل ہے کہ احمد بن محمد بن خلدی کنیت ابوجعفرؒ کی اصل کوفہ ہے۔ان کے جد محمد بن علی کو حجاج نے زندان کیا اور زید بن علی کے قتل کے بعد ان کو قتل کیا۔خالد اس وقت چھوٹا تھا وہ اپنے باپ کے ساتھ فرار ہو گیا۔قم کے منطقہ برق کے رواۃ میں سے تھے۔ضعفاء سے نقل کرتے تھے، زیادہ تر مرسلات پر کتاب لکھی ہیں نجاشی نے ان کی کتب کی تعداد ۹۰ سے زائد نقل کی ہے؟ لیکن آج ایک بھی دستیاب نہیں۔محمد بن جعفر بن بحطہ میں کتب محاسن میں ذکر کیا۔کتاب اخبار، اسم احمد بن ابی عبداللہ برقی کے مطابق ۲۷۴ھ

کو وفات پائے۔ زیادہ تر ضعفا نقل کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں محاسن ہے۔ ان میں زیادتی بھی ہوئی ہے اور کمی بھی۔ خلاصہ میں احمد بن محمد بن خالد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن خالد برقی کو ثقہ کہا گیا ہے لیکن زیادہ ضعفا اور مراسلہ سے نقل کرتے تھے۔ ابن غضائری نے ان کی نام لے کر قمیوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ خراب ہیں۔

تنقیح المقال میں کہتے ہیں: نقل کرنے میں کسی اصول کے پابند نہیں تھے چنانچہ احمد بن محمد بن عیسیٰ نے ان کو قم سے نکالا لیکن پھر واپس آگئے اور ان سے معذرت کی۔ ایک کتاب ملی ہے جس میں احمد بن محمد بن عیسیٰ اور احمد بن محمد بن خالد کے درمیان ملاقات کا تذکرہ ہے جب احمد بن محمد نے وفات پائی تو احمد بن محمد بن عیسیٰ ان کی جنازے میں برہنہ نکلے تا کہ جو نسبت انہوں نے دی ہے اس کی برائت کا اعلان کریں۔

(کتاب تنقیح المقال۔ طبع جدید جلد ۷ ص ۲۹۴)

تبصرہ

ان کی دورخی پالیسی قابل تحلیل نہیں۔ یہاں دو مفروضہ ہیں ایک' آپس میں رنجش اور اختلاف رہتا تھا' جسے انہوں نے اس طرح سے رفع کیا۔ ورنہ ان کی ضعفاء سے بے سند نقل شدہ روایت اس عمل سے قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔

مظلوم عورتوں سے دفاع

جب بھی کہیں' مسلمان عالم دین یا دانشوران ملت' حقوق خواتین کی بات کرتے ہیں تو حمد و ثناء اور درود شریف کے بعد اسلام کی آمد سے قبل قرون وسطیٰ میں عورتوں کی حالت زار یا مغرب میں عورتوں کی بے حیائی کا ذکر فرماتے ہوئے عورتوں کو اسلام کے احسانات یاد دلاتے ہیں کہ تمہیں گھر کا اسیر بنایا جاتا تھا' حق ارث نہیں دیا جاتا تھا۔ اسلام نے تمہیں ماں اور بہن بننے کا مقام دیا' عورتوں پر سب سے زیادہ اسلام کا احسان اور حق ہے۔ لیکن عالم دین اور دانشوران نے جو مظالم عورتوں پر دین کے نام سے ڈھائے ہیں اس پر قرون وسطی کے ظالمین بھی شرمندہ اور احساس کمتری کا شکار ہیں۔

جب تک مولانا دانشور' جوان لڑکے لڑکیوں کو بے مہاری کی اجازت نہیں دیں گے اس

وقت تک وہ ترقی پسند عالم دین یا دانشور ملت نہیں بن سکیں گے۔ چنانچہ پوری ملت اسلامیہ کے علماء وفقہاء باپشت نمک خواراں عوام نے دہندہ گان راہ فرعی نکالا ہے۔ اہلسنّت میں تمام حقوق سے عاری زواج سری یامسیار اور اہل تشیع میں متعہ کوفروغ دینے کیلئے سرتوڑ کوشش کے ساتھ سرگرم میدان عمل ہیں تاکہ جوانوں کو مفت میں خواہشات پورا کرنے کا موقع دیا جائے۔ اوراسے زواج اسلامی مخفی اور پوشیدہ کا نام دیا ہے۔ یہ حقوق سے محروم ہوتے ہوئے بھی اسلامی ہے۔ اس کی فضیلت واجر وثواب میں کثیر آیات بھی پیش کی جاتیں ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے خاص خاص لوگوں میں رواج دیں کیونکہ اسے عوام میں پیش کرنے سے شرمندگی کا سامنا رہتا ہے۔ اسے اسلامی زواج کہا جائے گا یا جاہلیت کی مراسم زواج کا نیا نام۔ کیا یہ زواج اسلام سے شباہت رکھتا ہے؟ آگے چل کر ہم زمان جاہلیت کی زواجوں کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ قارئین خود انصاف کریں گے۔

فلسفہ بہ حکمت تشریع

اللہ نے زواج کو اعلیٰ ارفع غایات اور فوائد جلیلہ کے حصول کیلئے وضع کیا ہے۔ اسلام میں زواج زمین میں خلافت الٰہی کا نمونہ ہے اور نسل انسانی کے دوام وبقا اور امن وسکون کی زندگی کا ضامن ہے۔ اللہ نے نہیں چاہا کہ انسان روئے زمین میں دیگر مخلوقات کی طرح غرائز جنسی مذکر ومونث میں اتصال کو آزاد بغیر کسی قانون وضابطہ کے بے لگام رکھے لہٰذا اللہ نے ایک ایسا قانون بنایا جس سے انسان کی کرامت شرافت تحفظ میں رہے۔ مرد عورت میں اتصال طہارت اور تراض وتفاہم پر قائم ہو۔ اس کے علاوہ جنسی غرائز اور عورت کی نسل اور کرامت کو بے لگام انسانوں سے بچانے کیلئے قانون وضع کئے ہیں۔

انسان کے اندر موجود غرائز میں سے ایک غریزہ جنسی ہے یہ بدترین اور سرکش غریزہ ہے۔ اس غریزہ کو معتدل رکھنے اور بہیمیت سے نکالنے کیلئے قانون زواج جعل کیا گیا ہے۔ زواج، وسیلۂ تولید اولاد وتکثیر نسل اور استمرار نوع انسانی ہے۔ اسلام نے اس کی طرف دعوت دی ہے اور اس راہ میں موجود تمام رکاوٹوں کو ہٹا کر اسے آسان بنایا ہے۔ کبھی کہتا ہے: فقر

مانع زواج نہیں اللہ ان سے فقر دور کردے گا۔کبھی زواج میں عفت اپنانے کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بالمقابل دنیا میں کفر والحاد کے داعی' غرائز جنسی کو فروغ دینے کیلئے تمام اقسام و انوع زواج کو بغیر کسی رکاوٹ انجام دینے کا مواقع اور حالات پیدا کرتے ہیں اور مزاحمت کی صورت میں خطرات سے متنبہ بھی کرتے ہیں جیسے: اگر اسے روکا جائے تو انسان نفسیاتی طور پر بیمار ہوجاتا ہے' اس منطق کا داعی فرویڈ ہے جس کا کہنا ہے کہ نفسیاتی بیماری سے بچنے کا واحد زریعہ زنا کی آزادی ہے' انسان اس سلسلے میں پابندی برداشت نہیں کرسکتا اسے آزاد ہونا چاہیے' اسکی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہیے' تاکہ ایک صحت مند معاشرہ قائم ہوسکے۔ وہ اس سلسلے میں انسان کا حیوان سے موازنہ کرتا ہے جس طرح حیوان آزاد ہے انسان کو بھی آزادی ملنی چاہیے۔

یہ موازنہ ایک دھوکہ ہے انسان کا حیوان سے موازنہ کرنا درست نہیں کیونکہ حیوان پر شہوت حاکم ہے' لہٰذا اسے آزادی ہونی چاہیے اس کے غرائز کو روکنا ممکن نہیں جبکہ انسان کے اوپر عقل حاکم ہے اگر عقل نہ ہوتی تو انسان حیوان جیسا ہی ہوتا۔اس بات کی دلیل یہ آیہ شریفہ ہے جہاں بیان ہوا کہ عورتیں عفت چاہتی ہیں لیکن تم مجبور کرتے ہو بے عفتی پر۔

﴿وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْـمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَ اللهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَ آتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (نساء:۲۵)

بعض کہتے ہیں اس فعل سے دیگر شریف گھروں کی عزت محفوظ ہوجاتی ہے ورنہ زہریلی مکھیاں انسان کی آبرو پر حملہ کرتی ہیں۔فرویڈ کے اس نظریے کو بعض علماء شیعہ دوسری زبان میں فروغ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی کاروباری اور تجارتی سفر اور دانشگاہوں میں اس ضرورت کے پیش نظر متعہ کو فروغ دینا چاہیے۔اور اس سلسلے میں قرآن وسنت سے بے

نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برٹرینڈ رسل سے استناد کرتے ہیں۔

زمان جاہلیت میں زنا' دو طریقے سے انجام پاتا تھا: ایک بغاء' نکاح کی صورت میں اور دوسرا بغا عام۔

بغی نکاحی اسے کہتے ہیں: جہاں بعض کنیز عورتیں' جن کی زندگی کا کوئی کفیل نہیں ہوتا تھا یا وہ عورتیں جن کا گھر اور خاندان نہیں ہوتا تھا وہ اپنی زندگی گزارنے اور کفالت کی خاطر کسی گھر میں بیٹھتی تھیں وہ ایک سے زیادہ مردوں سے معاہدہ کرتی تھیں جو ان کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ یہ عورتیں اگر حاملہ ہو جاتیں اور بچوں کو جنم دیتیں تو جس سے چاہتی اس بچے کو منسوب کر دیتیں اور کہتی کہ یہ تمہارا بچہ ہے۔ دور جاہلیت کے قانون کے تحت وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ایک قسم کا نکاح تھا جو جاہلیت میں چلتا تھا یعنی عہد و معاہدہ والا نکاح۔

بغی عام وہ ہیں جو عام کنیزیں کرتی تھیں۔ بسا اوقات آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی تھیں۔ یہ بغی ایک قسم کا کاروبار بھی ہے۔ بعض سرمایہ دار شخصیات اپنی کنیزوں پر کچھ مالیات رکھتے تھے کہ تم ہر ماہ ہمیں اتنا مال دو گی۔ یہ عورتیں زنا کر کے یہ مالیت ادا کرتی تھیں کیونکہ ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔

کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کا متعہ اس جاہلیت کے قانون سے بھی محروم ہے کیونکہ ان سے متولد اولاد کسی باپ کی کفالت اور انتساب کی حقدار نہیں ہوتی۔ تعلیم یافتہ دور کے پڑھے لکھے لوگوں کا یہ جرم و گناہ دور جاہلیت کے زنا سے بھی بدتر ہے۔

(روائع لبیان جلد۲ ص ۱۹۶)

بعض عرب کچھ عورتوں کو مخصوص جگہوں پر رکھتے تھے اور ان کے دروازوں پر جھنڈا کھڑا کرتے تھے جو اس بات کی نشانی تھی کہ جس کسی کو جنسی وفحاشی کی خواہش ہو وہ اسے یہاں میسر ہوگی۔ ان جگہوں کو مواخر کہتے تھے۔

وہ اس ذریعے سے مال بناتے تھے۔ اگر کوئی عورت یا کنیز' فحاشی سے انکار کرتی تو ان کے مالک ان کو مارتے اور مجبور کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ رئیس منافقین عبداللہ بن ابی کی چھ کنیزیں تھیں' وہ ان سب پر مالیت لگاتا اور انہیں عصمت فروشی پر مجبور کرتا تھا۔ فحاشی' زنا

اور جنایت جو دور جاہلیت کے بدوانپڑھ عرب کرتے تھے اسلام آنے کے بعد یہی جاہلانہ حرکتیں آج بیس ویں صدی کی ترقی یافتہ اور مسلمان کہلانے والی قوموں نے شروع کر رکھی ہیں۔ پہلے جوزنا وفحاشی کنیزیں کرتی تھیں آج یہ کام آزاد عورتیں کرتی ہیں۔

جواز متعہ اور کتاب اور سنت

۱۔ ان کے پاس جواز متعہ کے بارے میں کوئی آیت نہیں ہے۔انہوں نے صرف ایک کلمہ ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ'' سے استدلال کیا ہے۔

۲۔ کلمہ ''أُجُورَهُنَّ'' میں ''الی اجل المسمی'' کو حذف ثابت کر کے آیت سے استدلال کیا گیا ہے۔درحقیقت یہاں استدلال آیت سے نہیں بلکہ ایک روایت جعلی سے کیا گیا ہے۔اس روایت کو تسلیم کرنے کے بعد دوراستوں میں سے کسی ایک کو اپنانا ہوگا۔ایک راستہ گمراہی وضلالت پر منتہی ہوتا ہے اور اس کا انجام جہنم ہے۔وہ تحریف قرآن کا قائل ہونا اور قرآن کو چھوڑ کر متعہ کو لینا ہے۔ جب آپ قرآن سے دستبردار ہو جائیں گے تو پھر آپ کو متعہ کی کیا ضرورت ہے ویسے ہی آپ کو اباحیت، شعوعیت جنسیات بلا قید و بند حاصل ہو جائے گی لیکن اگر صیانت قرآن کو قبول کریں گے تو آپ کو تحفہ آئمہ یعنی متعہ' سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

جمہور علماء نے حرمت متعہ کے بارے میں اس آیت کے ٹکڑے سے استدلال کیا ہے ﴿فَمَنْ ابْتَغَی وَرَاءَ ذَلِکَ﴾ کہتے ہیں عورت جس انسان سے عقد کرتی ہے اگر وہ زوجہ یا مملوکہ ملک یمین نہیں ہے تو یہ حرام ہے۔کیوں؟

زوجہ کی اپنی شناخت اور شریعت میں اس کیلئے احکام ہیں۔ان احکام میں طلاق' ارث' عدۃ اور وجوب نفقہ ہے۔جبکہ متعہ میں عورت کو ان حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔سوائے اس کے کہ اس کو نکاح کہتے ہیں۔یہ ظاہری شکل وصورت میں نکاح نظر آئے بھی تو اس سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ کبھی عقد صحیح اور عقد باطل ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔بیع باطل' بیع فاسق' اجارہ صحیح اور اجارہ فاسد میں فرق ہے۔بیع فاسد کیلئے کوئی آثار مرتب نہیں ہوئے لہٰذا

جس مقصد کیلئے شریعت نے نکاح کو حیثیت دی ہے وہ متعہ کو حاصل نہیں ہے۔

۳۔ **نہی از عمر:** عمر نے متعہ کو روکا ہے۔ یہاں ایک جملہ استعمال کیا ہے "متعتان کانتا فی زمن رسول الله متعه الحج و متعة النساء" لیکن متعہ حج تو کسی بھی زمانے میں حرام نہیں ہوا بلکہ حج تمتع ابھی بھی بافضیلت حج میں شمار ہوتا ہے۔ اکثر وبیشتر حجاج، عمر والے اسی حج کو کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے یہ جملہ حضرت عمرؓ نے نہیں بولا۔

- اگر یہ جملہ عمرؓ کا مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے ایک شرعی حکم کی مخالفت کی لیکن کسی بھی صحابی نے انہیں نہیں روکا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے انہوں نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔
- بالفرض اگر ان کے ڈر سے کسی نے احتجاج نہیں کیا حالانکہ ایسا ہوا نہیں تھا تاہم یہ اعتراض اپنی جگہ موجود ہے، تو علیؑ نے اپنے دور خلافت میں اسے بحال یا رواج کیوں نہیں دیا۔ کہتے ہیں علیؑ، عمر کی طرف سے رواج بدعتوں کو نہیں روک سکتے تھے۔ ایسی صورت میں ہم نہج البلاغہ میں موجود اس خطبے کے فقرات کا کیا مطلب لیں گے جہاں آپ نے خطبہ میں فرمایا میں خلفاء کے زمانے میں نافذ تمام احکام کو تہہ و بالا، اوپر کو نیچے اور نیچے کو اوپر کروں گا

"یوم بعث الله نبیه صلی الله علیه وسلم والذی بعثه بالحق لتبلبلن بلبلة ولتعربلن غربلة، ولتساطن سوط القدر حتی یعود اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم"

(خطبہ:۱۶)

اور اگر علیؑ نے اسے بحال نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ نکلے گا حضرت کو بھی حلال وحرام شریعت سے زیادہ اپنی کرسی بچانے کی فکر تھی۔

- متعہ پہلے سے تھا یا پیغمبر نے حلال کیا، آپس میں متصادم ومتعارض ہے۔ یہ روایات مزاج اور سیاق وسباق قرآن کے خلاف ہے جسے ڈنڈے سے چلایا جا رہا ہے۔ متعہ کسی بھی وقت حلال نہیں ہوا بلکہ متعہ خود ساختہ اور گڑھا

ہوا نکاح ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں عمل جنسی کو دو حالتوں میں محصور کیا ہے کہ یا تو محصنین ہیں یا سفاح۔

- کہتے ہیں عمر کو حق نہیں کہ شریعت اسلامی میں رد و بدل کرے، یہ درست ہے اور ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اگر عمر کو خلیفہ مسلمین ہوتے ہوئے یہ حق حاصل نہیں تو آپ کے مجتہدین کو یہ حق کہاں سے حاصل ہوا؟ جہاں مجتہدین کیلئے کہا جاتا ہے کہ انہیں وقتی ضرورت کے تحت کسی بھی واجب سے روکنے، حرام کو مباح اور مباح کو حرام قرار دینے کی اجازت ہے۔ جس کی واضح مثال ایران اسلامی میں چند سال ایرانیوں کو حج پر جانے سے روکنے جبکہ پچھلے سال لوگوں کو رمضان میں عمرے کی ادائیگی سے روکنا ہے۔

متعہ اور اس کے بارے میں وارد روایات

اس عمل کو ایک باعث فضیلت اور اجر وثواب کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں کتنی ہی زوجات کیوں نہ ہوں زندگی میں ایک دفعہ متعہ کرنے کو ضروری گردانا ہے۔ عمل جنسی انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ کیا کھانے پینے کا بھی کوئی اجر وثواب ہے۔ کیا عام دائمی شادی کا اجر وثواب ہے؟ تو پھر کیوں متعہ کیلئے اجر وثواب بیان ہوا ہے۔

نکاح متعہ روایات اہلسنّت میں

فقہائے اسلام اعم از سنی وشیعہ نے نص کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے روگردان اور احادیث واخبار غیر مستند سے استناد کر کے آیت ۲۴ سورہ مبارکہ نساء کے بیچ میں موجود کلمہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ سے استدلال کیا ہے۔ اس آیت کے سابق ولاحق کو چھوڑ کر لا تقربوا الصلوۃ کی مانند استدلال کیا ہے۔ اس کو سند جواز بنا کر اخبار وحدیث کی بحثوں میں پڑنے سے واضح ہوتا ہے کہ اکثر فقہا یا مفسرین بنیادی طور پر کتاب اللہ سے روگردان ہیں اگرچہ وہ دعویٰ ہی کیوں نہ کریں کہ ہم بھی اپنے مدعا پر کتاب وسنت سے دلیل رکھتے ہیں۔ چنانچہ حال

ہی میں چھپنے والی کتاب زواج موقت پر ایک تحقیقی جائزہ کے سرورق پر لکھا ہے کہ "ہم بھی اپنے مدعا پر کتاب وسنت سے دلیل رکھتے ہیں"۔ ہم یہاں ان سے ایک درخواست والتماس کرتے ہیں کہ آپ اپنے اس دعویٰ کی ایک جھلک موسوع فقہیہ' جواہر کلام' لمعہ دمشقیہ' سلسلہ ینابیع الفقیہ تالیف علی اصغر مروارسد' موسوعہ پچاس جلدی آیت اللہ الخوئی میں دکھائیں۔ کتب ۵۱ ابواب فقہ میں ہزار سے زائد مسائل ہوں گے ان میں سے کتنے مسائل پر آپ کتاب اللہ سے سند رکھتے ہیں۔ ان کتابوں میں جہاں کہیں بھی آیت کی نشاندہی یا اس سے استدلال ظاہر کیا گیا ہے وہاں درحقیقت روایت یا حذف کلمات سے استدلال کیا گیا ہے۔

اس آیت سے استدال میں فریقین نے کلمہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ سے استدلال کیا ہے' ایک فریق نے اسی کلمہ سے جواز کا استناد کیا ہے تو دوسرے نے آیت کو منسوخ کر کے اس کی حرمت کا استدال کیا ہے لیکن دونوں نے مدعا کو ثابت کرنے کیلئے حدیث واخبار سے تمسک کرتے ہوئے آیت سے روگردانی کی ہے اور اس طویل آیت کے بیچ سے یہ کلمہ نکال کر اس کیلئے خاص مصداق از خود وضع کر کے زواج موقت کا نام دیا ہے۔

انہوں نے آیت کے سیاق وسباق کو بالائے طاق رکھا اور استدال کرتے وقت اس آیت میں ایک کلمہ مقدر "الی اجل مسمی" کو فرض کیا ہے۔ واضح رہے کہ اس کلمہ کو تقدیر میں لکھ کر اس سے استدال کرنے والوں کیلئے دو راہوں میں سے ایک کو انتخاب کرنا ضروری ہے یا تو کہیں کہ کتاب اللہ جمع کرتے وقت آیت وکلمات چھوٹ گئے ہیں اور قرآن میں تحریف ہوئی ہے تو متعہ ثابت ہو جائے گا یا کہیں کہ قرآن میں تحریف مسترد ومردود ہے تو اس صورت میں متعہ حرام ہوگا۔

قرآن اور سنت نبی کریمؐ سے استناد کرنے کی بجائے' دور حاضر میں انسانی زندگی کو درپیش دگرگوں حالات' سفر تجارت' دور دراز علاقوں میں تعلیم کی خاطر جانا' اپنے ملک میں موجود اداروں میں بے حجاب عورتوں سے آمنا سامنا' خواتین کے بناؤ سنگھار سے انس و محبت پیدا ہونے' تعلیمی اداروں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دوران تعلیم گناہ کے مرتکب ہونے کے خدشے اور ملازمت کیلئے دوسری جگہ پر جانے کی ضرورت کے پیش نظر عقد متعہ کا

جواز بنایا ہے۔ کیا کوئی حکم نظریہ ضرورت کے تحت جائز ہو جاتا ہے۔

آئمہ طاہرینؑ سے وابستہ ہونے اور ان کی سیرت پر چل کر صحیح معنوں میں قرآن وسنت کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کی ترجمانی کا دعویٰ کرنے کے بعد متعہ کے جواز میں فتویٰ دینا بھوسے کے ٹیلے پر عمارت قائم کرنے کے مترادف ہے۔

یہاں پر اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر گزرنے سے ہماری بحث ناقص و نامکمل رہ جائے گی اور خطرہ کا سامنا ہوگا کہ اس صدی کی چند بڑی ہستیاں جن کے نظریات حرف آخر سمجھے جاتے ہیں ان مسائل میں ان کی رائے کیا ہے۔

۱۔ صاحب تفسیر المیزان علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر کے نام کے ساتھ لکھا ہے المیزان فی تفسیر القرآن بالقرآن۔ لیکن مرحوم جب اس آیت کریمہ کی تفسیر پر پہنچتے ہیں تو تمام آیات زواج سے صرف نظر صرف کلمہ استمتاع سے استدلال کرتے ہیں:

"استمتع" سے مراد بلاشک وشبہ متعہ ہے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے جو نبی کریمؐ کے عہد مدینہ کے پہلے نصف میں نازل ہوئی ہے۔ اس وقت کے معاشرے میں بغیر کسی شک کے نکاح متعہ جائز تھا اور علماء اسے اتفاق سے تسلیم کرتے ہیں۔ فرق نہیں پڑتا کہ یہ پہلے سے رائج ہو یا اس کو جائز کرنے والے خود نبی کریمؐ ہوں یعنی پیغمبر اور مسلمانوں کے درمیان معاشرے میں یہ از خود مروج تھا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ یہ اسلام سے پہلے رائج تھا اور اسلام آنے کے بعد بھی رائج رہا ہے لہٰذا یہ لفظ بطور اشارہ استعمال ہوا ہے۔

تفسیر قرآن بہ قرآن کے مدعی صاحب المیزان نے زواج متعہ کو آیت سے ثابت کرنے کے وعدے سے مکر کر۔ اسے پہلے سے موجود ایک مسلمہ حقیقت تصور کر کے آیت سے اشارہ لیا ہے۔

۲۔ ہمارے استاد بزرگوار آیت اللہ صادقی جن کی تفسیر کے درس میں ہمیں شاگردی نصیب ہوئی۔ انہوں نے بھی دعواء کیا کہ ہم تفسیر قرآن بہ قرآن کریں گے لیکن

اپنے رسالہ عملیہ میں تحریر فرمایا کہ اگر متعہ کے بارے میں یہ آیت نہ ہوتی تب بھی ہم متعہ کو جائز قرار دیتے۔

آفرین ہے ایسے فقہا و مفسرین پر جو اللہ و رسول سے زیادہ اپنے فرقے کے عقائد کے ٹھیکیدار ہیں۔ انہیں سورۂ نساء، طلاق، تحریم، نور، احزاب اور دیگر سوروں میں موجود زواج سے متعلق سینکڑوں آیات میں صرف نساء آیت ۲۴ کے دوسرے حصہ میں موجود کلمہ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ﴾ سے ہی استدلال کرنے کے افتخار و اعزاز حاصل ہے۔ جواز متعہ کیلئے کلمہ استمتاع کافی ہے گویا جواز متعہ کے حامیوں کو دائمی زوجہ سے وہ لذت نہیں آتی ہے جو متعہ میں آتی۔

یہاں ان کی عدالت رو پڑتی ہے کہ ان کے نزدیک جو زواج زیادہ لذت آور ہے وہی ہر قسم کے حقوق اور سہولیات سے محروم، صرف بوجھ بنی ہوئی ہے۔ ان کیلئے تمام حقوق سہولتیں ناز و فخر زوجیت حاصل ہے۔ تو کیوں یہ نہ کہیں کہ اگر اس آیت سے ثابت نہ ہو سکا تب بھی متعہ کو جائز بنائیں گے۔

۳۔ استاد بزرگوار، مفکر نامور، شہسوار جنگ خرافات و تحریفات شہید مرتضیٰ مطہریؒ معارف اسلام کے دقائق و موشگاف ہونے کے باوجود نکاح موقت کو کسی آیت و روایت سے استدلال کرنے کی بجائے برطانوی اسکالر برٹرینڈ رسل سے اس حکم شرعی کی سند پیش کرتے ہیں جو انتہائی تعجب آور ہے۔

اس وقت صحیح مسلم کی صرف دو تین روایات نظر آتی ہیں اور انہی دو روایتوں کو اپنے مردود اجماع کی خلعت پہنا کر فرماتے ہیں کہ نکاح متعہ پہلے سے جائز تھا۔ یہ آیت اسی متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے استمتاع صرف نکاح موقت میں ہی متصور ہے دائمی میں نہیں اتنی عظیم ہستیوں کو بھی یہاں پہنچ کر تعصب فرقہ کی عینک مزید تحقیق کی اجازت نہیں دیتی۔

متعہ زناء سے بچنے کا ضامن

آئمہ سے منسوب ایک روایت میں کہا جاتا ہے اگر خلیفہ دوم نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو

آج اسلامی دنیا میں زنانہ ہونے کے برابر ہوتا۔ یہ کلمہ افتخار یہ ہے جس سے شیعہ حضرات اہلسنّت والجماعت پر طنز کرتے ہیں کہ عمرؓ کی خلافت تسلیم کرنے سے مسلمان ان مسائل سے دوچار ہوئے ہیں جبکہ اہل تشیع ان مسائل سے دوچار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس منطق سے اختلاف کر کے خود کو بچایا ہے۔

یہ منطق اہلسنّت والجماعت کی مذمت اوران پر طنز وملامت کی حد تک تو صحیح ہوسکتی ہے لیکن اگر اہلسنّت عمرؓ کی جانب سے متعہ کی ممانعت کی وجہ سے زنا میں مبتلاء ہیں تو شیعہ جو متعہ کو سنیوں اور عمر کی ضد میں رواج دے رہے ہیں ان کے درمیان ہونے والی زنا کاری کا کیا جواز ہے۔ کیوں ان میں زناء کاری کا خاتمہ نہیں ہوا؟ اس تصور کے تحت شیعوں کے ہاں زناء کا نام ونشان تک نہیں ہونا چاہئے تھا۔ زناء کا رواج پانا اس بات کی دلیل ہے کہ متعہ کے بارے میں یہ حدیث جعلی اور خودساختہ ہے۔

نکاح متعہ (آیات الاحکام ج ۳ ص ۱۹۹)

۱۔ عورت کی تمام لوازمات اور ضروریات زندگی چاہے عورت صاحبہ ثروت، مال و دولت ہو یا فقیر محتاج و نیازمند بلاشک شوہر کے ذمے ہے۔ لیکن نکاح متعہ میں عورت کو اس حق سے بالکل محروم رکھا گیا ہے۔

۲۔ چونکہ نکاح مخفی و سری ہے اس لیے وہ بچہ کو بھی جنم نہیں دے سکتی کیونکہ وہ لوگوں کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی۔

۳۔ اگر اولاد پیدا ہوجائے تو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ اولاد فلاں کی ہے یا یہ عقد جائز سے ہے۔ اگر مرد قبول نہ کرے تو اس فرزند کا کیا حشر ہوگا؟ یہ موقع دوصورتوں سے خالی نہیں۔ یا جاہلیت کی سنت پر عمل کر کے پیدا ہوتے ہی ماردیں یا حکومت کے پاس ایسے حادثات کیلئے مخصوص بجٹ ہو تاکہ ایسے بچوں کی پرورش کی جاسکے۔ اگر حکومت ایسی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری یا کفالت کا اعلان کرے تو ملک میں سب سے زیادہ بجٹ اسی کیلئے ہوگا اسے قومی اسمبلی سے پاس کرانا ہوگا اور

اگر ایسا بجٹ قومی اسمبلی سے پاس ہوجائے تو اس سے بدتر اسمبلی دنیا میں کہیں نہیں ہوگی۔ اگر کہیں گے یہ اولاد عاقد ومعقود کی ہوگی تو وہ کیسے ممکن ہوگا کہ عورت جس کا کوئی گواہ نہیں یا کسی کو اس مرد سے عقد کرنے کا پتہ نہیں کہ وہ کس کا نطفہ ہے۔

۴۔ چونکہ نکاح مخفی وسری ہے عورت ہر شخص کی جنسی خواہش کی تیر کا نشانہ بنتی ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں زانیہ مرد وعورت سے ازدواج کو حرام قرار دیا ہے جبکہ اس میں زانیہ سے متعہ جائز گردانا گیا ہے۔

۶۔ قرآن میں لاتعصم الکوافر یعنی کافر عورتوں سے زواج کرنے کی ممانعت ہے لیکن انہوں نے متعہ کو جائز قرار دیا ہے۔

۷۔ انسانی زندگی میں ہونے والے معاملات میں سے سب سے خطرناک، پیچیدہ اور باریک مسئلہ جن میں غلطیوں کا ازالہ ممکن نہیں وہ معاملہ زواج ہے جبکہ اس میں شاہد وگواہ کو مسترد اور غیر ضروری گردانا گیا ہے۔

۸۔ قرآن کریم میں حکم ہے کہ اولیاء کی اجازت سے شادی کریں ﴿فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ﴾ (نساء: ۲۵) متعہ میں اولیاء کی اجازت کو غیر ضروری گردانا ہے۔

۹۔ زواج متعہ میں پوشیدگی اور کتمان کو اہمیت دی گئی ہے۔

۱۰۔ نکاح مخفی وسری میں عدت کی کوئی ضمانت نہیں۔

جب یہ سب نہیں تو دونوں کے راضی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زنا بھی بالکل اسی طرح ہے، دونوں کے راضی ہونے سے کوئی شرعی جواز نہیں بنتا۔ ان تمام نکات سے متعہ کی خودساختگی اظہر من الشمس ہوجاتی ہے۔

عدت (آیات احکام ج ۶ ۳۷)

عدت شرعاً اس مدت کو کہتے ہیں جس میں عورت انتظار کرتی ہے یہ جاننے کیلئے کہ اس کا شکم حمل سے خالی ہے یا حمل موجود ہے۔ یہ شریعت کی طرف سے ایک حکم تعبدی ہے تنہا یہ

نہیں کہ یہ مرنے والے شوہر کا حق ہے۔ عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ طلاق ہوتے ہی کسی اور مرد سے شادی کرلے۔ بعض کہتے ہیں کہ عدت مرد کا خالص حق ہے۔ غیرت کرنے میں کہ اپنی اولاد (جو اس کی فصل ہے) کوئی اور اس میں زراعت نہ کرے۔ عورت وہ چیز ہے کہ اگر طلاق دہندہ اس چھوڑ بھی دے تو بھی حمل ساقط نہیں ہوگا۔ یہ ان احکام میں سے ہے جہاں مالک، حقدار ساقط نہیں کرسکتا ان کیلئے حق خیار نہیں ہے۔ بلکہ عدت خالص مرد عورت کا حق نہیں بلکہ یہ حق شارع ہے شارع نہیں چاہتا ہے کہ اس کے معاشرہ سے بندے کیلئے ہو۔ اس میں مرد کی غیرت کا بھی حصہ ہے کہ وہ عورت کو روک کر رکھے اور شادی نہ کرے لہٰذا اس مدت میں اس کیلئے نفقہ رکھا گیا ہے۔ بقرہ ۲۴۱ میں نفقہ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اسی طرح بقرہ ۲۳۶ تا ۲۳۷۔

فلسفہ عدہ

زواج اسلامی معاشرے کا ستون ہے جب کہ طلاق اس زوجیت کی رسی کو گرانے، گرہ کو کھولنے کا نام ہے زوجیت کے بھی بہت سے آثار ہیں کبھی ان آثار سے نکلنے کیلئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا اللہ نے طلاق میں عدہ کو رکھا ہے تاکہ عورت طلاق ملنے کے بعد ایک وقت معین تک شوہر کی کفالت میں رکھی جائے۔ اس زمانے میں اس کا نان، نفقہ، مسکن شوہر کے ذمے عائد ہوتا ہے تاکہ عورت اس مدت میں امن وسکون کی زندگی گزارے اگر اس دوران کوئی اولاد ہو تو یہ اولاد اس کی ہوگی اگر اولاد اس مدت میں نہ ہو اور کوئی ایسی صورتحال پیش نہ آئے کہ ان دونوں میں زوجیت بحال کی جائے، تو اس صورت میں اس عورت کیلئے اپنا شوہر دیگر مردوں کی طرح ہے۔ اب یہ ایک دوسرے کی ذمہ داری میں نہیں ہیں۔ اسلام نے اس دوران عورت پر عدہ واجب کرکے اس پر ظلم نہیں کیا بلکہ اس میں نفقہ اور جائے سکونت یعنی (رہائش) شوہر کے ذمے رکھی ہے۔ اس وقت یہ عورت کیلئے نیم زندان ہے اور مرد بھی اپنے زوجہ کی طرف سے مطمئن ہے کہ وہ اس کی نظارت میں رہے جب تک اس سے بچہ جنم نہ لے لے کیونکہ اگر عورت حاملہ تھی تو اس کی عدت بچہ ہونے تک ہے۔

متعہ' جاہلیت کا ورثہ یا زنا کی چھٹ

دین اسلام کو دین ہی کے نام سے بوسیدہ کرنے پر سرگرم گروہ نے کبھی مہارت عملی' کبھی تندوتیز اور کبھی ہنسی مذاق میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال گردانا ہے۔ ان مصادیق میں سے ایک اہم موضوع نظام ازدواج ہے۔ اسلام نے دنیا میں رائج سابقہ نظام ازدواج کو ختم کر کے ایک ہی ازدواج کو باقی رکھا تاکہ زناء کے تمام طور طریقے دروازے ختم ہو جائیں۔ دشمنان اسلام نے پھر سے زناء کا دروازہ کھولنے اور نظام ازدواج کو درھم برہم کرنے کیلئے متعہ اور نکاح سری کو رواج دیا ہے تاکہ مرد اور عورت خود کو بچانے کیلئے اس کا استعمال کریں یہ عمل اہل تشیع میں متعہ کے نام سے رائج ہے جبکہ اہلسنّت نے شیعہ ہونے کی تہمت اور اس سہولت سے فائدہ اٹھانے کیلئے نکاح کی نئی شکل ایجاد کی ہے جسے نکاح مسیار ''سرّی'' کا نام دیا گیا ہے۔

خواتین اور فتاویٰ مجتہدین

حقوق خواتین کی علمبردار دنیا مغرب نے نے مسلمان ملکوں میں خواتین کے حقوق کی بازیابی کے بہانے انہیں گھروں سے باپ' بھائیوں' غیرت مند شوہروں کے سائے سے نکالنے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے آخر یہ نوبت کیوں آئی۔ اس کے اسباب وعوامل تلاش کریں تو اس کی چند جہات نظر آتی ہیں۔

۱۔ صاحب مال و دولت جاگیرداروں نے۔ جاگیر کے بیرون خانہ ارث میں جانے سے روکنے کی خاطر ان پر ظلم روا رکھا گیا۔

۲۔ حقوق خواتین کے بارے میں اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے ناآشنا شوہر جو خواتین پر ظلم روا رکھے ہوئے ہیں۔

۳۔ مجتہدین ہیں جنہوں نے قرآن وسنت کے خلاف خواتین سے متعلق فتاویٰ صادر کیئے ہیں ان فتاویٰ میں سے ایک متعہ ہے۔

بیچارہ متعہ فقہا عظام کے سستے کلمہ احتیاط سے بھی محروم

علمائے اعلام، فلسفہ، حکمت احکام شرعی بیان کرتے وقت یا فتاویٰ صادر کرتے وقت عوامی مخالفت سے بچنے کیلئے طریقہ احتیاط کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لئے ان کے رسالہ عملیہ میں کلمہ احوط، احتیاط زیادہ نظر آتا ہے۔ فقہاء دو باب میں زیادہ احتیاط برتتے ہیں جن میں سے ایک باب قصاص ہے۔ قصاص میں کسی کے قتل کا حکم دیتے وقت انتہائی محتاط رویہ اپنایا جاتا ہے تاکہ کوئی بے قصور انسان قتل نہ ہو جائے اس لئے کہا جاتا ہے مبینہ قاتل کے بارے میں کسی ذرائع سے مشتبہ قتل ہونے پر حکم قصاص ٹل جاتا ہے جبکہ دوسرا باب زنا کا ہے معاشرے میں زنا کو فروغ ملنے سے روکنے کیلئے تمام احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں ان میں سے ایک احتیاط عورت کا چہرہ چھپانے کا حکم، اور مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماعات کی حرمت ہے۔ بعض علماء و فقہاء یہاں تک فرماتے ہیں عورتوں کو چہرہ چھپانا چاہئے تاکہ زنا کے مرتکب ہونے کے تمام احتمالی راستے پہلے ہی بند ہو جائیں۔ علماء اس سلسلے میں کسی حکم کا وجوب ثابت نہ ہونے کے باوجود کہتے ہیں احتیاط یہ ہے کہ اسے اپنایا جائے۔ لیکن معلوم نہیں کیوں متعہ کے سلسلے میں یہ احتیاط ان کے اذہان سے نکل گئی یا ان کے قلم کی سیاہی ختم ہو گئی یا انہوں نے متعہ کرنے والوں کیلئے رعایت کرنا ہی احتیاط سمجھا ہے۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا احتیاط یہ ہے کہ اسے انجام نہ دیا جائے جبکہ یہاں حرام سے بچنے کیلئے "احتیاط" بہترین اور آسان ترین راہ نجات تھی۔

دوسری طرف بعض علاقوں میں علماء حضرات عقد دائم کی جگہ متعہ کی ہی سفارش کرتے ہیں۔ فقہا کو اپنی مشکلات کا احساس ہے کہ کہیں وہ متعہ کو فروغ دینے والوں کے عذاب و عتاب میں نہ آجائیں۔ کہیں خمس کی ٹونٹی بند نہ ہو جائے۔

زانی و زانیہ سے نکاح حرام ہے سورہ مبارکہ نور آیت ۳ میں صریح کلمات میں "وحرم علی ذالک مومنین" کے باوجود اسے جائز قرار دینا ایک لمحہ فکریہ ہے۔ گویا اللہ کے فتویٰ پر مجتہدین حاشیہ بھی لگا سکتے ہیں۔ زانی مرد سے عفیفہ عورت اور زانیہ سے پاک مرد کا ازدواج نص قرآن

سورہ نور کے تحت حرام ہے لیکن فقہا کے نزدیک کراہت ہے۔

متعہ اور اجماع امت

علماء شیعہ نے عقد موقت کو اجماع امت سے بھی جائز گردانا ہے۔ ان کا کہنا ہے اصل متعہ کی جواز دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہے لیکن اہلسنّت بعد میں اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہم اس نسخ کے خلاف ہیں لہذا جواز اجماع امت سے ثابت ہے۔

یہاں حیرت اور تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی ہے کہ جس اجماع کو وہ اہلسنّت پر طنز کرتے آئے ہیں، یہاں اسی اجماع سے شریعت کے باب کو ثابت کررہے ہیں۔ اگر اجماع اپنی جگہ حجت ہوتی تو آپ کو اس اجمع کے تحت متعہ کو حرام گردانا چاہیے کیونکہ امت کی اکثریت اسے حرام قرار دے رہی ہے اور اجماعات میں ہمیشہ اکثریت کا حکم مانا جاتا ہے۔

مصادرخاصه نکاح سری ومخفی

☆ مشاکل الجنسیه من ضلال الاستمناء الزناء	محمد احمد البراهم الاحسائی
☆ جنس فی التصور الاسلامی	حسن محمدعطوی
☆ المراء فی ضل الاسلام	سیده مریم نور الدین فضل اللّٰه
☆ المتعه و مشروعتها فی الاسلام	مجموعه العلماء و المفکرین
☆ المفصل فی الاحکام	
المراة و البیت المسلم ج٦	
☆ المراء بین الفقه و القانون	دکتور مصطفیٰ سباعی
☆ المراء بین الفقه و الطب	دکتر علی تمیمی
☆ فقه المراء الاسلوب فی تقسیم الاحکام و بیانها	محمد وحیدی
☆ مسائل اجتماعیه فی سلسلة التاریخ الامریکائی حقوق المراء	
☆ قرآن و مقام زن	سید علی کمالی دزفولی
☆ جائگاه اخص ممتاز زن	محمد زمین زاده
☆ تعدد زوجات	عبد المحسن علی عبد اللّٰه
☆ تحریر المراء فی عصر رسالة	عبد الحلیم محمد ابو شقه
☆ حقوق زن در اسلام	شهید مطهری
☆ المراء فی القرآن	عباس محمود عقاد
☆ المعراء فی التاریخ و شریعه	دکتور اسعد

توسل

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ
كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

(سورہ مبارکہ اسرا)

منکر توسل ہیں

مجھ پر کیئے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اہم اور بنیادی اعتراض جسے مخالفین اچھال رہے ہیں یہ ہے کہ میں منکر توسل ہوں۔ اس اعتراض کے جواب میں، میں دوسروں کی طرح دورخی رویہ نہیں اپناؤں گا۔ اسی طرح میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ "میرا مطلب یہ نہیں تھا" یا "میری باتوں کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے" وغیرہ وغیرہ۔ میں اس قسم کی باتوں کا قائل نہیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ توسل، جادۂ اسلام سے منحرف کرنے کیلیئے اپنایا جانے والا فرعی راستہ ہے، جو صراط مستقیم سے نکالنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جو کسی دوسرے شہر کی گلیوں کی طرف جاتا ہے۔ اس کی منزل کسی دوسرے مذہب پر منتہی ہوتی ہے۔ غرض توسل، بعثت انبیاء سے منہ موڑنے کا حیلہ و بہانہ ہے۔ نبی کریمؐ کی ذات گرامی اور ان کے اہل بیت اطہارؑ کو اپنے مذموم عزائم کی سپر بنانے والے اس پر بھی نہیں رکے بلکہ انہوں نے توسل کو درخت، لوہے کے پنجوں، جعلی قبور، گھوڑے اور کپڑے نچوڑ کر پانی پینے کی منطق تک توسیع دی۔ اور اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ یہ توسل نہیں بلکہ شرک والحاد کا راستہ ہے۔ بتائیں کون ہے جس نے اس وقت توسل کو ان ذوات تک محدود رکھا ہوا ہے؟

مشفق و مہربان معالج کی خواہش

میرے دیرینہ مشفق و مہربان، معالج واطباء میں سے ایک جناب مرحوم ڈاکٹر مشتاق نانجی صاحب تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے، آمین۔ دوسرے جناب محترم ڈاکٹر تاجدار حیدر صاحب ہیں۔ انہیں مغرب میں مشرق کی بوسیدہ غلاظتیں سننے میں بہت مزہ آتا ہے۔ تیسرے جناب محترم ڈاکٹر حسین کنانی ہیں؛ جو اپنے پیران کی من وعن تقلید نہ کرنے پر ہم

سے نالاں اور ناراضگی کا اعلان کئے ہوئے ہیں۔

اس اجتماعی و اقتصادی محاصرہ اور کسمپرسی و بے بسی کے عالم میں، میرے اور میرے اہل خانہ کی صحت و علالت کی خبر گیری کرنے والے مشفق طبیب، جناب عمار رضا حفظہ اللہ ہیں۔ دنیوی و اُخروی حوائج کی برآوردگی کیلئے آئمہ سے توسل اور ان کو اس قسم کی قدرت و طاقت کا حامل سمجھنے کے بارے میں مسلسل اور مکرر سوال و جواب کے باوجود ان کے عقیدہ سے زنگ نہیں ہٹ سکی۔ جب اعلیٰ پایہ کی علمی شخصیات کا اصرار ہے کہ "توسل" مذہب کی مسلمات اور شناخت ہے، تو نسل جوان اس سے کیسے انکار کرسکتی ہے، خواہ ان کا واسطہ اس منطق کے خلاف لوگوں سے کتنے ہی سال رہا ہو۔

دوسری جانب جب نصاب دینی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ مجالس ہوں، جہاں توسل کو کل دین، اللہ تبارک و تعالیٰ خالق کون و مکان، اس کے برگزیدہ نبی کو چھوٹا بتایا جاتا ہو اور سب کچھ علیؑ اور عباسؑ کے سپرد کردیا جاتا ہو (یہاں تک بھی سنا گیا ہے کہ اب اللہ کے پاس کچھ بھی نہیں، بلکہ "ید اللہ مغلولہ" ہے (نعوذ باللہ)) ایسے طبقے میں زندگی گزارنا جہاں نصیریوں اور غالیوں کا بول بالا ہو، وہاں انسان کتنا ہی معتدل، حقیقت شناس اور حقیقت جو کیوں نہ ہو، اس کے نظریات بھی ایسے ہی ہوں گے۔

چنانچہ ہمارے برادر اسلامی ڈاکٹر عمار رضا نے طویل عرصے سوال و جواب کے بعد اس بارے میں چند صفحات لکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس خواہش کو ہمارے لئے سینکڑوں خواہشوں کے مقابلے میں قبول کرنا "ھل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے تحت واجب تھا۔

اسی طرح ضلع خوشاب سے جناب حیدر حسین، توحید قرآنی اور توحید فقیہ اخباری کے درمیان تضاد و تناقص کے حل کیلئے پریشان ہیں۔ وہ کبھی مراسلہ اور کبھی ٹیلیفون کے ذریعے اپنے پریشانیوں کا حل پوچھتے رہتے ہیں کیونکہ ان کے بقول وہ توحید، جس کی تعلیم قرآن دیتا ہے اور وہ جس کی تعلیم کا سلسلہ غالیوں کے فقیہ نے فضیلت اہل بیتؑ کے نام سے عقیدہ تناسخ ھندوازم (کبھی تفویض، تخلیق و تدبیر کائنات ان ذوات کے سپرد کرنے کا تصور) کی صورت میں شروع کیا ہوا ہے وہ آپس میں متصادم و متضاد نظر آتا ہے۔ غالیوں کا توحید، مجموعہ شروک ہے،

توحید اور شرک کے درمیان کسی قسم کا جوڑ نہیں' لہٰذا اللہ سبحانہ سورہ کافرون میں دونوں بالکل جدا قرار دیتا ہے۔ جو بھی عالم دین یا دانشور ذرا بھی قرآن کریم یا احادیث صحیحہ مرویہ از رسول اللہ یا از آئمہ مثلاً نہج البلاغہ کی طرف رجوع کریں وہ کبھی ان دونوں کو یکجا نہیں کر سکتا۔

لہٰذا ان درخواستوں نے مجھے ان خاردار راستوں سے گزرنے کی دعوت دی۔ اس مسئلہ میں چونکہ سب مبتلا ہیں لہٰذا اس کیلئے چند صفحات کافی نہیں تھے لہٰذا یہ اس سوچ کر قلم اٹھایا کہ شاید ہماری یہ کاوش ہر اس شخص کیلئے جو توسل کے نام پر شرک کے مرض میں مبتلا ہے راہ کشایا ابتدائی ہدایت بن سکے یا دوسرے احباب کی طرح دوری ہی کو مصلحت سمجھے۔

توسل کا موضوع

انسانی زندگی کو لاحق خطرات' مشکلات اور صعوبتوں سے رہائی کیلئے انبیاء' آئمہ اور اولیاء سے توسل کرنے کا موضوع اس وقت ضد و نقیض' بین القطبین اور انتہائی افراط و تفریط مراحل سے گزر رہا ہے۔ کسی بھی مقرر' خطیب اور مؤلف کیلئے اس موضوع پر کچھ کہنا یا لکھنا بہت بڑے چیلنج کے مترادف ہے۔ اس کیلئے اُسے بہت سی خاردار تاریں عبور کرنا پڑیں گی۔ اس موضوع میں کسی بھی فریق سے متصادم ہوئے بغیر بولنا' لکھنا یا گزر جانا ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں کی جانے والی ہر قسم کی احتیاطی تدابیر ناقص ثابت ہوں گی کیونکہ جنبش لب یا قلم کے حرکت میں آتے ہی دوسرا فریق چیخ اٹھے گا اور فوراً حکم صادر کر دے گا کہ یہ وہابیوں کی بات کرتا ہے' اس پر ان کا سایہ پڑ گیا ہے۔ اگر بولنے والا ہمارا حامی ہو تو اسے جواب ملے گا کہ اچھا آپ تو فلاں کے نظریہ پر ہو۔ اور اگر ہماری ذات ہو تو جواب ملے گا کہ فلاں نے تو تمام اختلافی مسائل اٹھانے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

یہ ساری باتیں موضوع توسل کے بارے میں کچھ نہ لکھنے کی توجیہ کیلئے کافی تھیں لیکن موضوع کی پیچیدگی اور مشکلات' انسان کو فرض کی ادائیگی سے باز نہیں رکھ سکتیں' نہ ایسے حالات میں انسان مصلحت کے نام سے ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ دوسری جانب چیلنجوں اور خطرات کو بہانہ بناتے ہوئے ہاتھ باندھ کر فریقین کو راضی کرنا بھی ایک ناممکن

عمل ہے۔ پہلے مرحلے میں فریقین کی مرضی خریدنا غضب خدا کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا جبکہ دوسرے مرحلے میں فریقین بھی راضی نہیں ہوں گے کیونکہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح ایک طرف دھکیل کر اپنا فیصلہ محفوظ رکھنا چاہیں گے۔

موضوع کے حوالے سے مذہبی فرض کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب موضوع انسانی زندگی کے اُمور چاہے دین سے مربوط ہو یا دنیا سے دونوں کے مختلف شعبوں سے گہرا وعمیق تعلق رکھتا ہو۔ جتنا یہ تعلق ورشتہ گہرا اور عمیق ہوگا اُتنا ہی اس موضوع پر لکھنا اور بولنا ضروری ہو جائے گا۔ اسے کسی محسن کا تقاضا سمجھیں یا مخالفین کی تہدید کا خطرہ، ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس آگ میں کودنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس پر قلم اٹھا رہے ہیں۔ اس فرض کی ادائیگی کے بعد چاہے ہمیں افراطی ساحل تک دھکیل دیا جائے یا تفریطی ساحل تک، ہم اپنی بضاعت علمی، فکری اور میسر وسائل ومصادر کی حدود میں رہتے ہوئے اس پر قلم اٹھائیں گے۔ ہمارا یہ اقدام اس نیت سے نہیں کہ ہم کوئی نظریہ قائم کر رہے ہیں اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں بلکہ ہمارا مقصد کسی بھی موضوع پر حق وانصاف کے ساتھ گفتگو کرنے کی سنت اور عقائد ونظریات کو قرآن وسنت، عقل ودلیل وبرہان کے سایے میں قائم کرنے کو رواج دینا ہے۔

غیر اللہ سے توسل، شرک یا عین توحید؟!

انسان کو درگاہِ خداوند متعال میں راز ونیاز کرنے کیلئے وسائل کی ضرورت ہے یا بغیر وسائل بھی ایسا ممکن ہے؟

بعض کہتے ہیں؛ عام انسانوں کا اپنی دنیوی اہداف، غایات اور مطلوبات تک پہنچنے کیلئے اولیاء اللہ سے متوسل ہونا ضروری ہے۔ بعض کا کہنا ہے؛ استجابت دعا وحاجت کیلئے اولیاء سے توسل ناگزیر ہے۔ جبکہ بعض کا ماننا ہے؛ توسل استجابت کو یقینی بناتا ہے۔

شرک کے فروغ واشاعت کیلئے نمائش اور میلہ لگانے والوں نے شرک میں موجود قباحتوں کے علاوہ یہ کہنا بھی شروع کیا ہے کہ شرک اتنا وسیع مفہوم نہیں جتنا وہابی پیش کرتے ہیں۔ توسل، شرک نہیں ہے توسل کو صرف وہابی شرک کہتے ہیں۔ شرک اتنا آسان نہیں

ہے۔ وسیلہ میں کیا حرج ہے۔ بعض یہاں تک کہتے ہیں: توسل کو شرک کہہ کر بعض حضرات' موحدین کو مشرک بنانے کے خواہشمند ہیں۔ گویا توسل شرک نہیں' توسل کے بغیر توحید متصور نہیں۔ بعض کا کہنا ہے؛ اللہ سبحانہ نے ان اولیاء کو اتنا کچھ دے رکھا ہے کہ وہ تمام انسانوں کی حاجتوں کو برآوردہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ بعض کا کہنا ہے؛ اگر یہ ذوات اللہ سے طلب کریں تو اللہ مسترد نہیں کرتا۔

لفاظی' لفظوں میں الجھائے رکھنا فرقہ ضالہ وملحدہ اسماعیلیوں کی روش ہے' انہوں نے اس مذہب میں بہت سے ایسے الفاظ و اصطلاحات چھوڑے ہے جو مقلوب الحقائق ہے۔ احیائے دین وشریعت' تعلیم وتربیت' عقائد' احکام اور اخلاق بیان کرنے کی بجائے این جی اوز کے کارندوں ایدھی اور برنی کے مذہب کو آئمہ پر ٹھونسا ہے۔ دین سے نا آشنا سیکولر افراد نے گھروں میں آٹا پہنچانے کو آئمہ کے فضائل ومناقب میں بے مثال قرار دیا ہے۔ ان ذمہ داریوں کو سامنے رکھنے کے بعد آج فقہا و مجتہدین قانون ساز اسمبلیوں میں اسلام کے خلاف پاس ہونے والے بلوں پر چشم پوشی اور سکوت اختیار کر کے آٹا' چینی کی فراہمی' افطار دینے اور بلند وبالا تعمیرات کو اپنا وظیفہ اور تشخص سمجھ بیٹھے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ فقہا و مجتہدین کی دین و شریعت سے چشم پوشی اور سماجی وفلاحی سرگرمیاں دیکھ کر حوزات ومدارس کے فارغ التحصیلان بھی ترویج دین سے کنارہ کشی کرتے ہوئے کاروان حج وزیارات' انگلش اور کمپیوٹر سکھانے والے اداروں کے قیام اور آٹا' گھی پہنچانے والے ایدھی کا مذہب اختیار کر گئے ہیں۔

یہی پڑھے لکھے لوگ امام زمانہ کو زندہ وحاضر وناظر سمجھنے کے باوجود چند سطور عریضہ کی صورت میں لکھ کر امام زمانہ کو ایک مردہ انسان حسین بن روح کی معرفت بھیجتے ہیں اور یہ احمقانہ کام ہمارے ملک کے روشن فکر' روشن خیال اور ولایت فقیہ کے جیالے انجام دیتے ہیں۔

توسل اور بعض دیگر مصطلحات دینی' طلسماتی اصطلاحات میں سے ہیں جن کے معانی و مفاہیم صبح قیامت تک واضح وروشن نہیں ہوں گے۔ کرہ ارضی سے انسان کا وجود ناپید ہو جائے گا لیکن ان اصطلاحات کی تفسیر وتشریح نہیں ہو سکے گی تا کہ ان کے معتقدین اپنے

پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں۔

توسل عین توحید ہے یا شرک؟ اس بارے میں ہم پہلے فقہاء اور علماء کی طرف رجوع کریں گے۔

بعض فقہاء اور علمائے اعلام جیسے فقیہ عالیقدر جناب حافظ بشیر' آیت اللہ سبحانی اور علامہ محسن نجفی (دامہ بقاہم) نے اپنی جگہ اس موضوع پر سیر حاصل مفصل اور مطول بحث کی ہے۔ ہم ان کے نظریات کو ترتیب سے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

توسل کے بارے میں فقیہ وقت کا بیان

جس وقت ہم اپنے ان دو تین مقالات کو یکجا کتاب کی شکل میں لانے کے ارادہ سے ترتیب دے رہے تھے اسی دوران ہفت روزہ "بیان صداقت" میں مجتہد جامع' مرجع فقیہ' منبع فیاض' صاحب صیانت روایات' صاحب فضیلت و بشارت' حافظ رسومات' فخر مقلدین پاکستان آیت اللہ حافظ بشیر دامت بقاہ کا یہ مصاحبہ نظر سے گزرا لہٰذا مناسب سمجھا کہ اس کا خلاصہ بھی کتاب ہٰذا میں شامل کیا جائے۔

"بیان صداقت" صادرہ از لاہور' جلد۲ شمارہ ۱۰ و ۱۱ بمورخ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ کے مطابق؛

پاکستان سے روانہ ہونے والا علماء کا ایک وفد' جو جناب علامہ غلام حسن جاڑا' جناب حیدر علی جوادی اور جناب افتخار نقوی حفظہم اللہ تعالیٰ پر مشتمل تھا' نے نجف اشرف میں آیت اللہ حافظ بشیر سے ملاقات کی اور ان سے توسل کے بارے میں استفسار کیا۔ آیت اللہ نے توسل کے بارے میں انہیں مدلل بیان سے انہیں نوازا۔

یہاں ہم مکرر اور جزئی سوالات چھوڑ کر بنیادی سوالات اور جوابات کا خلاصہ مرحلہ وار قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے' پھر اُن سے ہونے والے سوالات اور جوابات کی روشنی میں ناقد قارئین کی طرف سے کچھ وضاحت طلبی کریں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہم چند سوالات خود سائلین سے کریں گے۔

آخر عقائد اور تاریخ اسلام کے بارے میں فقہاء سے کیوں سوال واستفسار کیا جاتا ہے‘ فقہاء کا عقائد اور تاریخ اسلام‘ تاریخ انساب سے کیا رشتہ ہے؟ اصلاً یہ سوال سائلین کی طرف سے مسئول کے حق میں زیادتی‘ ظلم اور اُن کی تضییع اوقات ثمینہ ہے۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ہمارے مدارس وحوزات کے نصاب میں عقائد اور تاریخ نہیں ہے۔ فقہاء بھی انہیں مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں‘ جن سے یہ علماء حضرات پڑھ کر نکلے ہیں۔

علماء اور فقہاء‘ دروس سطحیات مکمل کرنے کے بعد اپنے دور کے بڑے بڑے فقیہ اور مجتہدین کے درس خارج میں شرکت کرتے ہیں‘ اُن سے احکام فقہی استنباط کرنے کے طور وطریقہ سیکھتے ہیں اور اُن کے تجربات سے استفادہ کرتے ہیں۔ درس خارج پڑھنے والے سینکڑوں طلاب میں سے صرف چند شخصیات ہی کامیاب ہوتی ہیں جو اُن کے بقول احکام شرعیہ کو اُس کے ادلہ تفصیلہ سے استنباط کرسکتے ہیں۔ پھر یہ اشخاص خود درس دینا شروع کر دیتے ہیں‘ اور پھر سے فقہ اور اصول میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عقائد‘ تفسیر قرآن اور تاریخ اسلام پڑھنے کا ان کو وقت نہیں ملتا‘ خاص کر کے جب وہ مرجع بن جاتے ہیں۔

دوسری جانب فقہاء اور مجتہدین اپنے رسالہ عملیہ کے ابتدائی صفحات میں باقلم درشت لکھتے ہیں کہ عقائد میں تقلید جائز نہیں‘ تو پھر اُن سے سوال واستفتاء کر کے فتویٰ لے کر دوسروں پر ٹھونسنے یا دباؤ ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟

اس حوالے سے ہم دنیوی درسگاہوں کے فارغ التحصیل افراد کے رویہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی اپنے شعبہ کے علاوہ دوسرے شعبہ سے متعلق کچھ پڑھا ہو یا معلومات رکھتا ہو تو بھی وہ دوسرے موضوع میں دخالت کرنے اور اظہار نظر کرنے سے گریز کرتا ہے۔ جتنے بھی ڈاکٹر ہیں وہ چار سال طب عام پڑھتے ہیں‘ جس میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ڈاکٹر بنتے ہیں۔ ایم بی بی ایس ڈاکٹر جب مخصوص امراض کا ڈاکٹر بنتا ہے تو وہ دوسرے امراض کے بارے میں کچھ کہتا ہے نہ کچھ کرتا ہے۔ مثلاً دل کے مریض کا معائنہ اور علاج سینہ کا ڈاکٹر نہیں کرتا نہ ہی اس بارے میں کوئی مشورہ دیتا ہے۔ سینہ کا ڈاکٹر‘

مثانہ کے مریض کا علاج نہیں کرتا۔ مثانے کا ڈاکٹر ہڈی کے بیمار کو نہیں دیکھتا۔ ہڈی کا ڈاکٹر کان، گلے اور ناک کا علاج نہیں کرتا۔ اسی طرح ابدان کا ڈاکٹر نفسیاتی مریض کا علاج نہیں کرتا۔ قانون کا ڈاکٹر جسمانی مریضوں کا علاج نہیں کرتا۔ شہر سازی کا ڈاکٹر کوئی قانونی مشورہ نہیں دیتا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بیماری، مرض اور انانیت مدارس وحوزات اور درسگاہ دینی سے فارغ التحصیل طبقہ کو لاحق ہے کہ وہ کسی بھی سائل کو محروم نہیں کرتے۔ اگر فلکیات، علم انساب، تاریخ، ملک کی اقتصادیات، تمدن وترقی، عقائد غرض کسی کے بارے میں ان سے پوچھا جائے تو وہ جواب دیتے ہیں۔ یہ المیہ اپنی جگہ دو وجوہات رکھتا ہے۔

- انہوں نے ان علوم کو نہیں پڑھا، لہٰذا اُن کے پاس صحیح جواب بھی نہیں ہے۔
- وہ عوامی مفتی بنے ہوئے ہیں اور عوام سے خمس وصول کرتے ہیں لہٰذا عوام میں رائج خرافات، بے بنیاد تقدسات کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ بالفاظ دیگر عقائد میں وہ عوام کے مقلد ہیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں سوال ایک مقلد نے دوسرے مقلد سے کیا ہے۔

ہمارے اس بزرگ مرجع سے پاکستانیوں نے یہاں رائج بہت سی خرافات کے بارے میں استفسار کیا مثلاً: رسومات عزاداری، یا علی مدد کہنا، سیدہ غیر سید کی شادی اور پیغمبرؐ کی کتنی بیٹیاں تھی؟ وغیرہ وغیرہ اور انہوں نے ان تمام سوالات کا جواب یہاں کے ماحول وحالات کے تناظر اور عوامی اعتقاد کا پاس واحترام رکھتے ہوئے عنایت فرمایا۔

ہمارے بعض مراجع تقلید کی یہ حکیمانہ نصیحت ہے: "علیکم بدین العجائز" تمہیں چاہیے کہ اعتقاد و دین میں بوڑھی عورتوں کی پیروی کرو۔ جہاں یہ نصیحت بہت سوں کو پسند ہے وہیں اس حکیمانہ نصیحت پر بعض کو ملاحظات بھی ہیں۔ جب عقائد میں بوڑھی عورتوں کی پیروی کرنی چاہیے، تو احکام فقہی میں ان کی پیروی کرنے میں کیا حرج ہے؟ جب آپ دین یعنی عقائد میں بوڑھی عورتوں کی طرف ارجاع فرماتے ہیں تو زندگی گزارنے میں بھی ان کی طرف رجوع کریں۔ وہ دھاگہ بن کر کماتی ہے، آپ بھی جولاہے بن جائیں اور اسی کمائی پر گزارا کریں۔ لوگوں سے دین کی ترویج کا اجر وصول نہ کریں۔ وہ روکھی سوکھی کھاتی ہیں اور سادہ

زیستی کرتی ہیں، آپ بھی ایسا کریں۔

فقیہ عالی قدر کا عقیدہ ہے کہ عوام الناس کے عقائد محکم و مدلل ہے۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ آپ کے تیار کردہ حوزہ علمیہ کے نصاب میں عقائد شامل نہیں، گویا عقائد کوئی پڑھنے کی چیز نہیں، یہ گلی کوچوں کی بوڑھی عورتوں سے سیکھایا جاسکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو تعجب اس بات پر ہے کہ ہمارے ہاں ایسے عقائد بیان کرنے والے علامہ طاہر القادری اور علامہ تقی شاہ کے ہوتے ہوئے علامہ نقوی نے فقیہ عالی قدر کی تضیع اوقات کیوں کی؟

خلاصہ متن مصاحبہ مرجع تقلید

مستفتی علامہ نقوی نے اپنے ہمنواء غالیوں کی صحیح معنوں میں ترجمانی کی اور اس میں کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اسی طرح مرجع تقلید بھی علامہ نقوی اور ان کے ہمنواء غالیوں کی امید اور امنگوں پر "طابق النعل بالنعل" پورے ترے اور کسی قسم کی توضیح اور تفسیر طلبی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ قارئین کرام ہفت روزہ "بیان صداقت" ان کی ویب سائٹ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

ہم یہاں فقیہ عصر، مرجع وقت کو فقہ واصول کے ساتھ ساتھ پاکستانی عوام کی مزاج شناسی پر داد دیتے ہیں جو یہاں کے لوگوں کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں۔ البتہ اس میں چنداں تعجب کی بات نہیں، یہ آپ کا طبیعی حق ہے۔ بعض مراجع تو نجف سے نکلتے تک نہیں اور باتیں شرق وغرب کی کرتے ہیں۔ آپ کا یہاں کے حالات سے باخبر ہونا کوئی نرالی بات نہیں لیکن آپ کا طفرہ مارنا جسے حوزات و مدارس کی اصطلاح میں "مصادرہ بہ مطلوب" کہتے ہیں، پر داد دینا ضروری ہے۔

وفد کے ترجمان جناب علامہ افتخار نقوی نے مرجع عالی قدر کے سامنے پاکستان میں توسل کے بارے میں جاری شکوک وشبہات پیش کئے اور سوال کیا کہ کیا ہمارا آئمہ اطہارؑ سے توسل کرنا (ایاک نعبد وایاک نستعین) سے منافات نہیں رکھتا؟

آپ نے جواب میں فرمایا؛ "اگر آئمہ اور اولیاء سے توسل کرنا شرک اور فعل حرام ہو، تو

کوئی بھی شرک سے نہیں بچ سکتا' مثلاً انسان اٹھتے وقت ہاتھ کا سہارا لیتا ہے۔ کہیں جانے کیلئے پاؤں استعمال کرتا ہے' کسی چیز کو دیکھنے کیلئے آنکھ سے توسل کرتا' کھانے کیلئے چمچہ استعمال کرتا ہے' اسی طرح کسی سے پانی مانگتا ہے' یہ سب وسیلے ہیں۔ غرض دنیا دار توسل ہے' یہاں توسل کے بغیر کیسے زندگی گزار سکتے ہیں۔"

ہمارا موضوع گفتگو بھی یہی ہے کہ کیا توسل' وسائل میسر و مقررہ استعمال کئے بغیر' اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل کرنے کی درخواست کرنا ہے یعنی جس طرح ایک گروہ ذرا سی بھی زحمت کئے بغیر صرف دعا کر کے بیٹھ جاتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ ہی کر سکتا ہے اور کسی میں یہ طاقت وقدرت نہیں ہے۔ لیکن اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں کہ اللہ ایسی درخواست قبول کرتا ہے۔

دوسرے گروہ کا کہنا ہے: اللہ نے یہ اختیار کسی بندہ کو بھی نہیں دیا ہے۔ قرآن میں کثیر آیات ایسی ہیں جو بتاتی ہیں کہ انبیاء فعل خارق العادۃ کرتے تھے' جسے علماء معجزہ کہتے ہیں' تو یہ صرف اُن کی نبوت کو ثابت کرنے کی حد تک محدود ہے' نہ کہ اپنے چاہنے والوں کو ہر قسم کی مشقت اور زحمتوں سے بچا کر ہمیشہ ان کی مراد و مقصود پوری کرنے کیلئے۔ اللہ نے یہ اختیار کسی نبی کو بھی نہیں دیا ہے۔ بنی اسرائیل بمعہ موسیٰ رود نیل کے قریب پہنچے اور فرعون بمعہ لشکر کو پیچھے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انھوں نے موسیٰ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ موسیٰ نے فرمایا: صبر کرو' میرا رب مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ یہاں موسیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مت ڈرو میرے پاس عصا ہے۔ اسی طرح دریا عبور کرنے کے بعد فرعون اور اس کے لشکر کو روکنے کیلئے دوبارہ عصا مارنا چاہا تو اللہ نے منع کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ نے کہیں بھی از خود عصا نہیں پھینکا۔

جبکہ آپ اور آپ کے مقلدین کا کہنا ہے: یہ قدرت' اولیاء اللہ کے پاس بھی ہے۔ کبھی کہتے ہیں: اللہ نے انہیں یہ قدرت عطا کی ہے۔ کبھی کہتے ہیں: انہوں نے ریاضت کر کے یہ درجہ حاصل کیا ہے۔ کبھی اسے آئمہ طاہرین تک مخصوص رکھتے ہیں اور کبھی امام زادگان' ان کے غلام' فضہ اور قنبر عنقاء کو بھی اس کا حامل بنا لیتے ہیں۔ اور کبھی تو شمس تبریزی' ابن عربی

اور منصور حلاّج کو بھی اس مقام کے حامل گردانتے ہیں۔

جن وسائل کی مثال فقیہ عصر نے دی ہے' یہ وہ وسائل ہے جو اللہ نے عامۃ الناس کے استعمال میں دی ہے۔ اللہ نے قرآن کریم میں ان وسائل کو استعمال نہ کرنے والوں کی مذمت وملامت کی ہے؛

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لاَيَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَيُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ (اعراف:۱۷۹)

﴿أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ (اعراف:۱۹۵)

ان آیات میں ہاتھ' پاؤں' سماعت اور بصارت استعمال نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ گویا فرمایا ہے؛ دنیا دارالوسایل ہے' ہر ایک کیلئے وسیلہ مقرر کیا ہے۔ یہاں استعمال وسائل کا حکم ہے جبکہ توسل میں وسائل کا استعمال چھوڑ کر' بغیر اسباب وعلل' معلولات و مسببات کی درخواست کی جاتی ہے۔ تاریخ بشریت میں کسی مومن' نبی اور عبد صالح نے عادی حالت میں اللہ سے کوئی ایسی درخواست نہیں کی۔ کسی مرد یا عورت نے بغیر ازدواج اللہ سے طلب اولاد نہیں کی ہے۔

اگر آیت اللہ بزرگوار' قرآن کریم سے انبیاء اور اولیاء سے بغیر اسباب وعلل حوائج طلب نہ کرنے والوں کی مذمت میں کوئی آیت ارشاد فرمادیتے تو ہمیں بھی یقین ہوجاتے کہ آپ عقیدہ میں بھی فقیہ ہیں۔

حضرت آیت اللہ کے جذبہ سے سرشار ولبریز' مدلل اعتقاد سے بعض اذہان میں موجود خلجان' ایک دیرینہ اعتقادی سوال حل ہوگیا۔ کہ آیا اللہ از خود ایک اور خدا خلق کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض یہاں آکر رہ جاتے تھے اور کوئی جواب نہیں دے پاتے تھے لیکن آپ کے اس جواب سے یہ سوال بھی حل ہوگیا کیونکہ اللہ اپنی ضرورت کے تحت کسی کے چہرہ کو اپنا چہرہ' کسی کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ' کسی کی آنکھ کو اپنی آنکھ بنا سکتا ہے۔ باقی کیا رہا' تخلیق کیلئے اور کیا چاہیے۔

یہاں ہم علامہ افتخار کو بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے صرف آئمہ طاہرینؑ

کے وسیلہ ہونے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تابوت، پنجے، جعلی ضریحیں، یا علی مدد سب کی منظوری لے کر واپس آئے۔ مرجع عالی قدر نے بھی کسی سوال کو مسترد نہیں فرمایا؛ جہاں انھیں کوئی مشکل پیش آئی وہاں انھوں نے فقیہانہ طریقہ سے اگر، مگر، احوط لگا کر یہاں اور وہاں کے سارے غالیوں کو خوش کیا۔ مرجع عالی قدر نے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے سب سے زیادہ اسی بات پر اصرار کیا کہ شرک اس صورت میں ہوتا ہے جب آپ اللہ کی اطاعت سے باہر ہو کر کوئی کام کریں، آئمہ طاہرینؑ سے توسل کا حکم تو خود اللہ نے دیا ہے لہٰذا یہ شرک نہیں ہے۔ یہ ذوات ان تصرفات کا ماذون ہیں، انہیں موقع پر اذن لینے کی ضرورت نہیں یا اگر کوئی چیز کلام اللہ کے حکم کے خلاف نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ کو اس کی کلمات حسنیٰ سے پکارو

﴿هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (حشر:۲۴)

اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں؛ اسمائے حسنیٰ سے مراد آئمہ ہیں۔ اسی طرح دعاؤں اور زیارات کے فقرات میں بھی ان ذوات کو اسمائے حسنیٰ کا مصداق کہا گیا ہے۔ ہم انہی اسمائے حسنیٰ کو وسیلہ بنا رہے ہیں چونکہ کسی چیز بھی کی پہچان، وجہ یعنی چہرہ سے ہوتی ہے لہٰذا ہم انہیں وجہ اللہ، ید اللہ کہہ سکتے ہیں۔

حضرت آیت اللہ نے فرمایا کہ آئمہ طاہرینؑ غیر محدود قدرت کے حامل ہوتے ہیں اور اس کا استدلال بعض بے سند زیارات کے فقرات بلکہ اسناد غالیان، کلمات وجہ اللہ، ید اللہ، عین اللہ وغیرہ سے کیا ہے۔ آپ کی استدلالات اسی طرح ہیں جس طرح بحاثان توحید خالص و ناقدانِ شروکِ دقائق، مبارزان علیہ شروک، اللہ کی توحید اور نفی شرک پر اشعار سے استدلال کرتے ہیں۔

غرض اللہ کے مراتب توحید کے داعی اور انواع و اقسام شرک چھوڑنے کے منادی بننے کے بعد، کسی بھی صورت میں اطاعت اللہ سے عدول کر کے اپنی یا کسی دوسرے کی خواہشات پوری کرنے میں مصروف ہونا یا اُس کا مداح بن جانا شرک کہلاتا ہے، یعنی جس چیز کی اللہ نے

مذمت کی ہے اس کے ارتکاب کو شرک کہتے ہیں' چاہے وہ شرک خفی ہی کیوں نہ ہو۔ شعر گوئی' شعر سرائی' شعر پسندی اور شعر پرستی نص قرآن وسنت وسیرت رسول سے منہی عنہ ہے' چنانچہ سورہ مبارکہ شعراء میں آیا ہے:

﴿وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ (کہف:۵۱)

﴿فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ﴾ (قصص:۱۷)

ہم چونکہ ان علوم میں ناکام و بے بہرہ ہیں' کوئی قطعی نظریہ نہیں دے سکتے اور ہماری طبیعت بھی بعض بچوں جیسی ہے کہ جب تک جواب قانع کنندہ نہ ملے سوال جاری رکھتے ہیں' لہٰذا میری گزارش یہ ہے کہ علمائے اعلام نے سورہ شعراء کی آیت ۲۲۴ سے استناد کرتے ہوئے مومنین شعراء اور ایمانی شعر کو مستثنیٰ قرار دیا ہے' اس آیت میں مستثنیٰ منہ' شعراء ہے یا غاون یا مستثنیٰ منہ کوئی اور چیز ہے۔ یہ طلب وضاحت ہے' جب تک اس کی وضاحت نہیں ہو جاتی اس وقت تک شعر گوئی جہاں بھی اسے شرک یا گناہ سمجھنے اور کہنے میں حق بہ جانب ہوں گا۔

آپ نے فرمایا: آئمہ کیلئے وجہ اللہ' عین اللہ' ید اللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ من باب کنایہ ہے' مجازی ہے حقیقی نہیں ہے۔ مسیحی بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم مسیح اور عزیر کو اللہ کا حقیقی فرزند نہیں کہتے بلکہ یہ ذوات اللہ کے نزدیک مقرب تھے جیسے کہ اس کے فرزند ہوں حالانکہ اللہ نے ان کو فرزند کہنے سے منع کیا ہے۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔

جن روایات' فقرات اور زیارات سے آپ نے استدلال فرمایا ہے' نہ صرف ان کے بارے میں بلکہ علماء قریب بہ اتفاق ہیں کہ جتنی بھی زیارات موجود ہیں ان میں سے کسی کی بھی سند نہیں ہے' یہ زیارتیں صرف علماء اور عرفا کی اختراع ہے۔ اگرچہ بعض نے زیارت جامعہ' عاشورا' زیارت امین اللہ کو درست کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوئے' لیکن آپ نے پھر بھی اُسے ایک مسلمہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

کسی بھی روایات کا سنی یا شیعہ کتب میں ہونا کافی نہیں ہے بلکہ روایت کے راوی سے لے کر امام تک کے درمیان تمام طبقات کا عادل ہونا ضروری ہے۔ آپ سند' اصول کافی سے دینے پر اکتفا نہ فرمائیں کیونکہ اصول کافی میں حسب تصریح علامہ مجلسی گیارہ ہزار احادیث

ضعیف السند ہیں۔ من لایحضرہ الفقیہ میں حسب تصریح مجلّہ "تراشنا" دو ہزار پانچ سو سے زائد احادیث مرسلات ہیں اور آپ حضرات ہی کا فرمانا ہے کہ مرسلات حجت نہیں۔ آپ جیسے داعیان توسل کو چاہیے کہ ان روایات کی سند علم رجال کے تحت درست کر کے پیش کریں۔ علمائے متقدمین سے لے کر عصر حاضر کے فقہاء میں اختلاف رہا ہے کہ خبر آحاد سے حکم فقہی ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے جید فقہاء جیسے سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اس کے منکر تھے۔ جب خبر آحاد سے فقہ ثابت نہیں ہوسکتی تو اس سے اصول عقائد کیسے ثابت ہوسکتے ہیں؟

مرجع تقلید نے اپنے چہیتے شاگرد اور ان کے دوستوں کی امیدوں پر پورے اترتے ہوئے ہر سوال کا جواب عرفیات وقومیات کی رائج روایات کے تحت دیا کہ جو روایت قوم میں چلی آرہی ہے وہ جائز ہے۔ آپ نے اپنے چہیتے مستفتی علامہ نقوی کے اس سوال کے جواب میں کہ علم اور ضریحوں کی شبیہ بنانے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا؛ اگر یہ اُس علم کی یاد دلائے تو اس حوالے سے اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ کے اس جواب کے تناظر میں ہم آپ کے مقلدین کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک سوال کرتے ہیں کہ یہ ٹائی جو مومنین پہنتے ہیں' کیا یہ اُس صلیب کی یاد نہیں دلاتی؟ تو مسلمانوں کیلئے ٹائی لگانا جائز ہے؟ یا اِس شبیہ اور اُس شبیہ میں فرق ہے۔

فقیہ عالی قدر فرماتے ہیں اولیاء کو معجزہ انجام دینے کیلئے ہر وقت باذن اللہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل میں وہ جبرائیل اور ذکریاؑ کے مکالمے کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جبرائیل نے یہ نہیں فرمایا: میں اللہ کی اجازت سے آپ کو فرزند دے رہا ہوں۔ تعجب کی بات ہے قرآن کریم میں ہر نبی کے معجزے یا نفع ونقصان کے بارے میں ۳۲ سے زائد مقامات پر باذن اللہ کا لفظ آیا ہے لیکن یہ آیت اللہ کو نظر نہیں آئی' انہیں صرف سورہ مبارکہ مریم کی یہ آیت نظر آئی جس میں واضح نہیں کہ ذکریاء سے مخاطب اللہ ہے' کوئی اور ملائکہ یا پھر جبرائیل۔

فقیہ عالی قدر سے دست بستہ التماس والتجاء ہے کہ آپ ہمارے مرکز خرافات کے سربراہ اور ان کے چہیتوں کو عقائد نہ سکھائیں کیونکہ ان کیلئے آپ کے عقائد نقل تمر باہجر کی

مانند ہیں۔ ہمارے علامہ نقوی اوران کا داز ودستہ ان عقائد میں خودکفیل ہے۔ عقائد اساس دین ہیں اورانھیں ثابت کرنے کیلئے آیات محکمات، روایات متواترہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ صوفیوں کی گھڑی ہوئی کلمات پر ٹک نہیں سکتی، آپ اس میں زیادہ وقت صرف نہ کریں۔

فقہ آپ کا موضوع ہے جس میں فقہاء فرماتے ہیں کہ دلائل میں کچھ سہولت حاصل ہے تاہم اخبار احاد سے استناد ممکن ہے یا نہیں محل اختلاف ہے لہٰذا آپ سے گزارش ہے وجوب خمس اور تمام مجتہدین کیلئے اسکی تولیت بمع کثیر اختیارات کے بارے میں کچھ رہنمائی فرمائیں کیونکہ فقہاء نے وجوب خمس کے بارے میں بہت فطر مارا ہے۔ کبھی فرماتے ہیں انفال کی آیت ۴۱ سے ثابت ہے تو کبھی فرماتے ہیں آئمہ نے ولایت استعمال کرتے ہوئے اس کا وجوب فرمایا ہے۔ کبھی اسے امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے منسوب کرتے ہیں تو کبھی امام موسیٰ بن جعفرؑ اور امام جوادؑ سے۔ کبھی آئمہ سے معافی کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی اسے متاخرین علماء کا اجتہاد گردانتے ہیں۔ براہ کرم اصل وجوب اوراس کی تولیت کے بارے میں زیادہ نہیں صرف پانچ روایات مسلسل ومستند کی طرف رہنمائی فرمائیں اور راویوں کی بھی نشاندہی فرمائیں تاکہ کتب رجال کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

آیت اللہ سبحانی

آسمان حوزہ علمیہ کے بدر ساطع، افق علوم عقلی ونقلی کے ہلال مشار الیہ فقہائے نوابغ کی شاگردی افتخار رکھنے والے، مستقبل قریب یا بعید میں آسمان فقاہت پر طلوع ہونے والے آئندہ مراجع عظام کے استاد عظیم المرتبہ فیض سبحانی سے فیضیاب ہونے والے آیت اللہ سبحانی دام ظلہ اپنی کتاب "توحید وشرک فی القرآن کریم" ص ۲۱ سے ۹۹ پر فرماتے ہیں؛

توحید، اساس دعوت انبیاء ہے۔ توحید اور نفی شرک، دین کے اہم اور بنیادی مسائل میں سے ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اس پر کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

آپ توحید کی اساس اور مراتب و درجات بیان کرنے کے بعد عبادت کے معنی کے بارے میں لکھتے ہیں؛ علمائے لغت نے عبادت کے معنی خضوع اور تذلل کئے ہیں۔ عبادت

یعنی اظہار تذلل، ایسا تذلل جو اس ذات کے علاوہ کسی اور کیلئے سزاوار نہیں ہے۔ عبادت، انتہائی خضوع وتذلل کو کہتے ہیں، ہر خضوع عبادت نہیں ہوتی۔

اگر کسی ہستی کی الوہیت، ربوبیت اور استقلالیت کا اعتقاد رکھتے ہوئے ان کے سامنے خاضع ہوا جائے تو اُسے عبادت کہتے ہیں۔ جبکہ کسی ہستی کی تعظیم وتکریم، معشوق کے ماتھے کو چومنا اور اس کا دامن تھامنا، کسی عزیز کی قبر کی مٹی کو چومنا، یہ سب تعظیم وتکریم ہے عبادت نہیں کیونکہ یہ اُس کی الوہیت کا معتقد نہیں۔

پھر آپ عبادت کی تین تعریف بیان کرتے ہیں؛

۱۔ لفظی اور عملی خضوع کے ساتھ اس کی الوہیت کا بھی معتقد ہونا عبادت ہے۔ اگر الوہیت کے اعتقاد کے بغیر کوئی بات کہی جائے یا عمل انجام دیا جائے تو اُسے عبادت نہیں کہیں گے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب بت پرست، آفتاب ومہتاب پرست ان کی الوہیت کے اعتقاد کے ساتھ ان کے سامنے خاضع ہوتے تھے، چنانچہ آپ نے ذیل کی آیات کو استشہاد میں لایا ہے؛

﴿الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (حجر:۹۶)

﴿وَالَّذِينَ لاَيَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (فرقان:۶۸)

﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ آلِهَةً﴾ (مریم:۸۱)

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً﴾ (انعام:۷۴)

۲۔ کسی ہستی کے سامنے خاضع وخاشع ہونا کہ وہ اس کیلئے کچھ کرسکتا ہے۔ جیسے غلام اور کنیز اپنے مولیٰ کے سامنے جھکتے اور خاضع ہوتے ہیں۔

۳۔ عبادت یعنی عابد اپنے وجود اور فعل کو غیر مستقل سمجھتے ہوئے اس ذات کے سامنے خاضع وخاشع ہوجائے جسے وہ قائم بہ نفس، غنی مطلق، اپنی ذات میں مستقل اور باقی سب کو اس کا نیاز مند سمجھتا ہو۔

پھر آیت اللہ، عبادت کے ان تین مفاہیم اور مصادیق میں اللہ کے سوا کسی کو بھی شریک بنانے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں؛

۱۔کیا انبیاء اور اولیاء سے حوائج مانگنا شرک ہے؟

مسلمان جو انبیاء اور اولیاء سے متوسل ہوتا ہے' کیا وہ اُن کی الوہیت اور ربوبیت کا معتقد بھی ہوتا ہے؟ قطعاً اگر ایسا ہے تو یہ شرک ہوگا۔لیکن اگر یہ لوگ اُن کو اللہ کے محترم ومکرم بندے ہونے اور اُن کی دعاؤں کے اللہ کی درگاہ میں مستجاب ہونے کے معتقد ہیں تو اس صورت میں یہ شرک نہیں ہوگا۔لیکن یہ ثمر بخش اور جائز ہے یا نہیں' یہ ہماری بحث توحید سے باہر ہے۔

۲۔صالحین سے شفاعت مانگنا درحقیقت قرآن اور سنت پیغمبر سے ثابت ہے۔

اگر شفاعت طلب کریں اس نیت سے کہ وہ شفاعت کے مالک ہے اور شفاعت ان کی سپرد کی گئی ہے' تو یہ یقیناً شرک ہوگا اور مانگنے والا جادۂ توحید سے منحرف ہوگا۔لیکن اگر ہم یہ اعتقاد رکھیں کہ یہ لوگ اللہ کے مقرب بندے ہیں' اللہ نے انہیں شفاعت کرنے کی اجازت دی ہے تو یہ مزاحم توحید یا شرک کے برابر نہیں۔اللہ کی عبودیت کے معتقد ہونے کے بعد ان سے شفاعت طلب کرنا شرک نہیں۔لیکن یہ مفید ہے' حرام ہے یا حلال یہ اور بات ہے۔یہ ہماری بحث سے خارج ہے اور توحید وشرک کی بحث میں نہیں آتی۔

۳۔اولیاء اللہ کے سامنے تعظیم کرنا اور انکی قبور کے سامنے اُن کی یاد منانا

یہ ایک حوالے سے توحید بھی ہے اور شرک بھی۔اس حوالے سے کہ ان ذوات نے اپنی حیات اللہ کی طرف دعوت دینے میں صرف کی اور قربانیاں دی' اپنا مال اللہ کی راہ میں انفاق کیا' اس لئے ہم اُن کی تعظیم کرتے ہیں' یہ عین توحید ہے۔لیکن اگر یہ تعظیم وتکریم ایسے مولیٰ چاہے مردہ ہو یا زندہ کی ہو جس کی الوہیت کے درجات کے قائل اور اُسے مرتبہ ربوبیت پر فائز سمجھے' تو یقیناً یہ شرک ہے اور جادہ توحید سے انحراف ہے۔یہ اصول بتانے کے بعد اگلا نکتہ یہ ہے کہ یہ عمل سودمند ہے' حلال ہے یا حرام؟ اس کیلئے الگ بحث کی ضرورت ہے۔یہ شرک وتوحید میں نہیں آتا اور اس بحث سے باہر ہے۔

۴۔اولیاء سے مدد مانگ سکتے ہیں یا نہیں؟

کیا اولیاء سے مدد مانگنا موافق توحید ہے یا موافق شرک؟ اس کا جواب کچھ عرائض کے

بعد واضح ہوگا۔ اس استعانت کو اس اصول کے ترازو میں رکھیں گے جسے اللہ نے قرآن کے ذریعے ہمیں دیا ہے:

- اگر کسی نے کسی ولی زندہ یا مردہ سے معاونت طلب کی جائے' چاہے یہ رائج روایات کے موافق ہو یا اس کے خلاف' جیسے عصا کو اژدہا بنانا' مردے کو زندہ کرنا' اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ رب ہے یا اللہ نے اپنی طاقت و قدرت' تدبیر اور ربوبیت ان کے سپرد کی ہے' مفوض الیہ ہے۔ یہ شرک ہے اور اس میں جائے شک نہیں۔
- اگر یہ چیزیں اس ولی سے طلب کریں جس کے بارے میں اس کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ خود کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جو اللہ نے اُسے دی ہے' وہ کوئی فعل انجام نہیں دیتا مگر بہ اذن و ارادہ خدا۔ اس انسان سے استعانت طلب کرنا عین توحید ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زندہ ہو یا مردہ' ان سے طلب کیا جانے والا عمل عادی ہو یا خارق العادہ۔ مستعان، قدرت رکھتا ہے یا نہیں؟ یہ اعانت اس کیلئے فائدہ مند ہے یا نہیں؟ اس قسم کی استعانت مانگنا حلال ہے یا حرام؟ یہ اور بحث ہے' یہ ہماری بحث توحید سے باہر ہے۔

۵۔ اولیاء سے طلب شفاء

اگر کوئی کسی ولی سے طلب شفا کرے لیکن اُس کا اعتقاد ہے ہو کہ شفا اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہی شافی ہے لیکن اللہ نے چاہا کہ یہ شفا دینے کا فیض و کرم اپنے بندے کو منتقل کرے اسباب طبیعی غیر طبیعی کے ذریعے تو یہ توحید کے منافی نہیں بلکہ سازگار ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ لوگ از خود کچھ نہیں کرتے جب تک اللہ کا ارادہ نہ ہو۔ لیکن اگر اس کا اعتقاد یہ ہو کہ وہ شفا دینے میں مستقل اور مالک ہے' تو یہ عمل شرک ہوگا اور توحید کے دائرہ سے باہر سمجھا جائے گا۔ لیکن اولیاء شفا دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ یہ ہماری بحث سے باہر ہے۔ ہم نے اسے مثالوں سے ثابت کیا ہے تاکہ قاری اس سے استفادہ کریں جس کا "وہابی" انکار کرتے ہیں۔

حق وانصاف کا تقاضا ہے کہ حضرت آیت اللہ کی تحقیقات کی باریک بینی اور موشگافی کو قدر و احترام کے نظر سے گزارا جائے لیکن ساتھ ہی آپ کی ساحت مقدس میں ایک طالبعلم ناچیز کے ذہن میں اٹھنے والے خلجان وشکوک شبہات کو بھی پیش کیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

آیت سبحانی فرماتے ہیں: شرک اس وقت لازم آتا ہے کہ جب ہم ان کو مستقل طور پر خالق اور رازق تصور کریں لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ یوں ہو کہ یہ ذوات اللہ کے مقرب بندے ہیں' انہوں نے اپنی ہر چیز اس کی راہ میں فناء کی ہے لہٰذا وہ اللہ کے اذن سے ہی یہ سب کچھ کرتے ہیں تو یہ شرک نہیں۔

حضرت آیت اللہ سے سوال ہے کہ مشرکین بھی ہر چیز کا خالق اللہ ہی کو سمجھتے تھے' اور کبھی بھی خلقت تخلیق کو بتوں کی طرف نسبت نہیں دیتے تھے بلکہ وہ ان کو خود اور اللہ کے درمیان وسیلہ اور تقرب کنندہ سمجھتے تھے، جیسا کہ سورہ زمر کی آیت ۳ میں آیا ہے۔ تو ہمارے وسیلے اور ان کے وسیلے میں کیا فرق ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے اولیاءؑ اللہ کے اذن سے کرتے ہیں اور مشرکین کا وسیلہ بت تھا اور وہ اس سے اس اعتقاد سے نہیں مانگتے تھے یہ تو ہر ایک کا اپنی جگہ ایک دعویٰ ہے۔ جس طرح آپ فرماتے ہیں کہ آپ کے اولیاء کو اذن ہے' اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے بتوں کو یہ اذن اور مقام و مرتبت حاصل ہے' وہ بھی مظہر حق ہیں۔ جس طرح ہمارے ملک کے سیکولر' لادین حکمران کہتے ہیں کہ حکومت اللہ کی ہے اور ہم اس کے نمائندے ہیں۔ ہر ایک نے اپنے انتساب اور سلسلہ کو اللہ کی طرف نسبت دے رکھا ہے' ساتھ ہی دعویٰ بھی کرتا ہے کہ ہم ان کے نمائندے ہیں' یہاں یہ واضح ہونا چاہیے کہ کون سچا نمائندہ ہے کون جھوٹا۔

آیت سبحانی نے فرمایا؛ ہر خضوع شرک نہیں ہوتا۔ شرک اس وقت لازم آتا ہے جب آپ کی نیت میں ہو کہ یہ ذوات اللہ جیسی ہیں یا اللہ کے برابر ہیں یا اپنے آپ میں مستقل اور لائق خضوع ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ یہ نہ ہو بلکہ یوں ہو کہ یہ اللہ کی مقرب اور ماٰذون ہستی ہے تو اس وقت یہ خضوع شرک نہیں ہوگا۔

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ خضوع اپنی جگہ ایک حقیقت خارجی ہے جو صرف اللہ کیلئے

مخصوص ہے اور اللہ کے سواء کسی کیلئے بھی جائز نہیں۔ تو کیا خضوع کا عمل منویات سے مربوط ہے یعنی صرف نیت سے شرک ہوتا ہے یعنی اگر عمل کے وقت اُسے اللہ یا رب سمجھ کر کیا جائے تو شرک ہوگا اور اگر یہی خضوع بغیر نیت ربوبیت کے انجام دیا جائے تو شرک نہیں ہوگا، یعنی شرک نیت سے ہوتی ہے عمل سے نہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورہ شعراء کی آیت ۹۹ میں شیطان اور اس کے تابعین کے درمیان ہونے والی شدید بحث و گفتگو کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ آپس میں لڑ پڑتے ہیں، شیطان اپنے گمراہ و فرمانبردار مطیعوں سے کہتا ہے کہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ تو وہ جواب میں کہتے ہیں واقعی ہم صحیح معنوں میں گمراہ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جو جہنمی ہیں وہ اپنے مخضوع کو اللہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ اس کی پیروی کرنے کی بنا پر جہنم پہنچے ہیں۔ تو معلوم ہوا شرک، عمل سے ہوتا ہے نیت سے نہیں۔

سورہ توبہ کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا ہے کہ یہود نے اپنے علماء کو رب بنالیا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا، چنانچہ یہودیوں نے پیغمبر سے کہا ہم تو اپنے احبار کی عبادت نہیں کرتے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا، تم ان کی تحریم و تحلیل آنکھ بند کر کے قبول کرتے ہو یہی عبادت ہے۔ آنکھ بند کر کے اللہ کے ماسواء کسی اور کی اطاعت و فرمانبرداری جائز نہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

اسی لیے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، اگر ہم اپنے قول کی سند تمہیں قرآن وسنت سے نہ دے سکیں، تو سمجھ لو کہ ہماری بات غلط ہے، اسے مسترد کر دو۔

آپ اس ذات عالم سر وخفا کو جو ضمائر نیات و خفیات سے آگاہ ہے، شاھد و گواہ جان کر بتائیں کہ آپ نے توحید و شرک کے بارے میں جو فرق قائم کیا ہے، وہ توحید سے دفاع کی بنا پر کیا ہے یا اپنے فرقہ سے دفاع کی بنیاد پر یا پھر دونوں کو راضی کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ نے توسل کے بارے میں پانچ مفروضات پیش کئے ہیں اور ان پانچ مفروضات کو عقلی اور فلسفی زاویہ سے بے حرج گردانںے کے بعد ان سے توسل کو سودمند، جائز یا حرام ہونے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور اسے اس کے اہل پر چھوڑا

ہے جو اپنی جگہ اچھی بات ہے۔ لیکن بعد میں توسل کرنے والوں سے دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آخر ان اولیاء سے توسل پر وہابیوں کو کیوں غصہ آتا ہے۔ اس بات سے دونوں آیات اللہ خفا ہیں۔

یہاں ایک سوال یہ ذہن میں آتا ہے کہ کیا آپ کے اس فعل سے سب کا متفق ضروری ہے؟ کیا ان لوگوں کا آپ کے اس فعل سے راضی ہونا ضروری ہے؟ جب آپ ان سے راضی نہیں تو وہ بھی آپ سے راضی نہیں ہوں گے۔ آپ ان کے خلاف لکھتے ہیں وہ بھی آپ کے خلاف لکھیں گے۔ انتہائی حسرت اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس چیز کو آپ نے دین کی اساس و بنیاد بنا رکھا ہے اس کی صحت اور حسن کو بچانے کیلئے وہابیوں کو آپ نے ابن حاجب کے گوسفند اور بھیڑ جیسا بنا رکھا ہے۔ جو بھی آپ کے خلاف بولے گا وہ وہابی ہوگا۔

یہ بات یقینی ہے کہ اہل اسلام کی فلسفے کے دقائق وحقائق کی باریکیوں سے دوسری صدی کے نصف میں واقفیت ہوئی۔ اس سے پہلے مسلمان، انپڑھ لوگ جو فلسفے سے نا آشنا تھے وہ توسل کرتے تھے یا نہیں؟ کیا وہ توسل کرتے وقت یہ نیت رکھتے تھے کہ یہ ذوات اللہ نہیں، رب نہیں، انہیں کچھ تفویض نہیں ہوا اور یہ اللہ کی مقرب ومحبوب ذوات ہیں انہوں نے اللہ کی راہ میں فداکاری کی ہے یا انہیں یہ سب نہیں آتا تھا۔

یہ باتیں آپ نے حوزہ کے اعلیٰ پائے کے شاگردوں سے خطاب میں کیں ہیں اور انہی کے سطح کے لوگوں کیلئے لکھی ہے لیکن ذرا آنکھ کھول کر اسی طرح دقت اور باریک بینی سے روضہ معصومہ قم، روضہ امام رضاؑ، امام زادوں کے جعلی روضات جو ایران وعراق میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں مشاہدہ کریں کہ ہزاروں مسلمان جو وہاں زیارت کیلئے آتے ہیں وہ کس الفاظ اور زبان میں ان ذوات سے توسل کرتے ہیں اگر آپ ہی کے بقول یہ لوگ انہی کو اللہ، خالق، رازق اور نفع ونقصان کے مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں تو کیا من باب امر بالمعروف و نہی از منکر انہیں کچھ ہدایت عوامی سطح پر کرنا بہتر نہیں تھا؟

اولیاء اور اوصیاء کی قبور پر تعظیم وتکریم جو اس وقت آئمہ کے قبور پر زائرین کرتے ہیں، فلسفہ کی آمد سے قبل پہلی یا دوسری صدی میں یا اہل غلو واہل حلول کے آنے سے پہلے اصحاب،

پیغمبرؐ کے سامنے ایسا ہی کیا کرتے تھے اور زمین پر رینگتے ہوئے یا سینے کے بل جاتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ کسی ولی سے کوئی فعل خارق العادت اپنے حق میں کرنے کی درخواست کریں اور ساتھ ہی اسے اللہ مالک اور رب نہ سمجھیں تو یہ توحید کے منافی اور شرک نہیں ہے۔

یہاں تک تو سمجھ میں آگیا لیکن سوال یہ ہے کہ آیا غیر انبیاء فعل خارق العادت کر سکتے ہے کیا وہ بغیر کسی سبب کے مسبب پیدا کر سکتا ہے۔ اگر غیر انبیاء فعل خارق العادت کر سکتے ہیں تو انبیاء اور غیر انبیاء کی تمیز کیسے ہوگی۔ اس بات کی دلیل کتاب اللہ کی کس آیت میں ہے کہ اللہ نے انہیں فعل خارق العادت جسے آپ کرامت کہتے ہیں کی قدرت دی ہے۔

آپ نے فرمایا ولی چاہے مردہ ہو یا زندہ' اس سے فعل خارق العادت کی التماس کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مردے عالم برزخ میں زندہ ہیں یہ تو مان لیا لیکن وہاں کے زندہ یہاں کی اور یہاں کے زندہ وہاں کی بات سنتے ہیں اور وہاں سے یہاں تصرف رکھتے ہیں۔ یہاں کی باتیں سننے کیلئے انہیں اس عالم میں زندہ ہونا ضروری ہے' دوسرے عالم میں زندہ ہونا کافی نہیں کیونکہ ماں کے شکم میں بچہ زندہ ہوتا ہے لیکن باہر کی دنیا کی کوئی بات نہیں سن سکتا۔

آپ نے تعداد اولیاء کو محدود اور معین نہیں کیا لہٰذا ہر ملک' ہر شہر' ہر گلی میں اولیاء کی فروانی ہے۔ آپ کے بقول وہ جہاں بھی ہوں آپ کی صدا سنتے' ہیں آپ کی حاجات جانتے ہیں تو اان کے ہوتے ہوئے کیونکر مردہ اولیاء سے توسل کرنے کی ضرورت ہے۔

انبیاء معجزے صرف مخالفین و منکر نبوت کو دکھاتے تھے یا دوست اور موالین کو بھی دکھاتے تھے۔ آیا حضرت عیسیٰؑ نے ایک دو دفعہ مردے کو زندہ کیا تھا یا جہاں جہاں ان سے دوست و دشمن درخواست کرتے وہ عیہ عمل انجام دیتے تھے۔ آپ کے پاس کوئی اعداد وشمار ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے دور رسالت میں کتنے مردوں کو زندہ کیا؟

کتنے اولیاء ہیں یا گزرے ہیں جنھوں نے اپنی جان و مال اور خانہ وآشیانہ اللہ کی راہ میں قربان کیا ہے؟ آیا جہاد فی سبیل اللہ' فنا فی اللہ کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے یا باقی ہے؟ آیا وہ ذوات' جنھوں نے غلط سلط سب روایات کو حسن نیت کے تحت جمع کر کے ہم تک پہنچایا ہے'

ان کی قبور بھی بارگاہ آرمان و آرزو مندان ہے؟ صرف یہی اولیاء ہیں یا یہ مقام ومنصب، صحیح غلط کی چھان بین کر کے انہیں غلطیوں سے پاک مجموعہ کتب پیش کرنے والوں کو بھی حاصل ہے۔ اگر حاصل ہے تو آپ نے بھی آیات وروایات کی دقیق، فلسفی غربال سے چھان بین کی ہیں اور نص قرآنی کے تحت زندہ مردہ سے افضل ہے، آپ تو بہ طریق اولی حاجت روائی کر سکتے ہیں، آپ سے درخواست ہے ہم دس سال سے قومی، اجتماعی اور اقتصادی محاصرہ میں محصور ہیں، کچھ ایسا کریں کہ یہ حصار ٹوٹ جائے، ہماری بھی کچھ حاجات روائی فرمائیں۔

حضرت آیت اللہ سبحانی اپنی کتاب "نقد بر آئین وہابیت" میں ایک وہابی کے اس منسوب حدیث "لولا محمد لما خلقتک یا لولاک لما خلقت الافاک" کو سورہ ذاریات کی آیت ۵۶ سے متصادم ومتعارض قرار دینے کے جواب میں اسے بے جا اور جاہلانہ نقاد دے کر فرماتے ہیں، بیچارہ کو پتہ نہیں کہ غرض وغایت خلقت انسان اللہ کی عبادت ہے۔ درحالانکہ عبادت خود کمال انسانی کی خاطر اور ایک ایسے بشر کو لانا ہے جو اپنے صفات وکمال کے حوالے سے خلافت زمین کی صلاحیت واہلیت کا حامل ہو۔

یہاں یہاں وہابی ناقد اور ان سے نالاں آیت اللہ دونوں پر حیرت ہے لیکن آیت اللہ پر حسرت وافسوس ہے کیونکہ آیت اللہ نے مفسر قرآن کے ساتھ اصولی اور رجالی ہوتے ہوئے بھی نہ آیات قرآنی کا پاس رکھا نہ نقل شدہ روایت کے بارے میں اظہار نظر فرمایا۔ یہ روایت اپنے سند ومتن دونوں حوالے سے مخدوش ومشکوک ہے۔ یہاں تک حدیث کی سند میں یہ روایت مرحوم فیض کاشانی نے اپنی کتاب حق الیقین ج ۱ ص ۳۸۱ پر بغیر کسی سند کے صرف حدیث مشہور کہنے پر اکتفاء کیا ہے جبکہ کتاب جنۃ الماویٰ ص ۲۴۳ تالیف علامہ بزرگ سید محمد طباطبائی نے فقیہ عالے قدر نامور آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء سے نقل کیا ہے کہ یہ روایت کسی بھی مجامع روائی میں نظر نہیں آتی، اس کی کوئی سند نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ روایت ان آیات کریمہ کے بھی خلاف ہے جہاں فرماتے ہیں خلقت کائنات کی غرض و غایت عام انسان ہے (جیسے نحل: ۱۲، ۱۴۔ حج: ۶۵۔ لقمان: ۲۰۔ زخرف: ۱۳۔ انبیاء: ۷۹) اس کے علاوہ سورہ ذاریات کی آیات اور اس مفہوم میں وارد دیگر آیات کی مفہوم میں غرض خلقت خود

اللہ کی عبادت گردانا ہے۔ اس سے مراد خود انسانی کمال ہے۔ یہ استنباط نص اور اس کے سیاق وسباق سے کیا گیا ہے یا تفسیر عقلی با اصطلاح عرف مفسرین تفسیر بہ رائے یا تفسیر صوفی سے۔ حضرت آیت اللہ نے اپنی کتاب کے مبانی توحید میں بعض مفسرین کی اس طرح شکایت کی ہے کہ وہ آیات قرآن کو سیاق وسباق سے نکال کر اپنے مفہوم کو بے سند احادیث کے ذریعے مستند بنانے کی ناکام کاوش کرنے کے ساتھ ساتھ آیہ مبارکہ ذاریات ۵۶ کو بھی اپنی مرضی کے مطابق موڑا ہے۔ اگر غرض وغایت خلقت انسان خود انسانی کمال ہے تو پھر آیات انحصار عبادت اللہ اور اس میں ہر قسم کی اشتراک کی مخالفت کا یہ فلسفہ بن سکتا ہے۔ دین مسیحویوں، صوفیوں اور حروفیوں کی خدمت خلق نہیں ہے۔ قرآن کریم آئین حیات وزندگی انسان ارتباط باخالق ومدبر ومربی کے ساتھ ہے۔ انسان کائنات کے دیگر انسانوں کے ساتھ ارتباط پر ہدایت وامر الٰہی کا معنی دین ہے۔

ہمیں نہ بے سند روایات، فلسفہ، اصول اور تاویلات باطنی کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہم آپ سے ترقی وتمدن دنیا اور ہمنشینی با ملل متقدمہ کے خواہاں ہیں۔ آپ ہمیں سادہ دین جو آیات محکمات اور روایات معتبر ومستند ہو وہی عنایت کریں یہی ہمارے لئے کافی ہے۔

حضرت آیت اللہ سے سوال ہے؛ جس وقت نبی کریمؐ مبعوث ہوئے تھے اس وقت سرزمین عرب، مکہ اور مدینہ کے افراد تمام کے تمام سوائے چند افراد کے ان پڑھ تھے۔ ان میں محی الدین عربی، حسین حلاج، شبلی نعمانی، حافظ اور رومی تو چھوڑیں آپ اور آیت اللہ آملی جیسے ہستیاں بھی نہیں تھیں کہ وہ آیات (اعبدونی) سے مراد کمال انسانی لیتیں۔ اللہ فرماتا ہے؛ میری عبادت کرو۔ آپ فرماتے ہیں؛ انسانی کمال حاصل کرو۔

یہ بات نہ کہیں، چہ نسبت ذرے کو کہکشاں سے، اوقیانوس کو قطرے سے۔ کسی عالم فقیہ سے سوال صرف ان جیسے لوگوں تک وقف ومحدود نہیں، یہ ہر شخص نافہم وناسمجھ کو حاصل ہے۔

حضرت آیت اللہ سبحانی! سابق زمانے میں ہم یہ سمجھتے تھے وہابی ایک فرقہ تنگ نظر ہے جو دشمن اہل بیتؑ ہے لیکن تجربات، مکرر از بیان وقلم، سلوک ورفتار مخالفین اور موافقین سے کئی حقائق اور نئے نتائج کا کشف ہوا۔ جن کے مطابق وہابی مذہب میں موجود انحرافات، شعائر

دین اور تسامح در دین کے نام سے شامل ہونے والی خرافاتوں کے بارے میں ناقدانہ اور باریک بین نظر رکھنے والے کے سر پر لٹکائے رکھنے والی ایک سیف صارم ہے تاکہ اس تلوار کی زرق و برق، چمک و دمک دیکھ کر کسی کو زبان و قلم کھولنے کی جرأت نہ ہو۔ انہیں دشمن اہل بیتؑ اس لیے کہتے ہیں تاکہ آپ غالیوں اور زندیقوں کی طرف بنام معجزات کرامات، جعل کردہ فضائل جو کہ درحقیقت شان اہل بیتؑ میں جسارت و اہانت ہیں کو آسانی سے فروغ دے سکیں۔ اور وہ مطاعن خلفاء، جو تیسری سیف صارم ہے کے نام سے امت کی وحدت کو پاش پاش کرنے میں مدد کر رہی ہیں۔ وہابی دین میں ایک قسم کی خرافات پھینکتے ہیں، اور ہر جعلی حدیث پر ڈنڈا بردار بٹھا رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں میں نورہ کشی ہے، ایک وہابی وہابی کہہ کر اور دوسرا شیعہ شیعہ کہہ کر دین کو صوفیوں اور غالیوں کے احادیث سے پُر کر رہا ہے۔

غور و دقت سے سوچنے والے یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام و مسلمین آپ دونوں کا ذبیحہ ہے۔ ذبیحہ ابراہیمی نہیں بلکہ ذبیحہ حجاج۔

اگر یہ لوگ دشمن اہل بیتؑ ہوتے تو نماز جمعہ کے دوسرے خطبہ میں آل رسول خاص کر کے امیر المومنینؑ کا نام لے کر صلوات و درود نہیں بھیجتے۔ اگر یہ لوگ دشمن اہل بیتؑ ہوتے تو ان کے امام و مقتدا احمد بن حنبل کی اہل بیتؑ کے فضائل اور شان میں لکھی گئی کتاب کو مجمع جہانی اہل بیتؑ اعلیٰ، معیاری، طباعت سے آراستہ کر کے مفت میں تقسیم نہیں کرتی۔

آیت اللہ سبحانی کتاب ”توحید والشرک فی القرآن“ ص ۲۰۶ پر زیارت قبور کے عنوان میں لکھتے ہیں؛ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قبور کی زیارت جائز ہے۔ یہ بات ہر اس انسان کو معلوم ہے جو کتب فقہی و حدیث سے آشنا اور ان کا مطالعہ کرتا ہے۔ ہم یہاں ان احادیث متضافرہ کا متن ذکر کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے۔ اور صرف آئمہ مذاہب اربعہ کے فتاویٰ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں؛ آخرت کی یادآوری اور نصیحت کیلئے زیارت قبور مستحب ہے۔ زائر کو چاہیے وہاں جا کر دعا، تضرع اور قرآن کی تلاوت کرے۔ زیارت چاہے قریب سے ہو یا بعید سے اس میں فرق نہیں۔ اگر کوئی زیارات واردہ سے واقف ہونا

چاہتا ہے تو کتب حدیث کی طرف رجوع کرے۔

نمی دانم حضرت آیت اللہ سبحانی تجاہل فرما رہے ہیں یا اپنوں اور غیروں کو اغراء بجہل رکھنا چاہتے ہیں یا پھر حکم صوفیان' دروغ مصلحت پر عمل فرما رہے ہیں کہ لوگ اولیاء کے معطی ورازق ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے' ان سے حاجت طلب نہیں کرتے بلکہ ان سے التماس و دعا کرتے ہیں۔ یہ باتیں اپنی جگہ حقائق خارجی کے خلاف ہے۔ ذرا ضریحوں کے نزدیک جا کر سنیں سب معلوم ہو جائے گا۔ یہ باتیں اب عوام تک محدود نہیں رہی بلکہ اب تو علماء وفضلاء' بزرگان بھی آئمہ سے سعادت کے طالب ہیں' یہ چیزیں کتب ومجلّات میں موجود ہیں آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہاں آپ یہ نہیں فرما سکتے کہ ان کی نیات اس طرح نہیں۔ یہ بھی اغواء واغراء ہے' کشف نیات ہمیشہ الفاظ وکلمات سے ہوتی ہے: آپ کیونکر لوگوں کی تحریروں سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ یہ حکم اپنے مخافین کے حق میں بھی نافذ فرمائیں۔

پھر آیت اللہ فرماتے ہیں روایات کثیر ہے کہ قبور پر تعمیرات' تعظیم شعائر اللہ ہے۔ اور تعظیم شعائر اللہ کا حکم آیت کریمہ میں آیا ہے۔

﴿ذَلِکَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (حج:۳۲)

شعائر علامت کو کہتے ہیں' جو سراسر عالم' اللہ کے وجود اور دین کی نشانی ہے۔ اللہ نے صفا ومروہ اور ذبیحہ کو شعائر کہا ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (بقرہ:۱۵۸)

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ (حج:۳۶)

شعائر کی جو توسیع آپ نے کی ہے اس میں ذبیحہ کے ساتھ گدھے' مچھر اور لال بیگ بھی آتے ہیں۔ آپ نے اسے صفا ومروہ کے مقابل میں اٹھایا ہے۔ ذبیحہ حیوان ہے لیکن ہر حیوان شعائر نہیں۔ شعائر صرف وہ حیوان جو کعبہ اور حج کیلئے مختص ہے۔ صفا ومروہ نص قرآنی کے تحت شعائر ہے' اگر شعائر کو اپنی مرضی سے توسیع دی جا سکتی ہے تو ایران میں کسی جگہ کعبہ' صفا ومروہ اور عرفات بھی بنالیں۔

آپ کا کہنا کہ پیغمبر شعائر ہیں لیکن اللہ نے نبی کریمؐ کو شعائر نہیں کہا ہے۔ اگر پیغمبر اور

آئمہ اظہار شعائر ہوں تو کیا ان سے تمام وابستگان بھی شعائر ہوں گے؟ اگر امام حسین شعائر ہوں تو کیا ان کے جھنڈے بھی شعائر ہوں گے۔

آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے کتاب الندوہ میں آیت اللہ خوئیؒ سے نقل کرتے ہیں؛ شعائر وہی مخصوص چیز یا جگہ ہے جس کی شریعت نے نص کی ہے' جسے شریعت نے شعائر کہا ہے۔ شعائر اجتہادات سے نہیں بنتے۔

آپ نے فرمایا کہ زیارت قبور مستحب ہے' وہاں یاد آخرت اور وعظ و عبرت ملتی ہے۔ آپ تو الحمد للہ اس میدان کے حافظ و ناظر اور نگران ہیں' بینک و بین اللہ یہ بتائیں' انبوہ زوار ان بارگاہوں میں پہنچ کر آئمہ کی جہاد' قربانیاں' امر بہ معروف' نہی از منکر' اعلائے کلمہ حق' فنا فی سبیل اللہ' اخلاص و توحید کو یاد کرتے ہیں یا سینہ کوبی کرتے ہوئے اولاد' ختم نہ ہونے والی دولت' رشوت ستانی کر کے کرسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

یہاں ایک سوال اور ہے کہ زائر جب ان بارگاہوں پر زیارت کیلئے جاتے ہیں اور جو کتب ادعیہ و زیارات پڑھتے ہیں' وہ آئمہ کے کلمات ہیں یا کسی موالی کی عبارات ہیں؟ علمائے اعلام نے ان زیارتوں کی سند کو صاحب کامل الزیارات سے انتہا کیا ہے۔ اکثر و بیشتر علماء اور فقہا کا کہنا ہے ان زیارتوں میں کسی بھی زیارت کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتے کہ یہ آئمہ سے مروی ہے جبکہ بعض نے تمام کی اسناد کو مخدوش قرار دیا ہے۔ یقیناً ان زیارات کے فقرات کسی غالی نے ترتیب دیئے ہیں' جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انہی میں حلول کیا ہے' اللہ نے امور خلقت انہیں تفویض کی ہے' یا پھر یہ زیارات' آپ جیسے فلسفی جو کفر و شرک کے باریک فرق کو فلسفی زبان میں واضح فرماتے ہیں نے ترتیب دیں ہیں۔ یہاں زائروں دو گروہ بنتے ہیں:

ایک گروہ انپڑھ لوگوں کا ہے جو اپنے الفاظ میں زیارت کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ اللہ سے پوچھ سے کریں گے یا اللہ نے انہیں اذن دے رکھا ہے۔ یہ لوگ سبحانی نجفی نہیں بلکہ ان پڑھ لوگ ہیں۔

دوسرا وہ علمائے اعلام ہیں جو ان زواروں کی قیادت فرماتے ہیں' یہی زیارت پڑھنے کی

ان سے رقوم ظالمانہ وصول کرتے ہیں اور انہیں سمجھاتے ہیں کہ یہاں سے خالی نہیں جانا ورنہ معلوم نہیں آئندہ آسکیں یا نہیں۔ انہی لوگوں نے فضائل اہل بیت کے نام سے شرک پھیلا رکھا ہے۔ اگر آپ کے پاس وہابیوں کی کتابوں کی رد لکھنے اور تجزیہ وتحلیل کرنے کا وقت ہے تو کچھ وقت ان زیارتوں کی اصلاح کیلئے بھی دیں۔

آپ نے جہاں انتہائی محنت ومشقت' دقت ومتانت سے آیات کثیرہ کے ذریعے عبادت کے محصور ذات الٰہی ہونے کی تفسیر میں توسیع فرما کر بیچارے وہابیوں کو اپنی جہالت پر احساس حسرت اور انگشت بہ دندان فرمایا ہے وہیں تھوڑی سی اور زحمت فرما کر ان بارگاہوں میں پڑھی جانے والی اشک آور زیارتیں جنہیں محدث قمی' کفعمی اور سید بن طاووس نے ترسیلات میں چھوڑا ہے' کی اسناد پر بھی تحقیق فرما دیتے تاکہ افکار وہابی سے متاثر ومتہم لوگوں کی زبانیں بند ہو جاتیں۔ ان کتب میں مذکور دعائیں' زیارات اور نمازیں سب کی سب مرسلات ہیں۔ آپ حضرات اصول میں فرماتے ہیں کہ فقہ میں مرسلات سے استنباط نہیں کر سکتے سوائے ایک دو ہستی کے۔ کیا محدث قمی' کفعمی اور سید بن طاوؤس بھی ان میں شامل ہیں؟ یہ حضرات کب اس میں شامل ہوئے؟ یا آپ نے انہیں دوسری چھت یعنی تسامح سنن کے اندر داخل کیا ہوا ہے۔

جہاں تک زیارات کی بات ہے' تو کامل الزیارات میں فقط قبروں تک پہنچنے اور حاضری دینے کے ثواب کا ذکر ہے' اس میں زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تو یہ زیارتیں کہاں سے آئیں' کس کی بنی ہوئی ہیں۔ کیا اجتہاد کے نام سے "ادخال مالیس فی الدین" کو دین میں داخل کیا گیا ہے۔

پہلے ان اکاذیب پر مبنی زیارات کو بقصد قربت اور رضائے الٰہی' آئمہ سے خطاب کریں گے۔ پھر علامہ نقوی ان فقرات کو مرجع وقت' فقیہ عالیقدر کے سامنے پیش کریں گے۔ پھر فقیہ عالیقدر اُن سے آئمہ کی ضریح کے سامنے سجدہ کرنے اُن سے حاجتیں مانگنے کے جواز کے طور پر استدلال کریں گے۔ پھر بے سندوں کو تسامح سنن سے استناد کریں گے۔ پھر اُن سے ماخوذ کلمات سے عقاید ثابت کریں گے اور پھر اُس عقیدہ کو بھی بوڑھی عورتوں پر چھوڑیں

گے۔کیا کہنے آپ کی اجتہاد کے۔ یہاں سمجھ میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے نصاب حوزات میں عقائد کو کیوں نہیں کیا۔تا کہ ہم جیسے بے ادب شاگرد آپ حضرات سے ان روایتوں کی سند نہ پوچھ سکیں!

ذرا ملاحظہ کریں مصادر دعا و زیارات؛

جب ہم زیارات کو موضوع بنائیں اور اس بارے میں قلم اٹھائیں، تو مجبور ہیں کہ اس سلسلے کی کتب کی طرف مراجعہ کریں۔ ہمارے پاس زیارات اور دعاؤں کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔اس وقت مقامی وعلاقائی کتابوں کو چھوڑ کر بین الاقوامی کتب خانوں اور عبادت گاہوں میں رائج دعا کی کتابوں میں مفاتیح الجنان، مصباح، بلد الامین کفعمی اور اقبال سید بن طاووس ہے جو دعائیں اور زیارتوں کا مجموعہ ہے۔

محدث قمی نے پہلے سے موجود دعا اور زیارتوں پر مشتمل کتب پر سخت کلمات میں انتقاد کیا اور سب کو بے اساس و بے بنیاد قرار دیا۔ جن میں بہت سی دعائیں جیسے دعائے جبی صنم قریش اور بعض زیارتوں کے فقرات وجملات کو غیر مستند قرار دے کر نئی دعاؤں اور زیارتوں پر مشتمل کتاب کی تالیف کی ضرورت محسوس کی اور مفتاح الجنان کی بجائے مفاتیح الجنان پیش کی۔ جب ہم مفاتیح الجنان میں وارد دعاوؤں کی سند دیکھتے ہیں تو ان کی اسناد کی حالت کچھ اس طریقے سے ملتی ہے۔

۱۔ کثیر دعائیں، نمازیں اور زیارات بغیر کوئی سند دیئے شروع کی گئی ہیں۔

۲۔ بعض دعاؤں کو ارسال مرسلات کرتے ہوئے تمام واسطوں کو حذف کر کے آپ نے پیغمبر یا امام سے نقل کیں ہے۔ جنہیں علم روایات شناسی کے تحت مرسلات کہتے ہیں اور مرسلات تمام علمائے رجال اور حدیث شناسوں کے نزدیک مردود و ناقابل عمل ہیں۔ گرچہ بعض نے بعض کی مرسلات کو قابل عمل بنایا ہے، ان میں ان کا کوئی ذکر نہیں، تاہم ہمارا اعتراض ان پر بھی ہے جن کی مرسلات کو انہوں نے قابل عمل بنایا ہے۔

مصادر ومنابع مفاتیح الجنان

ا۔مصباح کفعمی

اس میں دعائیں، زیارات، نمازیں یا تو بلا سند آیا ہے یا بطور مرسلات بدون کسی واسطہ کے امام یا نبی کریم سے نقل ہیں۔مصباح کفعمی کے بارے میں آیت اللہ محمد باقر خونساری اپنی کتاب روضات الجنات ج ا ص ۲۰ پر لکھتے ہیں، ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ایک **"الجُنّة الواقیه والجَنّة الباقیه"** ہے جسے مصباح بھی کہتے ہیں۔اس کی زیادہ تعریف کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے پہلے انھوں نے ایک کتاب بلد الامین ودرر الحسین ترتیب دی تھی جو دعا، تعویذات، حرز، زیارات اور آداب وغیرہ سے پُر تھی انھوں نے اس میں سے غث وسمین کو جدا نہیں کیا تھا۔ان تمام بے سند دعاؤں، تعویذات، نمازوں اور زیارتوں کو ایسی روایات سے مستند کیا ہے جو خود اپنی جگہ مشکوک السند ومتن ہیں ان روایات کو تسامح سنن کہتے ہیں۔

مرحوم آیت اللہ مشکینی اپنی کتاب اصطلاحات اصول فقہ کے ص ۱۸۹ پر تحریر کرتے ہیں: ہشام بن سالم نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے؛"من بلغه عن النبی شیءمن الثواب فعمله کان اجر ذلک له"۔

اگر کوئی خبر ضعیف اپنی صحت کی شرائط پوری نہ کرتی ہو اور اس میں کسی فعل کے انجام پر ثواب بیان ہوا ہو مثلاً کسی نے سنا یا وہ روایت دیکھی جس میں نوروز کے دن غسل کرنے کا ثواب بیان ہوا ہے۔یہاں یہ روایت کم سے کم دو حوالے سے مشکوک اور ضعیف ہے۔اول خود نوروز کی فضیلت اور دوم اس کے اعمال دونوں مشکوک بلکہ علماء ومحققین کے نزدیک مردود ہے لیکن اس پر عمل کرنے والوں کیلئے اجر وثواب بیان کیا جاتا ہے۔

اگر ایسی بے سند، مرسلہ روایات سے مشرکین کی عید نوروز ثابت ہو جائے اور اجر وثواب بھی ملے تو اس دین کا کیا حشر ہوگا؟ آپ ہی بتائیں یہ دین اعلیٰ وارفع، متقن ومحکم، اصول عقائد وفروعات، حکمت غیر متزلزل، نظام تغیر ناپذیر کا نام ہے یا خرافاتوں اور بدعتوں کو

فضائل اہل بیتؑ، خلفائے اسلام کو دشمنان اسلام متعارف کرانے، غالیوں اور صوفیوں کے کلمات کو حدیث بنانے اور غلط اعمال کو تسامح سنن کے نام سے ثواب دینے کا نام ہے۔ کیا اس کے ذریعے آپ نے مسلمانوں کو بیہودہ و بے معنی اعمال میں مصروف نہیں رکھا ہوا۔

اس طرح کی بہت سی دعائیں، نمازیں اور ماہ شعبان، رجب و شبہائے قدر کی زیارتیں مرحوم قمی نے بھی نقل کیں ہیں۔

ہمیں ان روایات کے بارے میں چند زاویے سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر مذہب تابع قرآن و سنت ہے، اس دین شناسی کے بعد دینداری آتی ہے تو اس کیلئے علمائے اعلام نے کچھ اصول وضوابط وضع کئے ہیں۔ دین میں ہرج ومرج نہیں ہے۔ دین تخیلات، مفروضات اور فال مشرکین سے نہیں بنتا، دین کیلئے محکم و مستند اسناد کی ضرورت ہے۔ آپ کس کس چیز پر تعجب و حیرت کریں گے؟ بے اسناد روایات کو تسامح سنن سے اسناد دینے والے فقہاء پر یا تخیلات و وہمیات پر مبنی دین کو بے گزاف ارقام سے خریدنے والے عقل اقتصادی کے ناموروں پر؟

۲۔ سید ابن طاوؤس (متوفی ۶۶۴ھ ق)

کتاب مفاخر اسلام تالیف خطیب ومؤلف نامدار استاد علامہ علی دوانیؒ نے ج ۴ ص ۵۸ پر اس عالم نامدار و نامور کی حیات ماقبل ولادت سے وفات تک مفصل بیان کیا ہے۔ ہم یہاں پر سید ابن طاوس کے مقام شامخ علمی اور پرہیزگاری کے بارے میں کچھ نہیں لکھیں گے کیونکہ یہ اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ ہم ان کے بارے میں اتنا عرض کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو کتب ادعیہ اور زیارات ان سے ملی ہے وہ اپنی بے سندی اور ترسیل میں دوسری کتابوں سے مختلف نہیں ہے اور نہ ان کی مرسلات حجت ہونے میں دیگران پر فوقیت اور امتیاز رکھتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے پاس بہت بڑا کتابخانہ تھا جہاں سے انھوں نے یہ سب نقل کیں ہے۔

۳۔ کامل الزیارات

تالیف کنندہ ابی القاسم جعفر بن محمد بن جعفر بن موسیٰ بن قولیہ ہے۔ اس کتاب میں نبی اور اہل بیتؑ کی زیارت کا جو اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے، وہ مؤلف کی اپنی اختراع ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کتاب میں جو بھی حدیث نقل کی گئی ہے غیر آئمہ سے منقول نہیں اور نہ ہی اصحاب شاذہ سے نقل ہے۔

یہ شخصیات اپنی جگہ کس مقام و منزلت کی حامل تھیں، ان کے بازماندگان اور خاندانوں نے اس سے کیا استفادہ کیا، ان سب کے مقابلے میں ہمارے لئے ان کا غث و سمین، متضاد اور متناقص تقلید کورکورانہ چھوڑنا سب سے اہم ہے۔ کیا یہ لوگ اصحاب رسول اللہ، اصحاب آئمہ سے بھی بلند و بالا ہیں کہ انہیں ترازو جرح و تعدیل سے گزارنا درست نہیں ورنہ قیامت برپا ہو جائے گی۔

یہ بات اپنی جگہ تحقیق طلب ہے کہ ان دعاؤں کا متن، فقرات اور کلمات کہاں تک قرآن کریم کی آیات اور روایات معتبرہ نبی کریمؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے موافقت و مطابقت رکھتا ہے اور کون سے جملات و کلمات متصادم ہیں۔

اگر انسان مسلمان عالم و زاہد عابد و دیندار، انہی چیزوں میں مصروف و مشغول ہو جائے، تو یہ دین، دین فضل اللہ نوری حروفی یا دین مغیرہ بن سعید تو ہو سکتا ہے، دین قرآن، دین رسول اللہؐ اور دین جعفر صادقؑ بننے کی اس میں کوئی گنجائش نہیں۔ اس کا واضح ثبوت ایام ماہ مبارک رمضان میں وارد دعائیں اور اعمال ہیں۔ یہ ماہ جو توجہ باللہ کا مہینہ ہے، جس میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب جو بشریت کو تاریکی، ضلالت، گمراہیوں سے نجات دینے کیلئے نازل ہوئی ہے، پورے مہینے اس کے حیات ساز آئین کے بارے میں تفسیر و تشریح، تبین اور اس کے نفاذ کا اہتمام کرنے کی بجائے گردن گھسیٹ کر چند بے سند دعاؤں اور نمازوں میں مشغول و مصروف رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت اللہ دستغیب کے خوابوں کی کہانیاں کے اضافہ اور امام حسینؑ کی زیارت کے بعد، عقائد اور فروعات انجام دینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ان وسائل سے متوسل ہونے کے بعد حاجتیں روا ہونا ناقابل انکار حقیقت بن چکی ہے۔ جو

ہر حوالے سے زور گوئی آمریت پر مبنی ہیں۔

اگر اس کو اجتہاد اور عصر نور کہتے ہیں تو اُس پر تف ہے' کیونکہ گزشتہ زمانوں میں انبیاء نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے ان کی نبوت کی صحت پر دلیل مانگی۔ اللہ نے انہیں مطمئن کرنے کیلئے دلیل سے نوازا کہ یہ ہماری طرف سے آئے ہیں۔ عرب کے بدوؤں اور انپڑھوں نے محمدؐ کی حقانیت کی جب دلیل طلب کی تو اللہ اور اس کے رسول نے ان کے مطالبہ دلیل کو مسترد نہیں کیا بلکہ انہیں حق بجانب قرار دے کر دلیل دی۔ لیکن اس عصر علم و تحقیق میں ہمیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہر چیز کی دلیل نہیں ہوتی' آپ کو اس سے آگے جانے کا حق نہیں پہنچتا' اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ایک طویل عرصے سے سنتے آرہے ہیں کہ وہابی فرقہ تنگ نظر اور دشمن اہل بیت ہے لیکن وہابیوں کے خلاف لکھی گئی کتب اور خاص کر آپ کی تصانیف کو دیکھنے کے بعد نئی اکتشافات اور حقائق سامنے آئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اور وہابی دونوں دو فرقے ہیں' ایک حق پر اور دوسرا باطل پر ہے' یا کم سے کم ایک دوسرے سے بہتر ہے۔ یہ درست نہیں' بقول عرف نورہ کشی چل رہی ہے' نمبر بنا رہے ہیں کہ کون اسلام اصیل کو پیچھے دھکیل دینے میں زیادہ اچھی کارکردگی دکھاتا ہے۔ بلکہ دونوں ہی مسلمانوں کو کتاب اللہ سے دور رکھنے میں سرگرم ہیں' دونوں تنگ نظر اور دونوں دشمن اہل بیتؑ ہیں۔

آپ کی تصانیف میں تفسیر موضوعی کی مبانی توحید' توحید وشرک فی القرآن الکریم' نقد پر آئین وہابیت ہے جس میں آپ نے وہابیوں کی شکایت کی ہے کہ یہ لوگ آیات قرآن کو اپنے فرقہ کے حق وتائید میں لیتے ہیں لیکن اپنی تفسیر موضوعی اور تحقیقات کے موقع پر آپ خود اس نہج سے انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور صریح آیات قرآن کے خلاف' بے سند اور خود ساختہ روایات پر بڑی بڑی اصل وستون مذہب کو قائم کرتے ہیں۔ اور قرآن کریم کو وراء ظہور پھینکنے میں برابر کے شریک ہیں۔

اللہ نے کثیر آیات میں اس کتاب کو

﴿هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آلعمران:۱۳۸)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا﴾ (کہف:۱)

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ (قمر:۱۷،۲۲)

﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (انعام:۵۹)

فرمایا ہے۔نماز کے عناصر اجزاء و شرائط وقت وضو غسل، تیمّم رکوع، سجود قرائت اور حج میں غیر از رمی جمرات تمام احکامات قرآن میں مذکور ہیں۔اسی طرح خواتین کے تمام حقوق و مسائل چندین سوروں میں آئے ہیں۔لیکن آنکھ چرانے کیلئے کہتے ہیں قرآن میں صرف ”اقیموا الصلوۃ“ آیا ہے۔اللہ کے تمام اصرار کے باوجود وہابی اور شیعہ دونوں نے قرآن پر حدیث کی حاکمیت قائم کی ہوئی ہے۔

قرآن کو پیچھے چھوڑنے میں دونوں پر عزم ہیں۔دونوں مساجد و مدارس کو عاد وارم بنانے کے بعد قرآن کو سطور لغات تجوید سے آگے پڑھانے کی اجازت نہیں دیتے۔اگر پوچھا جائے کہ یہاں کیوں درس قرآن نہیں ہوتا تو جواب ملتا ہے کہ ہم قرآن سمجھنے کی بنیاد سکھاتے ہیں۔ان مدارس میں بیس تیس سال پڑھنے کے بعد جب عالم وکیل مجتہدین بن کر جامعہ میں آتا ہے اور اس سے قرآن کے متعلق سوال ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا کہ قرآن کسی کی سمجھ میں آنے والی کتاب نہیں۔

پہلے مرحلے میں یہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کتنا جھوٹ بولا ہے کہ یہاں قرآن سمجھنے کے دروس دیئے جاتے ہیں۔اہل حدیث کہتے ہیں: قرآن حدیث کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ شیعہ کہتے ہیں: قرآن اہل بیتؑ کے بغیر کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ان سے سوال ہے وہ قرآن کو سمجھنے کیلئے اہل بیت کو کہاں تلاش کریں۔جواب ملتا ہے کیا آپ کی آنکھیں بند ہیں آپ کو تفسیر طبری، درالمنثور میں موجود اسرائیلی روایات نظر نہیں آتی اور نورالثقلین اور برہان میں موجود غالیوں کی روایات کیا کم ہیں۔

قرآن کو پیچھے چھوڑ کر اہل حدیث نے احادیث کا سیلاب بنا کر لوگوں کے دلخواہ معجزات کا انبار لگایا ہے جبکہ حضرت آیت اللہ خوئی نے البیان کے صفحہ ۱۱۸ پر ان آیات کو نقل کیا جس میں بہت سی اقسام معجزات کو رد کیا گیا ہے۔

﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةً وَ ذِكْرَى لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (عنکبوت:۵۱)

اس میں صرف قرآن کو معجزہ کہا گیا ہے۔ اس کے باوجود کتنی جعلی عقل اور قرآن سے متصادم، مستشرقین کی نبوت محمدؐ کے بارے میں نظریات، تقویت اور پذیرائی کی تاثیر پاکر معجزہ جعل کر کے اعتراض کرنے والوں کے سروں پر تلوار لٹکائے ہوئے ہیں۔ اسی طرح شیعوں کے نزدیک آئمہ طاہرینؑ کا اس دنیا میں وظیفہ، صرف معجزہ نمائی کرنا ہے۔ اب یہاں اگر دس بی بیوں کی کہانیاں بیان نہ کرنے والوں کیلئے دردناک سزائیں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی ان کو خلاف قرآن قرار دے تو نقویوں، کاظمیوں، نجفیوں اور قمیوں کی طرف سے اس کی خیر نہیں۔ اب تو آئمہؑ سے تجاوز کر کے، صوفیوں کے مردے بھی معجزے کرنے لگے ہیں۔

حضرت آیت اللہ سبحانی جیسے فقیہ و مورخ، رجالی و روائی، اصولی و فلسفی، صرفی و نحوی، نے جامع معقولات و منقولات، اصول عقلیات و اصول نقلیات اور روایات محکمات کو پس پشت ڈال کر اقوال صوفیان اور روایات مزورہ اباحیہ قرمطیان کو جاگزین کیا۔ بطور مثال زیارت زائر، مزور کے حضور پہنچنے کو کہتے ہیں، جس میں پڑھنے، بولنے کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ اسی لئے باب زیارت کا آخری مصدر کامل الزیارت ہے، جس میں زیارت کا اجر وثواب بیان کیا گیا ہے پڑھنے کا نہیں۔ اس طرح عاشورہ کے دن دعا علقمہ کا ذکر ملتا ہے، زیارت کے مضامین خلاف قرآن اور خلاف سنت نبی ہیں۔ اسی طرح محدث قمی نے ہر زیارت کے بعد دو رکعت نماز زیارت کو بھی شامل کیا۔ ان لوگوں نے چندین صفحات پر مشتمل زیارت نقل کر تمام مجعول روایات سے مرتب لمبی عبارات ترتیب دی ہیں اور اسے زیارت کا جواز بنایا ہے۔ جہاں پر عندالقبو رزیارت پڑھنا ثابت نہ ہو وہاں بعید کا بھی حکم صادر کرتے ہیں

اب تو علامہ نقوی نے صریح آئمہؑ کے سامنے سجدہ شکر بھی جعل کیا ہے۔ جسے فقیہ عالی قدر پاکستانی نے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے کے تحت محتاط فتویٰ صادر فرمایا۔ آیت اللہ ان مشکلات سے نکلنے کی فقیہانہ فراست رکھتے ہیں۔

حضرت آیت اللہ سبحانی سے عرض ادب کے ساتھ گزارش ہے؛ آپ تو تابع نص ہے،

کتاب نص واجتہاد، معالم المدرستین، بحث حول الولایہ جیسی مدلل کتابیں آپ کے پاس ہیں آپ کیسے حضور قبور آئمہ پر غیر مستند زیارتیں پڑھنے کے داعی ہو گئے۔ ان قبور پر اعلیٰ معیار کی تعمیرات کے احکامات نص ہے یا اجتہاد یا پھر ماخوذ از قیاس۔ کبھی اجتہاد کی مخالفت کبھی اجتہاد کے داعی! یہ طفرہ کہاں سے آیا ہے۔

بے سند حدیث "لولاک ماخلقتک" کو سند بخشا ہے اور اسے تسلم کیا ہے۔ گویا حدیث کی سند صحیح ہونے کیلئے درمیان کا صرف ایک راوی مشکوک تھا جسے آپ نے زحمت کر کے ٹھیک کر دیا ہے۔ آپ جیسے اصول اور رجال شناس سے یہ امید نہیں تھی۔

حضرت آیت اللہ خامنہ ای کے یمین و یسار میں دو ادارہ قائم ہیں۔ ایک "دار التقریب مذاہب الاسلامیہ" جس میں مسلمانوں کے درمیان موجود خلیج کو دور کرنے اور اشتراکات کو جمع کرنے کی کاوش کی جاتی ہے۔ یسار میں "مجمع جہانی اہل بیتؑ" ہے جس کی منشورات اور دار التقریب کی منشورات آپس میں متضاد ہیں۔ پہلی تقریب کی خاطر وجود میں آئی ہے جبکہ دوسری تفریق اور تفکیک کیلئے۔ اسی لئے ان اداروں کی طرف سے ان چند سالوں میں قرون وسطیٰ کے اختلافی مسائل کو نئی طباعت سے آراستہ کر کے پیش کیا ہے۔

ایسا ادارہ جو حقیقت مذہب اہل بیتؑ سیرت اور تاریخ درخشان آئمہ کو اجاگر کرنے کیلئے وجود میں آیا ہو جوس کا رہبر اتحاد مسلمین کا داعی اور تفرقہ بینا لمسلمین کا شاکی ہو۔ اس ادارے سے مسلمانوں کو متفرق و منتشر کرنے والے منشورات کے ذریعے قرون وسطیٰ کے مسائل کو تازہ کرنے کو افتراق مسلمین کہیں گے یا نہیں۔

ہمارے ساتھ جو سلوک چل رہا ہے اس کی وجہ مذہب تشیع کی ترویج واشاعت اور دفاع میں بہت سی کتابیں نشر کرنا ہے۔ جن میں سے سیرت اہل بیتؑ، مذہب اہل بیتؑ، اہل بیتؑ کی زندگی، شیعیت کا آغاز، آسان عقائد، واقعہ کربلا اور امام حسینؑ سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ یہ سو سے زائد کتابوں پر عقائد و رسومات شیعہ اور قرآن میں امام امت کی وجہ سے دکانوں پر رکھنے پر پابندی لگی ہے۔ تنہا پابندی ہی نہیں بلکہ ہماری مطبوعات از خود طبع کر کے فروخت بھی کر رہے ہیں۔ اسے تنگ نظری کہیں گے یا وسعت نظری؟ یہ دوستی اہل بیتؑ کی

مثال ہے یا دشمنی اہل بیتؑ کی۔

جہاں تک اہل بیتؑ سے دشمنی کی بات ہے تو اس کی بھی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ اس کے رسول اور خود اہل بیتؑ نے اپنے دشمنوں کا کیا تعارف کرایا ہے جبکہ ان لوگوں نے اس تعارف کو مسخ اور اس میں تحریف کر کے نیا تعارف پیش کیا ہے۔

کیا خانہ اہل بیتؑ میں جھوٹ سب وشتم، گالی اور نفرت کی باتیں کرنے والے، شریعت اسلام سے بغاوت کرنے والوں سے دوستی کی باتیں کرنے والے، دوستداران اہل بیتؑ اور خانہ اہل بیتؑ سے ہر قسم کے جھوٹ، افسانے ختم کرنے کی کوشش کرنے، بے عمل لوگوں سے بیزاری، دشمن اہل بیتؑ کی نشانی ہے۔

سب خلفاء بھی واحد غیر متنازعہ نشانی دوستی اہل بیت اطہارؑ ہے۔ ہم یہاں بھی آپ کے دعویٰ نص کے ساتھ ہیں۔ آپ نے مکرر دعویٰ کیا ہے کہ ہم تابع نص ہیں، ہم اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائے اور اسی کے حکم کے تحت محمدؐ کی رسالت پر ایمان لائے لہٰذا ہم اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان ہیں۔ ۱۰ھ کے دوسرے مہینے کے اواخر یا تیسرے مہینے کے اوائل میں رسول گرامی کی رحلت کے بعد نزول قرآن اور ہدایت و رہبری محمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اب مسلمان چاہے اہل بیتؑ سے وابستہ ہوں یا صحابہ سے یا پھر عام امت سے، انھیں اسی قرآن منزول اور رسول کے فرمان سے ہدایت لینی ہے۔ جس اللہ نے منافقین کی منویات ذہنی اور مخفیات عملی کو فاش کیا، اُس نے ان اصحاب بالخصوص خلفاء کے بارے میں کوئی نص مذہبی کیوں نہیں کی تا کہ اس کے باعث ان پر سبّ وشتم کیا جا سکتا۔ اگر آپ کے پاس اس قسم کی کوئی نص موجود ہو تو اسے سامنے لائیں اور نشر کریں ورنہ ہم اسے مسیحیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کا انتقامی حربہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے۔

کیا امام سجادؑ، حسینؑ، علیؑ، فاطمہؑ کے نام پر کتابیں نشر کرنے والے، دشمن اہل بیتؑ ہو نگے یا دوستدار اہل بیتؑ۔ وہابی تمام نماز جمعہ میں نام علیؑ لے کر صلوات بھیجتے ہیں، یہ لوگ احمد بن حنبل کی تقلید کرتے ہیں، احمد بن حنبل کی فضائل آئمہؑ پر مشتمل کتاب کو مجمع جہانی اہل بیتؑ نے کیوں طبع کیا ہے؟

یہاں صرف شیعہ اور سنی ہیں، وہابی تنگ نظر ہے۔ آپ حضرات پیر پرست، قبر پرست اور سیکولر، بے دینوں کی تمجید کرتے ہیں چنانچہ رسالہ الثقلین مجمع جہانی اہل بیتؑ میں ان کو اپنا ہمنوا اقرار دیا گیا ہے۔ آپ کے نمائندے یہاں بانگ دہل کہتے ہیں؛ ہمارے لئے کفر کی حکومت اچھی ہے۔ اسی بنیاد پر قائد بلتستان نے سوشلزم کا ساتھ دیا تھا۔ کیا یہی مذہب ہے، آپ اپنے ہاں حکومت اسلامی قائم کرنے کے ترانے گاتے ہیں اور ہمارے لئے کفر کی حکومت کی تائید کرتے ہیں۔ یہ کس آیت اور روایت سے استناد ہے۔ (تلک اذا قسمة ضیزی)

یہ دین اہل بیتؑ ہے یا دشمن اہل بیتؑ کی سیرت۔ قرآن اور سنت محمدؐ قیام حکومت اسلامی عالمی کیلئے ہے، جس کیلئے تمام انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، چنانچہ سور حدید آیت ۲۵ میں ہے؛

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾

اس سے صرف نظر کرنے والے اور لا یعنی مسائل میں مشغول رکھنے کیلئے ختم نہ ہونے والی معجزات کے انبار لگانے والے، مسلمانوں کو منتشر اور دنیائے کفر وشرک سے دوستی قائم کرنے والے محمدؐ اور اہل بیتؑ دونوں کے دشمن ہیں۔

آپ کے ادارہ میں کہیں بھی انصاف و وسعت نظری نظر نہیں آتی۔

﴿وَجَعَلُوا..وَلَقَدْ عَلِمَتْ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾﴿أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ﴾
(مومن ۱۵۸، ۱۷۶)

﴿مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (بقرہ:۱۰۱)

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ (آل عمران:۱۸۷)

آیت اللہ سبحانی کی مدققانہ اور محققانہ تالیفات، شاہکار اسناد فرقہ واریت میں شمار کی جا سکتی ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ بعض کے بیان وقلم میں اتنی گنجائش وقدرت کیسے ہوتی

ہے کہ وہ جمع تضاد و تناقص کے محال کو آسانی سے حلال کر لیتے ہیں؟ آپ حضرات ایک طرف تو امام خمینیؒ اور رہبر معظم کی وحدت المسلمین کے ترجمان بنتے ہیں، دوسری جانب خوشنودی خراسانی، بوترابی، علوی کا بھی خیال رکھتے ہیں اور نمائندگی دار التقریب اسلامی کے ساتھ دار التفریق مجمع جہانی بھی رکھتے ہیں۔

علامہ محسن نجفی

صاحب صدر واسع، فکر ثاقب، قلب حادق، عقل ناقد، صاحب سعادت و سیادت جوامع اور البلاغ و کوثر نافع علامہ شیخ محسن نجفی دامہ بقاہ اپنی گرانقدر کاوش "البلاغ القرآن" میں سورہ حمد کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

غیر اللہ سے استمداد (مدد مانگنے) کا مطلب یہ ہوگا کہ سلسلہ استمداد اللہ تعالیٰ پر منتہی نہ ہوتا ہو اور اس غیر اللہ کو اذن خدا بھی حاصل نہ ہو۔ لیکن اگر وہ ماذون من اللہ ہو اور یہ استمداد اللہ کے مقابلے میں نہ ہو بلکہ اس کی مدد کے ذیل میں آتی ہو تو شرک نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (توبہ:۷۴)

انہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔

سورہ توبہ کی آیت ۷۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿يَحْلِفُونَ بِاللهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُنْ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

تبوک سے واپسی پر بعض منافقین نے فیصلہ کیا کہ حضور کو گھاٹی میں گرا کر شہید کر دیں۔

اللہ نے حضور کو بچایا اور ایک بجلی چمکی جس سے راستہ واضح ہو گیا۔ آنحضرت نے حذیفہ کو بتایا کہ وہ منافقین فلاں فلاں تھے۔ پھر فرمایا: انہیں راز میں رکھو۔

﴿أَغْنَاهُمْ﴾ اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے ان کو مالا مال کر دیا۔ اس جملے میں ان لوگوں کیلیے دعوت فکر ہے جو موحدین کو مشرک بنانے کے شوقین ہیں۔ جبکہ شرک اس وقت لازم آتا ہے جب مخلوق کو اللہ کے مقابلے میں لایا جائے لیکن اگر انہیں اللہ کے مدد کے ذیل میں قرار دیں تو یہ شرک نہیں ہے۔ جیسا کہ قبض روح کو اللہ نے فرشتوں کی طرف نسبت دی، کبھی ملک الموت کی طرف اور کبھی اپنی ذات کی طرف نسبت دی ہے۔ اللہ کی ذات علۃ العلل ہے۔ اس کے ذیل میں واقع ہونے والی علت قریبہ کی طرف نسبت دینا شرک ہرگز نہیں۔

سورہ توبہ کی آیت ۵۹ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ سَيُؤْتِينَا اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللهِ رَاغِبُونَ﴾

مدینہ کے محدود معاشرے میں عربوں نے اتنی دولت ایک جگہ نہیں دیکھی تھی جو زکوٰۃ کے فنڈ میں حضورؐ کے خزانے میں جمع ہوتی تھی۔ منافق اس دولت کو مسلمانوں میں تقسیم ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے اور جل کر حضورؐ کو مطعون کرنے کی کوشش کرتے اور جو کچھ ان کے حصہ میں آتا اس پر قانع بھی نہ ہوتے تھے، اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا۔ مگر وہ صرف مادی نگاہ سے اس حصہ کو دیکھتے تھے اور اس پر راضی نہیں ہوتے تھے، نہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی فضل وکرم پر بھروسہ رکھتے تھے۔

ایک بار امام ابوحنیفہ حضرت امام صادقؑ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ جب کھانا کھا چکے تو امام نے فرمایا: "الحمد للہ رب العالمین ھذا منک ومن رسولک" رب العالمین کا شکر ہے کہ یہ روزی تیری طرف سے اور تیرے رسول کی طرف سے ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا: اے ابوعبداللہ آپؑ نے شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپؑ نے فرمایا:

﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ "انہیں اس بات پر غصہ ہے

کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو دولت سے مالا مال کیا ہے۔"
(توبہ:۷۴)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ﴾ "اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر خوش رہتے اور کہہ دیتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ دے گا اور اس کا رسول بھی اور ہم اللہ کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔"
(توبہ:۵۹)

ابوحنیفہ نے تعجب کے لہجے میں کہا: گویا یہ آیت میں نے قرآن میں پڑھی ہی نہیں۔
(بحارالانوار ۱۰:۲۱۶)

آپ نے سورۂ توبہ کی آیت ۵۹ اور ۷۴ سے استناد کرتے ہیں اور ابوحنیفہ اور امام صادقؑ کے درمیان ایک مکالمہ بھی بیان فرمایا ہے جہاں امام نے ابوحنیفہ کو استمداد غیر اللہ قرآن و سنت سے ثابت کی۔ یہ حدیث آپ نے بحارالانوار ج ۱۰ ص ۲۱۶ سے نقل کی۔ صاحب بحار نے یہ حدیث کنز الفوائد کراچکی سے نقل کی ہے اور کراچکی نے اس حدیث کو بغیر سند بطور مرسل نقل کیا ہے۔ حیرت و افسوس کی بات ہے کہ علامہ بزرگوار نے اساس دین اور شناخت مذہب کے ثبوت کیلئے ایک روایت مشکوک السند والمتن سے استناد کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا؛ اگر غیر اللہ سے استعانت ان دو صورتوں میں سے ایک ہو تو شرک نہیں ہوگا؛

۱۔ جہاں سلسلہ استمداد خود اللہ تک منتہی ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اللہ کی طرف سے ماذون ہو۔

لیکن آپ نے ان دو موردکو بطور اجمال ذکر کر کے تفصیل بیان کرنے سے گریز کیا شاید اس لئے تاکہ اس کے تمام مصادیق شامل ہو جائیں ورنہ کسی نہ کسی جگہ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا کیونکہ غیر اللہ سے توسل کسی حد و تعداد پر نہیں رکتی۔ جو ہستی ماذون من اللہ ہو ان سے استمداد کرنا شرک نہیں، یہ تو سمجھ میں آ گیا لیکن اللہ نے کن کن کو یہ افعال انجام دینے کا اذن دیا ہوا ہے اگر ممکن ہو تو ان کی تعداد بتا دیں تاکہ ماذون من اللہ اور غیر ماذون میں فرق کیا جا

سکے یا کوئی علامات اور نشانی بیان کریں تا کہ ہم ہر قبر پر چادر چڑھانے سے بچ جائیں۔

توحید کو شرک گردانئے والے بعض علماء کے جواب سے طالبعلم قانع اور مطمئن نظر نہیں آتے اور وہ آپ کے بقول کہتے ہیں: جن ذوات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تصرف کائنات کا اذن دے رکھا وہ دوبارہ اس سے اذن لینے کے نیاز مند نہیں ہیں۔ کیا اس کے بعد ان کے مریدین بھی اللہ سے سوال کرنے کے محتاج رہتے ہیں یا نہیں؟ یا ہر دفعہ ہر موڑ پر وہ اللہ سے اذن کے منتظر ہیں؟ کیا انبیاء کی طلب مسترد ہوتی ہے یا اذن روکنے کی نوبت آتی ہے؟

آپ اس دنیا میں کوئی ایسا مشرک وملحد دکھائیں جس کا مال ودولت' عزت وریاست' اولاد اور مقام کا سلسلہ اللہ سے نہ ملتا ہو۔ ہم یہاں پر امہات مال ودولت کی چند نمونہ پیش کرتے ہیں تا کہ واضح ہو کہ دنیا کی تمام دولت اللہ کی طرف برگشت کرتی ہے؛

۱۔ کاشتکار کی تمام زحمت اور تک ودو کے باوجود اللہ فرماتا ہے:

﴿أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ﴾

۲۔ تمام ذی حیات کی تخلیق کی برگشت نطفہ کی طرف ہے۔

۳۔ معدنیات' سونا' چاندی' جواہرات وغیرہ۔ ان کا بھی سلسلہ اللہ ہی سے ملتا ہے۔

یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہم ان گمراہ وملحد طاقتوں کے بغیر جی نہیں سکتے' ہم ان کے نیاز مند ہیں۔ اس وقت انسانی فلاح و بہبود کے بین الاقوامی ادارے جو خوراک رسانی اور خدمت خلق کے مدیران ہیں جن کے پاس دنیا کے غضبی مال ودولت کے خزائن ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ آئمہ طاہرینؑ کو بطور وسیلہ اٹھانے والے کاروان ایک حاجی سے چالیس' پچاس ہزار روپے اضافی' خدمت کے عوض لیتے ہیں اور چند سال بعد بڑے سرمایہ دار بن جاتے ہیں بعض علماء اعلام بھی ان کے شریک بنے ہوئے ہیں۔ کیا اس طرح کا استحصال بھی توسل کے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہے۔ آپ کو اسی (۸۰) فیصد سے زائد لوگ سیکولر' لادین' شرابی' جواری اور دنیائے کفر وشرک اور بڑی طاقتوں کے خدمت گزار ملیں گے۔ شاید ہی ان کی صفوں میں چند احمق و بے وقوف یا اس ذلیل دنیا کی پست خواہشات کے اسیر مومن اور دین شناس دانشمند اور دانشور کہلانے والے ملیں۔

اس وقت ہمارے علاقے کے مومنین، متقی، پرہیز گار، حاجی اور عالم سب کا متفقہ قول ہے جسے وہ بار بار دہراتے بھی ہیں کہ اپنی راحت اور آسودگی کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان لادینی طاقتوں سے مل کر رہیں اور ان سے تحفظ لیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ یہ جو لادین طاقتوں اور بیرونی استعمار کے نمائندے سے استمداد کی جاتی ہے اس کا سلسلہ بھی اللہ سے ملتا ہے اور یہ اللہ سے ماذون ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسا توحید ہے جس میں ایک ہاتھ تو آئمہ کی طرف بڑھا ہوا ہے جبکہ دوسرا لادین طاقتوں کی طرف، بیچ میں اللہ گم ہے۔

کیا اس میں آئمہ طاہرینؑ کے ساتھ امام زادے، آئمہ کی بیویاں، انکی سقط شدہ اولادیں، ان کی سواریاں، پنجے، جائے نقش قدم، جھنڈے، جھولے، تانگے اور جعلی ضریحیں بھی شامل ہیں۔ اس کا تعین ہونا چاہیے کیونکہ آپ کی خاموشی سے اولیاء پرست لوگ ان چیزوں کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔ آپ کو اظہار کرنا چاہیے تاکہ ان سب خرافات کا آپ سے انتساب نہ ہو سکے۔

علامہ بزرگوار نجفی سے خاضعانہ، تلمذانہ سوال ہے (ایاک نعبد وایاک نستعین) اور اس طرح کی سینکڑوں آیات ہر قسم کے شرک کی نفی کرتی ہیں لیکن آپ نے دو حوالے سے یہاں انہیں مستثنیٰ فرمایا ہے۔ کیا یہ استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اگر سلسلہ استمداد اللہ تک پہنچتا ہو تو شرک نہیں ہوتا اسی طرح اس کے اذن سے کریں تو شرک نہیں ہوتا۔ آپ نے یہ حکم کس آیت سے استنباط کیا ہے؟ کیا یہ حکم کسی آیت متشابہ سے نکالا ہے؟ دوسری طرف کیا عام متوسلین ایسا اعتقاد رکھتے ہیں اور جھنڈے، جھولے یا قتل گاہ دین وشریعت میں علماء مقتدر کے ہاتھوں نصب ہونے والے جھنڈے سے متوسل افراد ایسا عقیدہ رکھتے ہیں یا یہ آپ جیسے چند فلسفیوں کا ہی عقیدہ ہے؟

واضح اور محکم ہے کہ یہ آیت ۵۹ جنگ حنین کے غنائم کے موقع پر منافقین کی شکایت اور اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی ہے جبکہ آیت ۷۴ جنگ تبوک میں منافقین کی دروغ گوئی کے جواب میں ہے۔

﴿مَا آتَاهُمُ اللهُ﴾ ، ﴿أَغْنَاهُمُ اللهُ﴾ دونوں میں ضمیر منافقین کی طرف برگشت ہوتی ہے۔ یہ احیاء اور اغناء نظام شریعت کے تحت ہے نہ کہ تکونیات کیلئے۔ آپ کے فرمان کے

مطابق اللہ سے مال و دولت مقام و منزلت لینے کیلئے اولیاء سے توسل ناگزیر ہے جبکہ منافقین پیغمبر کے توسل کے منکر تھے پھر بھی ان کو فضل من الہدیٰ کہاں سے ملا۔

آیات متشابہ اور روایت مرسلہ کے علاوہ' امام صادقؑ کی ابوحنیفہ سے ملاقات بھی اپنی جگہ مشکوک السند ہے۔ کسی معتبر تاریخ میں نہیں ملتا کہ امام صادقؑ عراق یا ابوحنیفہ مدینہ گئے ہوں۔ اس کے علاوہ جو گفتگو امام صادقؑ اور ابوحنیفہ کے درمیان ہوئی' اس میں امام صادقؑ کو گھر آنے والے مہمان کی توہین' تذلیل و تحقیر کرنے والا دکھایا گیا ہے جو کہ امام صادقؑ کی شان کے سراسر منافی ہے۔

کاش علامہ نے اپنی تفسیر البلاغ المبین میں شرک جائز کے بھی دو مصداق بیان فرمائے ہوتے۔ ہم یہاں پر علامہ بزرگوار نجفی اور آیت اللہ سبحانی فلسفی سے استفسار کرتے ہیں جن اولیاء کو اللہ نے اپنی تمام ممکنہ نعمتوں سے مالا مال کیا ہے ان سے متوسل ہونا اور ان کے ذریعہ سے اپنی مایحتاج کی درخواست کرنا' مشکلات کا حل طلب کرنا عین توحید ہے؟ کیا ان اولیاء میں صرف اولیاء شیعہ ہے یا اہل بریلوی اور صوفیان بھی شامل ہیں؟

غالی شیعوں کا کہنا ہے یہ مقام ان کے آئمہ کو حاصل ہے۔ صوفیوں کا کہنا ہے یہ مقام رسول اللہ کے بعد اُن کے اولیاء کو حاصل ہے' جبکہ ہم کہتے ہیں؛ ہمارے آئمہ بشر ہیں وہ نبی کریمؐ کی دین و شریعت کے حافظ و مروج ہیں' وہ خود رسول اللہؐ جیسے بشر ہیں۔

ان دونوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ بحث علم منطق میں بیان کردہ اصول تناقض سے حل ہو جاتی ہے۔ یہ صرف لفظی بحث معلوم ہوتی ہے' جیسے علمائے منطق کہتے ہیں: کسی تناقض کو ثابت کرنے کیلئے وحدت موضوع ہونا ضروری ہے۔ یہاں محسوس ہوتا ہے وحدت موضوع نہیں بلکہ موضوع مختلف ہے۔ ہم کہتے ہیں؛ ہمارے آئمہ کچھ نہیں کر سکتے' وہ لوگوں کی حوائج و ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ بشر ہیں جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں تمام انبیاء بشمول ہمارے نبی کریم کو بشر کہا ہے جو مخلوق اور محدود ہیں۔ وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ نے ان کو دیا ہے' اس سے زیادہ نہیں جانتے' چنانچہ کثیر آیات میں اللہ نے علم غیب کو اپنے سے مختص کیا ہے اور نبی کریمؐ سے

اس کی نفی کی ہے' اوراس طرح سے ان سے قدرت غیر محدود کو سلب کیا ہے۔ جن آئمہ کے ہم معتقد ہیں' وہ نبی کی نسل سے ہیں اور نبیؐ کے پیروکار ہیں۔ جبکہ غالیوں کا کہنا ہے: ان کا امام نور ہے اور نور ان کی اصطلاح میں وہ نور نہیں جس کی تعریف کتب لغات اور علوم جدید میں ہے جبکہ یہ نور ایک نئی اصطلاح ہے جو ان کے بزرگوں کی اختراع ہے' جسے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ کیونکہ انہی کے بقول؛ یہ ہر شخص کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں' یہ صرف اولیاء ہی سمجھ سکتے ہیں اور ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ ذوات مظہر حق ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان میں حلول ہوا ہے یا یہ ذوات اللہ میں گم ہوگئی ہیں۔ ان دونوں نظریات کے مصادر و مآخذ الگ ہیں۔ ایک کا مصدر قرآن ہے جبکہ دوسرا غالیوں کی تفسیر ہے جسے صوفیوں نے گھڑا ہے اور منابر سے اسے فروغ دیا جاتا ہے۔

ہم یہاں پر ان اولیاء کے بارے میں بعض معتقدات کے عین نص عربی پیش کرتے ہیں۔ صوفیوں اور بریلویوں کا کہنا ہے جیسا کہ کتاب الشرک فی القدیم والحدیث ص ۸۹۸ میں آیا ہے؛

"ان مفاتح الکون کلها فی ید رسول الله، وهو مالک الکل، أنه النائب الأ کبر لقادر، وهو الذی یملک کلمة (کن)" مفاتیح کائنات' رسول اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ مالک کل وہ نائب اکبر وقادر ہیں محمد ہی مالک کلمہ کن ہے۔

"کل ما ظهر في العالم فانما یعطیه سیدنا محمد الذی بیده المفاتح، فلا یخرج من الخزئن الالهیة شیيء الا علی یدیه، وانه اذا أراد شیئاً لا یکون خلافه ؛لأنه لیس لأمره صارف فی الکون" جو کچھ اس عالم میں رونما ہوتا ہے وہ محمد ہی دیتا ہے، کیونکہ خزائن عالم کی چابی محمد کے ہاتھ میں ہے، خزائن عالم سے جو کچھ نکلتا ہے وہ محمد کے ہاتھ سے نکلتا ہے۔ معاملہ خلائق تمام کے تمام رسول اللہ کے ہاتھ ہیں جسے چاہیں دیں جسے چاہیں روک دیں دنیا وآخرت دونوں ان کے وجود کا مظہر ہے، علم لوح وقلم ان کے علوم میں سے ہے۔

"ان الله تعالیٰ قد مکن النبیی من اعطاء کل ما أراد من خزائن الحق، و

من خصائصة ان يخص من شاء بما يشاء، ومن خصائصه أن تعالیٰ اقطعه أرض الجنة يعطي منها ما يشاء من يشاء“ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کو اپنے خزائن سے ہر چیز دی ہے ان کی خصائص میں سے ہے کہ وہ جسے چاہیں عنایت کریں اوران کی خصائص میں سے ہے کہ وہ جنت جسے چاہیں دیں۔

”ان رسول الله مالک الأرضين ومالک الناس. ومالک الأمم، و مالک الخلائق، بيده مفاتيح النصر والمدد، والجنة والنار، وهو يكون صاحب القدره والاختيار يوم القيامة،ويكشف الكروب ويدفع البلاء، وهو حافظ للؤمانة وناصر لها،واليه ترفع الأيدى للاستنجاد“ رسول اللہ مالک زمین ومالک انسان ہے مالک خلائق' نصرت مدد کی چابیاں ان کے ہاتھ میں ہے۔ جنت وجہنم ان کے ہاتھ میں ہے وہ کرب وبلاء دور کرتے ہیں تمام ہاتھ ان کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

”ان النبى نائب مطلق عن الله تعالیٰ،فالعالم كله تحت تصرفه، فهو يفعل ما يشاء، و يعطيى ما يشاء من يشاء، و يسلب ما يشاء من يشاء ؛لا راد لقضائه فيى العالم كله، و العالم كله،والعالم كله محكوم له،وهو مالک لجميع بنى آدم ،والأرض كلها والجنة كلها ملكه“ محمد نائب مطلق ہیں' اللہ تعالیٰ نے تمام علوم ان کے تصرف میں دیئے ہیں،ان کے فیصلے رد نہیں ہوتے عالم ان کا محکوم ہے وہ مالک بنی آدم ہیں آسمان اور زمین کی مملکت کی تمام چیزیں اس کے امر کے تابع ہیں۔

”قال الله تعالیٰ: يا محمد ، كلهم يطلبون رضاييى،وأنا أطلب رحاک و جعلت ملكى كله من العرش الى الفرس فداءً لک؛حكمک جار على الشمس و القمر“ اے محمد سب تیری رضا کے خواہاں ہیں۔میں نے اپنی تمام سلطنت' ملکیت' عرش سے فرش تیرے لئے فداء کی' تیرا حکم شمس وقمر پر ہے۔

صوفیوں کا کہنا ہے یہ مقام ان کے اولیاء اور مشائخ کو حاصل ہے۔اولیاء مدارج طے

کرنے کے بعد اللہ کی حلولیت اور وحدت الوجود تک پہنچ جاتے ہیں اور کائنات پر احاطہ علمی وقدرتی حاصل کر لیتے ہیں۔اولیاء کے مراتب یہ ہیں۔

۱۔الأقطاب **۲۔الآئمه** **۳۔اوتاد** **۴۔البدال**

۵۔نقباء **۶۔نجباء** **۷۔رجبیون شیعه**

ان کے علاوہ بعض دیگر علماء نے بھی خدا کی درگاہ میں راز و نیاز اور دعا کو بغیر وسائل ممنوع و مذموم اور تلاش وسیلہ کو ضروری اور ناگزیر حقیقت قرار دیا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ تشخیص وتعین وسائل میں بھی ان فرق و مذاہب کے علماء نے اپنے ذوق، سلیقے، علاقائی روایات یا دوسرے مذاہب کے عقائد سے استناد کرتے ہوئے ازخود وسائل جعل کئے ہیں لہٰذا اس موضوع پر کھلے ذہن کے ساتھ ترتیب وتسلسل کو مدنظر رکھتے ہوئے تفسیر وتوضیح کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلے مرحلے میں ہم کچھ کلمات، توحید کے بارے میں پیش کریں گے؛

جہاں تک اللہ کی وحدانیت کا تصور ہے اللہ کی وحدانیت عددی، صنفی، نوعی، عددجنس، فعلی وعقلی، ریاضی نہیں بلکہ اس کی واحد، واحد حقیقی ہے۔جیسے "لیس کمثله شیء" میں واحد کے جتنے بھی تصور پائے جاتے ہیں وہ اپنی جگہ کثرت سے بھرے ہوئے ہیں۔اللہ کی وحدانیت کے بارے میں سورہ توحید اور آیات (لیس کمثله شیء) ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (توحید:۴)

﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (ص:۶۵)

﴿وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (رعد:۱۶)

توحید ذات کے بعد ذیل میں مراتب توحید بیان کریں گے:

۱۔ **توحید صفات اور ذات؛** یعنی علم، قدرت اور حیات۔یہ تین صفات دیگر خلائق کی صفات سے منفرد ہے۔یہاں صفات اور ذات میں وحدت ہے۔یہ صفات عین ذات اللہ ہے، یہ صفات بطور کامل صرف اللہ میں پائی جاتی ہیں۔قدرت، علم اور حیات اللہ کی ذاتی ہیں جبکہ دیگر مخلوقات کی عطائی ہیں یہاں تک کہ نبی بھی وصول

وحی اور دوام میں اللہ کا محتاج ہے۔ اس بارے میں کثیر آیات موجود ہیں لیکن سب سے زیادہ واضح آیات سورہ ضحیٰ کی ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص علم، قدرت اور حیات غیر محدود کا دعویٰ کرے تو یہ شرک کے مترادف ہوگا۔

۲۔ **توحید خالقیت؛** یعنی کائنات کے ذرہ سے مجرہ، اسفل سے اعلیٰ، ادنیٰ سے اشرف مخلوقات تک کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس خلقت میں کوئی اللہ کا شریک اور حصہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ مکھی بھی خلق نہیں کر سکتے، یہ چیز فکری طور پر مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے۔ اس بارے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات ہیں؛

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (رعد:۱۶)

﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ (زمر:۶۲)

﴿ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (غافر:۶۲)

﴿هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ (حشر:۲۴)

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (انعام:۱۰۱)

﴿لَاإِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾ (انعام:۱۰۲)

﴿هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (فاطر:۳)

﴿أَلَالَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (اعراف:۵۴)

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (فرقان:۲)

﴿رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى﴾ (طٰہٰ:۵۰)

﴿الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى﴾ (اعلیٰ:۲،۳)

ان آیات کے تحت اللہ کو خالق کل شیء ماننے کے بعد کسی بھی ولی یا مقرب بندے سے جس انداز میں بھی درخواست کی جاءکہ مجھے اولاد، دولت، عزت دو اور مشکلات سے نجات دلاؤ۔ تو یہ اللہ کی خالقیت میں شرک کا ارتکاب ہوگا۔

۳۔ **توحید ربوبیت؛** کائنات کی تخلیق کے بعد ان موجودات کو زندہ رکھنا، ان کیلئے

وسائل زندگی فراہم کرنا' توحید ربوبیت ہے۔توحید ربوبیت بھی توحید خالقیت جیسی ہے۔توحید ربوبیت سے متعلق مندرجہ ذیل آیات ہیں؛

﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ مَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (یونس:۳۱)

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَ السَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (بقرہ:۲۱)

﴿قُلْ أَغَيْرَ اللهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (انعام:۱۶۴)

شرک بھی اپنی جگہ دو قسم کی ہے؛

۱۔ **شرک عرضی**؛ یعنی ایک دوسرے کے مقابل میں مستقل ہے۔جیسا کہ مجوس' آتش پرستوں کا کہنا ہے؛ خالق دو ہیں: ایک یزدان' جو خالق و مدبر خیرات ہے۔دوسرا اہریمن جو خالق و مدبر شرور ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل میں ہیں۔ دوسری مثال نصاریٰ کی ہے' جس کا ذکر سورہ نحل کی آیات ۵۱ میں آیا ہے کہ وہ تین خداوں کے قائل ہے (انبیاء:۲۲) یہ تینوں ایک ہی زمانہ میں' ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ایک کا نام ابن' دوسرے کا نام اب اور تیسرے کا نام روح القدس ہے' جسے نصاریٰ اقنوم ثلاثہ کہتے ہیں۔اللہ نے ان کو رد کرتے ہوئے فرمایا ہے؛

﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ (مائدہ:۷۵)

۲۔ **شرک طولی**؛ یعنی طول میں ہے۔جیسے ان کا کہنا ہے؛ اللہ ایک ہے' وہی خالق ہے اس کا کوئی شرک نہیں لیکن تدبیر کائنات' نظام الوہیت اور معبودیت میں اس کے شریک کار موجود ہیں' اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں اسکی مذمت کی ہے۔

﴿قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾ (صافات:۹۵)

﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ﴾ (شعراء:۷۲)

﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (نحل:۲۱)

شرک طولی کے تین تصور ہیں۔

۱۔ وہ معبود جو مالک نفع نقصان نہیں۔ کثیر آیات میں اللہ نے ان کے نفع ونقصان کے مالک نہ ہونے کو بنیاد بنا کر اپنے مقابل میں معبود ہونے کو رد کیا ہے۔

۲۔ جس کی عبادت کی، اللہ کی طرف سے اجازت نہیں۔ یعنی جن چیزوں کو لوگوں نے معبود بنایا ہوا ہے اور کہتے ہیں کہ درحقیقت ہم اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں انھیں تو ہم واسطہ بناتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے؛

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾ (زمر:۳)

کسی کے سامنے خضوع جائز نہیں، جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔ اس سلسلے میں فرماتا ہے:

﴿أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ﴾ (هود:۲۶)

﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ (اعراف:۷۱،۷۰)

﴿وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (انعام:۸۱)

﴿يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (یوسف:۳۹)

پیغمبرؐ اور انبیاء، مشرکین سے فرماتے ہیں؛ جس چیز کی تم پرستش کرتے ہو اس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے یا تمہارے پاس اس کی دلیل نہیں ہے۔

﴿أَمْ أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ﴾ (روم:۳۵)

جس چیز کا اذن اللہ نے نہیں دیا اسے رنگ الوہیت دینا' اسکے سامنے سجدہ کرنا' مشکلات حل کرنے کی درخواست کرنا' اس سے مدد مانگنا کفر وشرک ہے۔ یہ کہنا کہ اللہ نے کائنات کو خلق کرنے کے بعد تدبیر تقسیم ارزاق ان کو تفویض کی ہے' یہ عقیدہ مفوضہ ہے۔

۳۔ وہ نفع ونقصان کے مالک ہے۔ کہتے ہیں؛ انہوں نے عبادت وبندگی کے ذریعے وہ مقامات ودرجات حاصل کئے ہیں' جس کی وجہ سے وہ ہر چیز کر سکتے ہیں جو اللہ کرتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں؛ یہ ذوات اگر اللہ سے کوئی چیز طلب کریں تو اللہ اس کو رد نہیں کرتا۔ کبھی کہتے ہیں؛ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور ہماری سفارش کریں چونکہ ان کی سفارش اللہ کے نزدیک قبول ہے۔ کبھی کہتے ہیں؛ یہ ذوات اللہ کی طرف سے حاجتوں کو روا کرنے کی ماذون ہیں۔ یہ تضاد اور طفرہ' سلیقہ شیطانی ہے۔

یہ باتیں ان آیات کریمہ سے استناد ہے جو اپنی جگہ آیات متشابہ ہیں۔ ان آیات میں آیا ہے؛ کوئی حرکت' جنبش' تغیر' تبدیل' نفع ونقصان نہیں دے سکتا مگر بہ اذن اللہ۔ یہ اذن' اللہ کی طرف سے کس کو حاصل ہے کس کو دیا گیا ہے' یہ اپنی جگہ متشابہ ہے۔ یہ متشابہات کو متشابہات سے استدلال کرتے ہیں یعنی آیت میں واضح نہیں کس کو دیا گیا اور یہ خود ان کے نزدیک بھی متشابہ ہے۔ کبھی کہتے ہیں آئمہ کو' کبھی امامزادوں کو' کبھی ریاضت کرنے والوں کو' کبھی چلّہ کاٹنے والوں کو اور کبھی کہتے ہیں صوفیوں کو۔

یہاں شرک کا دائرہ' تنگ اور ضیق ہونے کے بارے میں کون سی منطق درست ہے؟ اس کیلئے ضروری ہے کہ اس کلمے کو بنیاد سے اٹھایا جائے۔ قرآن کریم نے ایمان کے مقابل میں کفر کو اور توحید کے مقابل میں شرک کو اٹھایا گیا ہے۔ انسان شرک کا مرتکب ہونے کے بعد اسلام سے خارج اور مشرک ہو جاتا ہے' یہ شرک اکبر ہے۔ جب انسان اس شرک کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ جہنمی اور اہل خلود بنتا ہے۔ اس شرک کے بارے میں قرآن میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں ہیں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (نساء:۴۸)

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (مائدہ:۷۲)

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (ممتحنہ:۱۲)

اس کے علاوہ جہاں بندہ مومن صوم وصلاۃ اور حج کو اللہ کیلئے انجام دیتے وقت دوسروں کو دیکھانے کا بھی ارادہ ذہن میں رکھتا ہے' اسے علماء اعتقاد شرک اصغر کہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں مندرجہ ذل آیت ملاحظہ فرمائیں۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (یوسف:۱۰۶)

معلوم ہوا کہ کفر اور شرک کی دو قسمیں ہے؛ پہلی کفر و شرک اعتقادی جبکہ دوسری قسم کفر و شرک عملی ہے اس شرک سے نہ انسان ملت سے خارج ہوتا ہے نہ اسے کافر مشرک کہا جاتا ہے۔ کفر اکبر اور شرک اکبر کی مثال یہود' مجوس اور بت پرستوں کی دی جاسکتی ہے۔

شرک کیا ہے؟

شرک یعنی مخلوق پرستی:

۱۔ کسی مخلوق کو کائنات کا خالق ماننا۔

۲۔ کسی مخلوق کو خالق کا بیٹا، ماں، باپ، بیوی یا شوہر قرار دینا۔

۳۔ کسی مخلوق کو کائنات کے مدبر، مالک اور فرمانروا تصور کرنا۔

۴۔ کسی مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ نظم کائنات میں اس کا دخل ہے۔

۵۔ کسی مخلوق کو حاجت روا' مشکل کشا اور فریاد رس سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ زندگی' موت' نفع' نقصان' صحت' سلامتی' مرض' رزق' اولاد' عزت اور ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۶۔ کسی مخلوق کے بارے میں یہ تصور ہو کہ وہ فوق الطبعی قوتوں کا مالک ہے۔

۷۔ کسی مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ اس کی سفارش یا مرضی کے بغیر اللہ کچھ نہیں کرتا۔

۸۔ کسی مخلوق کو عبادت و پرستش کا مستحق سمجھنا۔ اس کے حضور رکوع و سجود بجالانا' دعائیں' مرادیں اور مدد مانگنے کیلئے اس کے آگے جھکنا' اُسے پکارنا' اس کے نام کا ورد کرنا' عجز و نیاز سے اس کے آگے جھکنا' اُسے راضی کرنے کیلئے قربانیاں دنا' اس کے گرد طواف کرنا' اس کیلئے روزے رکھنا یا کسی اور طرح اُس کی پوجا کرنا۔

۹۔ کسی مخلوق کو مالک و مطاع مطلق ماننا' اس کی بندگی و غلامی اختیار کرما' اس کی رضا جوئی کو زندگی کا مقصود ٹھہرنا' اس سے اس طرح ڈرما جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حکم ہے' اس پر اس طرح بھروسہ کرنا جس طرح اللہ پر کرنا چاہیے۔

۱۰۔ کسی مخلوق کو انسانی زندگی کیلئے شارع و قانون ساز ماننا۔

یہ ہے شرک یا مخلوق پرستی ہے!

قرآن مجید کی روشنی میں شرک کو پہچانئے!

قرآن مجید میں جہاں کہیں

﴿أَفَلاَ تَذَكَّرُونَ﴾ (یونس:۳، ھود:۲۴)

﴿فَأَنَّا تُسْحَرُونَ﴾ (مومنون:۸۹)

﴿أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (مائدہ:۷۵)

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ﴾ (عنکبوت:۶۳)

کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں' وہاں شرک کی نفی کی گئی ہے۔ اسی طرح جہاں "سبحان اللہ"

اور "تعالیٰ" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہاں بھی شرک کی نفی کی گئی ہے' لہٰذا اس قاعدہ اور اصول کو ذہن نشین کر کے قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو شرک کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جاتی ہے اور انسان کا ذہن فیصلہ کرتا جاتا ہے کہ واقعاً یہی وہ صفات ہیں جو غیر اللہ میں مان لی جائیں تو شرک لازم آتا ہے۔

قرآن کریم نے ہر قسم کے شرک کی نفی کی ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (طور:۴۳)

﴿يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (اعراف:۵۹)

﴿وَ إِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ﴾ (اعراف:۶۵)

﴿وَ إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَائَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللهِ وَ لاَ تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (اعراف:۷۳)

﴿وَ إِلَى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ قَدْ جَائَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلاَ تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَائَهُمْ وَلاَ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلاَحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (اعراف:۸۵)

"لغیر اللہ"، "من دون اللہ" ۹۲ بار سے زائد قرآن کریم میں آیا ہے۔

﴿أَلَيْسَ اللهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ (زمر:۳۶)

﴿قَالَ أَغَيْرَ اللهِ أَبْغِيكُمْ إِلَهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (اعراف:۱۴۰)

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (شوریٰ:۱۱)

اس کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔

﴿لاَإِلَهَ إِلاَّ هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾ (انعام:۱۰۲)

﴿قُلِ اللهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لاَ يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعًا وَلاَ ضَرًّا.....
أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللهُ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (رعد:۱۶)

﴿ذَلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لاَإِلَهَ إِلاَّ هُوَ فَأَنَّا تُؤْفَكُونَ﴾ (غافر:۶۲)

﴿هُوَ اللهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ﴾ (حشر:۲۴)

مشرکین بتوں کی پوجا کرتے وقت کہتے ہیں یہ ہمیں اللہ کے نزدیک کرتے ہیں یا ہمارے اور اللہ کے درمیان واسطہ و شفیع ہیں۔ان کے سامنے جھکنے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

مشرکین کی اس منطق کو قرآن نے بیہودہ اور غلط قرار دیتے ہوئے شرک کہا ہے۔تو کیا جس منطق کو قرآن نے بنیاد سے غلط ٹھہرایا ہو آپ اسی منطق کو تکرار نہیں کر رہے ہیں۔

جن ذوات کے توسط سے خرق عادت عمل صادر ہونے کا اللہ نے قرآن میں بتایا ہے' وہ انبیاء ہیں جو انھیں نبوت کے اثبات کیلئے دیئے گئے ہیں۔اُن کے علاوہ کوئی ہستی' شخصیت قادر بہ خرق عادت ہو اپنی جگہ مشکوک السند ہے' اُن کے بارے میں ایسا اعتقاد رکھنا ضروری بھی نہیں اور نہ ہی ہم ان کے خارق العادت اعمال کسی اور کو ثابت کر سکتے ہیں۔یہ ایک غوغا ہے' ایک فعل جو اپنی جگہ بغیر کسی اسباب و علل کے انجام پاتا ہے جسے عرف عام میں خارق العادۃ کہتے ہیں۔اصطلاح علماء میں معجزہ اور قرآن کریم نے اُسے آیت اللہ یا آیت حقانیت نبوت کہا ہے۔اب اس عمل کو کرامت کا نام دے کر غیر منصب الٰہی رکھنے والوں کو بھی اس قدرت کے حامل بنانے کی کیا دلیل ہے؟ کیا اس صورت میں مقام انبیاء ان کے مقابل میں پست نہیں ہوگا؟ کیونکہ اللہ نے انبیاء کو یہ قدرت ضرورت یعنی اثبات نبوت کیلئے دی ہے جبکہ اولیاء کو بغیر کسی ضرورت کے یعنی انہوں نے اپنے استحقاق سے یہ مقام حاصل کیا ہے تو ان کا مقام و منزلت انبیاء سے برتر ہوگا جیسا کہ خود بعض اولیاء کا دعویٰ ہے۔

قرآن کریم کی اکثر آیات میں دعوت انبیاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انبیاء ہمیشہ اس وقت مبعوث ہوئے جب بندوں نے اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ جعل کیا۔اللہ

سبحانہ نے انبیاء کو جس مقصد' غرض اور غایت کیلئے وسیلہ بنایا ہے' وہ ابلاغ دین وشریعت ہے' انبیاء بندوں کو شرک چھوڑنے اور توحید اپنانے کی دعوت دینے' بندوں کیلئے آئین حیات لانے' بندوں کو اللہ سے جوڑنے' اس کائنات میں موجود ارزاق سے استفادہ کرنے اور آپس کے روابط وتعلقات کو اللہ کے دیئے ہوئے آئین کے سانچے میں ڈھالنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں۔ انبیاء' لوگوں کو وسائل زندگی بغیر کسی تلاش وزحمت اور تگ ودو کئے بغیر دینے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ان چیزوں کیلئے علم اور قدرت غیر محدود کی ضرورت ہے۔ یہ دونوں اللہ نے صرف اپنے لئے مخصوص رکھے ہیں اور انبیاء کے زبان سے کہلوایا ہے کہ نہ ہم علم غیب رکھتے ہیں نہ آسمان وزمین کے خزائن کی کنجیاں ہمارے پاس ہیں۔ ذیل کی آیات ملاحظہ کریں؛

علم غیب مختص بہ اللہ ہے

﴿ذَلِکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْکَ﴾ (آلعمران:۴۴)

﴿تِلْکَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْکَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلاَ قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (هود:۴۹)

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلاَيُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ (جن:۲۶)

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لاَيَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ﴾ (انعام:۵۹)

﴿قُلْ لاَ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلاَ أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَکٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ﴾ (انعام:۵۰)

﴿وَلاَ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللهِ وَلاَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلاَ أَقُولُ إِنِّي مَلَکٌ وَلاَ أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللهُ خَيْرًا اللهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَمِنْ الظَّالِمِينَ﴾ (هود:۳۱)

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنْ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ (یونس:۲۰)

﴿وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنْ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِي السُّوءُ﴾ (اعراف:۱۸۸)

﴿إِنِّی أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ (بقرہ:۳۳)

اللہ کے علاوہ کوئی بھی بندہ چاہے وہ کچھ بھی ہو، کچھ نہیں کر سکتا

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ (حج/۷۳)

﴿أَوْ أَرَادَنِی بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ﴾ (زمر:۳۸)

﴿قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَلاَ تَمْلِكُونَ لِی مِنْ اللهِ شَيْئًا﴾ (احقاف:۸)

﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ (مائدہ:۱۷)

﴿قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لاَيَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّاوَلاَ نَفْعًا﴾ (مائدہ:۷۶)

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لاَ يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا﴾ (نحل:۷۳)

﴿وَلاَيَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلاَنَفْعًا﴾ (طٰہٰ:۸۹)

﴿وَلاَ يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ﴾ (زخرف:۸۶)

﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللهِ لاَ يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمَاوَاتِ وَلاَفِی الْأَرْضِ﴾ (سبا:۲۲)

﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنْ اللهِ شَيْئًا﴾ (فتح:۱۱)

﴿وَلاَ يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّاوَلاَ نَفْعًا وَلاَيَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلاَحَيَاةً﴾ (فرقان:۳)

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ لاَيَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا﴾ (عنکبوت:۱۷)

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِیَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ﴾ (رعد:۳۸)

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ﴾ (تغابن:۱۱)

ہر چیز اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے کوئی اُسے چرا نہیں سکتا

﴿مَا يَفْتَحْ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلاَمُمْسِكَ لَهَا﴾ (فاطر:۲)

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ (مومنون:۸۸)

﴿فَسُبْحَانَ الَّذِی بِیَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَیْءٍ﴾ (یٰسین:۸۳)

﴿تَبَارَكَ الَّذِی بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ﴾ (ملک:۱)

﴿فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللهِ﴾ (بقرہ:۲۵۱)

﴿وَأُبْرِءُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْیِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ﴾ (آلعمران:۴۹)

﴿لَیْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِیٌّ وَلَاشَفِیعٌ﴾ (انعام:۵۱)

﴿وَلَاتَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِیَاءَ﴾ (اعراف:۳)

﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ﴾ (رعد:۱۱)

﴿وَالَّذِینَ یَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَایَسْتَجِیبُونَ لَهُمْ بِشَیْءٍ﴾ (رعد:۱۴)

﴿وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ (کہف:۲۷)

﴿بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ یَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا﴾ (کہف:۵۸)

رزق اللہ ہی دیتا ہے

﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِیَّاهُمْ﴾ (انعام:۱۵)

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْیَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِیَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِیرًا﴾ (اسراء:۳۱)

﴿قُلْ مَنْ یَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ یَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ مَنْ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَیَقُولُونَ اللهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (یونس:۳۱)

﴿قُلْ مَنْ یَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللهُ﴾ (سباء:۲۴)

﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِی یَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ (ملک:۲۱)

﴿إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِینُ﴾ (ذاریات:۵۸)

﴿وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَ أَنزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ یَظْلِمُونَ﴾ (بقرہ:۵۷)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (بقرہ:۲:۱۷۲)

تقرب الی اللہ

قرب الی اللہ کے دو تصور ہے؛ ایک قرب صعودی جس میں انسان، بندہ مؤمن دنیا و مافیہا کو پس و پشت ڈال کر صرف تنہا ذات باری تعالیٰ کی رضایت و خشنودی کا خواہاں ہوتا ہے۔ بندہ اللہ کی رضایت کیسے حاصل کر سکتا ہے، اور وہ کون سے وسائل ہیں، یہ وسائل اپنی جگہ مؤثر بھی ہیں یا نہیں؟ اس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ محکم آیات الٰہی اس کی شاہد و گواہ ہیں کہ اس قرب کو نہ چاہنے والے نص آیات کے تحت ذلیل و خوار اور جہنمی ہوں گے۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر:۶۰)

دوسرا قرب، قرب نزولی ہے۔ جہاں بندہ اپنی تمام دنیوی خواہشات، اللہ سے منوانے کا دعویٰ کرتا ہے اور اللہ سے کہتا ہے: مجھے دولت، مقام اور اولاد دو۔ یہاں بندہ اوپر جانا نہیں چاہتا بلکہ دنیا میں ہی مستغرق رہنا چاہتا ہے، وہ اللہ اور دیگر خلائق کو دھوکہ دے رہا ہے۔ اللہ فرماتا ہے؛ ہم نے تمام ضروریات اس دنیا میں پھیلا رکھے ہیں، تم اُسے اسی دنیا میں تلاش کرو۔

انسان اس دنیا میں زندگی گزارنے کیلئے بہت سی مادیات کا نیازمند ہے۔ یہ اشیاء اللہ نے اس کائنات کی فضا، بر و بحر زیر زمین اور قعر دریا میں پھیلا رکھے ہیں اور ان تک رسائی اور حصول کو انسان کی سعی و کوشش سے مربوط کیا ہے۔

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى﴾ (نجم:۳۹،۴۰)

جن اشیاء کو اللہ نے اس کائنات میں پھیلا دیا ہے، ان خزائن کی چابی کا نام قرآن نے سوال رکھا ہے۔

﴿وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ﴾ (ابراہیم:۳۴)

سوال سے مراد سعی وکوشش ہے جو جتنی سعی وکوشش کرے گا اس کو اسی تناسب سے عطا کیا جائے گا۔ جس طرح بینکوں میں چیک پر جتنی رقم لکھی جاتی ہے اتنی ہی ملتی ہے اور چیک میں کسی بھی قسم کا خلل رقم ملنے میں حائل ہو جاتا ہے' اسی طرح سعی وکوشش میں بھی خلل اُسے ناکام بنا دیتا ہے۔ چونکہ یہ اشیاء انسانوں اور دیگر مخلوقات کیلئے ہیں لہٰذا یہاں کسی قسم کا امتیازی سلوک' کسی قسم کی شرط وسفارش نہیں بلکہ یہاں مخلوق کی نیاز کے علاوہ تلاش عملی شرط ہے۔ یہاں ضروریات کے حصول میں دیندار اور کافر وملحد میں کوئی فرق نہیں ہے۔

انسان جب تک اس دنیا میں ہے وہ جسمانی اور معنوی لحاظ سے بہت سی چیزوں کا محتاج و نیاز مند ہے۔ وہ بحیثیت ایک موجودِ حیوانی غذا وطعام کا محتاج و نیاز مند ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ﴾ (انبیاء:۸)

انسان جس طرح کھانے پینے کیلئے غذا کا محتاج ہے' اسی طرح سردی' گرمی سے بچنے کیلئے گرم اور ٹھنڈا کرنے والے وسائل و ذرائع کا بھی محتاج مند ہے۔ جیسے: لباس' ہیٹر اور ایئر کنڈیشنر وغیرہ' اسی طرح سکون واستراحت کی خاطر مکان کا محتاج و نیاز مند ہے۔

انسان ہونے کے ناطے علم و ہنر' فن' شہرت' احترام اور مقام کا خواہشمند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا محتاج و نیاز مند بھی ہے۔ اسی طرح انسان زیادہ سے زیادہ وسائل و ذرائع' اپنے گرد و نواح پر غلبہ قدرت وغیرہ کے حصول کی خاطر کرسی اقتدار کا بھی محتاج مند ہے۔

ان سب کا شمار انسانی زندگی کی دنیاوی ضروریات ولوازم میں ہوتا ہے اور ان کی کوئی حدود نہیں جہاں پہنچ کر اُس کی نیاز واحتیاج ختم ہو جائے۔ انسان' حصولِ دنیا میں بہت لالچی اور حریص ہے بقول مولا امیر المومنینؑ: جو ملتا ہے وہ کھاتا ہے اور جمع کرتا ہے' جو نہیں ملتا ہے وہ طلب کرتا ہے۔ وہ طلب میں حریص ہے خرچ میں بخیل ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿قُلْ لَوْ أَنتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنفَاقِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا﴾

غرض انسان لامحدود دولت' شہرت' مقام وعزت' اقتدار وسلطنت کا خواہاں ہے۔ انسان

کی ان ضروریات کو لغت عام میں رزق کہتے ہیں۔ رزق کو فارسی میں روزی کہتے ہیں۔ راغب اصفہانی نے رزق کو عطائے دائمی کہا ہے' چاہے دنیاوی ہو یا اُخروی' پیٹ کی خاطر ہو یا مقام وجاہ یا قدرت وسلطنت کی خاطر۔ جہاں انسان کے وجود اس کی سرشت اور فطرت کے اندر بہت سی احتیاجات سمویا ہے وہیں اللہ تعالیٰ نے اُس کی مطلوبہ حوائج کو اسی دنیا میں بے بہا اور غیر محدود انداز میں' وسیع وعریض زمین وفضا میں پھیلایا بھی ہے چنانچہ سورہ مبارکہ ابراہیم کی آیت ۳۴ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاتُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾

اللہ نے اپنی نعمتوں کو اس کائنات میں پھیلا رکھا ہے' لیکن ان نعمتوں کو کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ کون سے وسائل وذرائع ہیں جو انسان کی خواہشات اور تمنائیں پوری کرتے ہیں یا اُنہیں کامیابی وکامرانی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں دو نکات کی وضاحت کرنے کے بعد ہم اصل موضوع میں داخل ہوتے ہیں۔

خدا کی نعمتیں سب کیلئے ہیں۔ یہ نعمتیں کہیں بھی ہوں ممنوع الحصول نہیں ہیں بلکہ کثیر آیات قرآنی کے تحت خدا نے انسان کیلئے ان سب کو مسخر کیا ہے۔ ہم ذیل میں تقسیم وار آیات پیش کریں گے:

۱۔ خدا نے دنیا کو مومن وکافر دونوں کیلئے کھلا رکھا ہے اس میں ایمان شرط نہیں ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ (اسراء:۷۰)

﴿اللهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ، وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ (ابراہیم:۳۲،۳۳)

﴿أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ

ذَاتَ بَهْجَةٍ﴾ (نمل:۶۰)

﴿وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لاَ تُحْصُوهَا﴾ (ابراہیم:۳۴)

۲۔ اللہ نے ان نعمتوں تک پہنچنے کے پہلا وسیلہ خود انسان سے متصل کیا ہے جیسے چلنے کیلئے پاؤں، کچھ حاصل کرنے کیلئے ہاتھ، دیکھنے کیلئے بصارت، سننے کیلئے سماعت، سمجھنے کیلئے دل اور اٹھانے کیلئے قوتِ بازو۔

﴿وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لاَ تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ (نحل:۷۸)

﴿ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ﴾ (مومنون:۷۸)

یہ وسائل خداوند عالم نے ہر ایک کو عنایت کیے ہیں۔ بہت کم انسان ہیں جو ان وسائل سے محروم ہیں۔ اگر کوئی محروم بھی ہے تو اُس کیلئے خدا نے متبادل ذریعہ بنایا ہے۔ ان سے خدا پر ایمان رکھنے والے مومن بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کافر و ملحد بھی، خداوند عالم نے از روئے تکوین اس میں کوئی بندش نہیں رکھی۔ انسان اگر خدا کی طرف سے حرام کردہ چیزوں تک رسائی حاصل کرنا بھی چاہے تو وہ ان تک بھی پہنچ سکتا ہے، محرمات اولی خنزیر، مردار کتا وغیرہ یا محرمات ثانوی دوسروں کی کمائی چھین کر دولت مند بھی ہو سکتا ہے۔

حصول رزق مشروط بعمل ہے۔ جو شخص حصول ارزاق کیلئے جتنی کوشش اور تگ و دو کرے اسے اتنا ہی ملے گا اور جو شخص کاہلی اور سستی کرے، وہ محروم رہے گا۔

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ﴾ (اسراء:۱۸)

﴿ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ (آلعمران:۱۴۵)

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لاَ يُبْخَسُونَ﴾ (هود:۱۵)

﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ﴾ (شوریٰ:۲۰)

﴿وَ لَوْ لاَ أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَانِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ﴾ (زخرف:۳۳)

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى﴾ (نجم:۳۹،۴۰)

انسان وسائل زندگی تک رسائی اوراس کے حصول کیلئے سعی وکوشش کے علاوہ ایک نظام عدل کا بھی محتاج ہے کیونکہ دنیا میں قوموں کی زبوں حالی پسماندگی اور بدبختی کا مشاہدہ کیا جائے تو اس کا راز نظام عدالت کا ناپید ہونا ہی نکلے گا۔انسان عاقل کو چاہیے کہ جہاں وہ ان وسائل تک پہنچنے کیلئے جدوجہد کرتا ہے وہیں نظام عدل کے قیام کیلئے بھی کوشش کرے' ورنہ اس کی تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی اوراس کی کمائی استحصالی ٹولے کالقمہ بن جائیں گی۔

۳۔ بشرطیکہ اللہ اس رزق اورنعمت کو نہ روکے؛

اگر اللہ کسی کارزق روک لیں تو کوئی اسے کھول نہیں سکتا؛

﴿مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلاَ مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلاَ مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ﴾ (فاطر:۲)

﴿إِنَّ اللهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولاَ وَ لَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (فاطر:۴۱)

﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ (ملک:۲۱)

اس ذات سے قرب حاصل کرنے اوراس کی رضا' خوشنودی اور ہدایت لینے کیلئے کون سے وسائل درکار ہے۔اس سلسلے میں علماء اعلام نے دوقرب کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ قرب تکوینی: بندہ چاہے یا نہ چاہے وہ اللہ سے قریب ہے اوراسی طرح اللہ بھی اپنی الوہیت وربوبیت کے حوالے سے بندے کے قریب ہے۔اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیات ہیں:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق:۱۶)

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لاَتُبْصِرُونَ﴾ (واقعہ:۸۵)

﴿إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَانِ عَبْدًا﴾ (مریم:۹۳)

۲۔ قربِ اختیاری: بندہ اپنی عبادت اور بندگی و توجہ سے قرب حاصل کرتا ہے۔ بندہ جن وسائل و اعمال سے اللہ کا قرب حاصل کرتا ہے اس کا ذکر قرآن کریم اور سنت نبیؐ میں مکرر بیان ہوا ہے۔

اللہ کی رضایت اور خشنودی تک رسائی کے چند مفروضے ہو سکتے ہیں؛

ا۔ الفاظ اور کلمات والے وسائل

لفظی اور کلامی وسیلہ یعنی انسان قرب خدا حاصل کرنے کیلئے کچھ کلمات کا ورد کرتا ہے۔ ان میں سے بعض قرآن اور روایات سے ماخوذ ہیں' بعض کو علماء و عرفاء سے لیا گیا ہے، جبکہ بعض مجہول النسب اور خود ساختہ ہیں۔

جب ہماری نظر کتب ادعیہ و زیارات پر پڑتی ہیں اور ان دعاؤں اور زیارات کے دیئے گئے اثرات اور اجر گزاف کو دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ علمائے اعلام قابل صد داد و تحسین ہیں جنھوں نے ہمیں ان دعاؤں اور زیارات سے روشناس کرایا ہے۔ مساجد اہلسنّت میں شبینہ کی محافل میں طویل سوروں کی قرائت پر مشتمل نماز پڑھنے والے اور شیعہ مساجد میں شب قدر کی راتوں میں سو سو رکعتوں کے علاوہ دعاؤں' سورتوں اور زیارات میں شب بسر کرنے والے لوگ کتنے خوش قسمت ہیں' جنھوں نے ان راتوں کا احیاء کر کے اپنے گناہ بخشوائے' اس کے علاوہ اپنی اور دیگر عزیز و احباب کے بے شمار حاجتیں روا کروا کر آسودگی اور خوشی حاصل کی جبکہ باقی بد بخت اور بے نصیب ہیں جنھوں نے رات سو کر برباد کر دی۔

ان اعمال کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

ا۔ دین، صرف دعاؤں اور اولیاء سے توسل کا نام ہے۔

۲۔ دنیا' کسب' زحمت اور مشقت سے نہیں بلکہ صرف دعا و التماس' ان کے ورد اور توسل بہ اولیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کو اللہ نے ان کے حوالے کر دیا ہے۔

لیکن اگر چشم حقیقت سے دیکھا جائے تو روئے زمین پر اگر کوئی بد نصیب اور فقر میں مبتلا گروہ ہے تو وہ یہی گروہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان میں سے دوسرے گروہ کا کہنا ہے دنیا'

صرف دھاندلی، اغواء، ڈکیتی، چوری اور سب سے زیادہ سیاست بازی سے ہی ملتی ہے۔ جب انسان سیاسی بنتا ہے اور اس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو ملک کے خزائن کے ساتھ ساتھ ظاہر و باطن کا مالک بن جاتا ہے۔ جب انسان دولت کا مالک بن جاتا ہے تو دین بھی خریدا سکتا ہے۔ جیسے چند لوگوں کا دین کسب روزگار، نوکری کے بعد روٹی اور آٹا دینا ہے، ان کے نزدیک دین بھی خریدا جا سکتا ہے، دین کی اصل روح خدمت خلق ہے اور اس سے افضل کوئی دین نہیں۔ یا کہتے ہیں انسان بے دین رہے تو کیا فرق پڑتا ہے، دینداری کا دعویٰ کرنے والوں نے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچایا۔ حقیقت میں اس فکر کا مقصد انسان کو اللہ سے دور کرنا ہے۔

مشرکین مجوس فارس، مشرکین نصاریٰ اور نصریت نے انپڑھ، جاہل اور احمق دوستداران آئمہ کو جال شکار بنا کر پہلے توسل بہ رسول اللہ اسکے بعد اہل بیت اطہارؑ پھر ان کے فرزندان اور بہ اصطلاح نام نہاد عرفا، پھر جعلیات کا جال ڈال کر شرک کا جال بچھانے کی مہم چلا رکھی ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کے بارے میں یہ اعتقاد نہ قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے، نہ معتبر روایات سے اور نہ فرقہ کے محققین علماء کے کلمات میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ اعتقاد رکھنے والے بعض مجہول الحال کتابوں سے استناد کرتے ہیں۔ یہ لوگ جس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں وہ کتاب (اسرار آل محمدؐ) جملات و مضامین میں بہائیوں، قادیانیوں، نصیریوں اور موجودہ دور کے اسماعیلیوں کے عقائد و نظریات سے ماخوذ ہیں حالانکہ ان گروہوں نے شریعت اسلامی کے خلاف جو اقدامات اٹھائے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان میں سے بعض نے تو شریعت اسلامی کو بالکل معطل کیا ہے جبکہ بعض نے قرآن کی صریح آیات کریمہ کے خلاف تاویلات پیش کر کے شریعت میں فرض کی گئی عبادات سے لوگوں کو آزاد کرایا ہے چنانچہ یہ لوگ منابر سے شریعت اسلامی، فرائض و واجبات اور نماز جیسی اہم عبادت کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح حلال اور محرمات کے خلاف بھی برملا اعلان کرتے ہیں اور نماز کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں؛ علی علی کہنا ہی نماز ہے، آج کل تو قد قامت الصلواۃ کی جگہ

حسین حسین اور رکوع میں سبحان ربی الحسین پڑھنا بھی شروع کیا گیا ہے۔ان لوگوں نے ایسے من گھڑت فضائل آئمہ اطہارؑ کی شان میں گھڑے ہیں جس سے آئمہ اور مذہب کو ایک ناقابل برداشت دھچکا لگا ہے۔انھوں نے آئمہ طاہرینؑ کے حصول دنیا میں وسیلہ ہونے کے موضوع کو بحث وگفتگو بنا کر امامت وقیادت جیسے بنیادی مسائل کو معاشرے سے نکال کر طاق نسیان میں رکھا ہوا ہے اور آئمہ طاہرین کی امامت ورہبری پر قائم حکومت کی مخالفت کر کے کفر وشرک کی حکومتوں کیلئے ماحول سازگار کر رہے ہیں۔

۲۔ایمان اور عمل والے وسائل

ایمان باللہ

مملکت مادیات ومحسوسات کے بعد عالم ایمان شروع ہوتا ہے جب انسان ماوراء المحسوسات اور خالق محسوسات کی تصدیق کرتا ہے اسی کو ایمان کہتا ہے۔جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے؛

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ.... وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (بقرہ:۳،۴)

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ﴾ (بقرہ:۱۷۷)

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللهِ﴾ (بقرہ:۲۵۶)

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (نساء:۱۶۲)

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (توبہ:۱۸)

﴿وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (توبہ:۹۹)

﴿آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ ..وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (حدید:۷،۸)

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللهِ وَرُسُلِهِ أُولَئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ﴾ (حدید:۱۹)

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ﴾ (مجادلہ:۲۲)

﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِی أَنزَلْنَا﴾ (تغابن:۸)

﴿تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ﴾ (صف:۱۱)

ایمان اور کفر میں آمیزش واختلاط ممکن نہیں

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ. لاَ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ (کافرون:۱،۲)

﴿وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِی عَمَلِی وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِیءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ (یونس:۴۱)

ایمان بہ نبوت ورسالت

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمْ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ (بقرہ:۲۱۳)

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آلعمران:۱۶۴)

﴿وَ لَقَدْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ بَنِی إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمْ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللهُ إِنِّی مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمْ الصَّلاَةَ وَآتَيْتُمْ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِی﴾ (مائدہ:۱۲)

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ﴾ (یونس:۷۴)

خود انبیاء ومرسلین پیغامات اور ہدایات پہنچا کر ہمارا خدا سے رابطہ پیدا کرتے ہیں۔اس سلسلے میں قرآن کریم میں کثیر آیات موجود ہیں:

﴿وَ إِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّى يَحْكُمَ اللهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ (اعراف:۸۷)

﴿إِنِّی لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾ (شعراء:۱۰۷)

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِأَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (نساء:۱۶۵)

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (مائدہ:۹۲)

﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلاَغُ﴾ (مائدہ:۹۹)

﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ (انعام:۴۸)

﴿وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ (توبہ:۱۰۵)

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ﴾ (یونس:۴۷)

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (اسراء:۱۵)

﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ﴾ (شعراء:۲۰۸)

﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى حَتَّى يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولاً﴾ (قصص:۵۹)

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خلاَ فِيهَا نَذِيرٌ﴾
(فاطر:۲۴)

﴿فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ قَالُوا بَلَى قَدْ جَائَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا﴾
(ملک:۸،۹)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ﴾ (نساء:۶۴)

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ﴾ (نساء:۶۹)

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ﴾ (نساء:۸۰)

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ (مائدہ:۹۲)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾
(انفال:۲۴)

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُوا﴾ (انفال:۴۶)

﴿وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ﴾ (توبہ:۷۱)

﴿وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (نور:۵۶)

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ﴾ (احزاب:۶)

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (احزاب:۷۱)

﴿وان تطيعوا الله و رسوله لايلتكم من اعمالكم شيئًا﴾

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (فتح:۱۷)

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَاللهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (مجادلہ:۱۳)

﴿أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِي﴾ (نوح:۳)

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِی ..... قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آلعمران: ۳۱، ۳۲)

یہاں اسی وسیلہ ہدایت ورہبری کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انسان اس راہ (اللہ اور انبیاء کی راہ) سے گم اور ان وسائل سے نا آشنا و رو گردان تھا۔ یہاں حصول دنیا اور جمع مال و دولت کے وسائل کی تلاش کی دعوت نہیں دی گئی کیونکہ انسان اِن وسائل سے نہ غافل تھا اور نہ ہی انجان بلکہ وہ انہی وسائل میں مستغرق اور غوطہ زن تھا اور انبیاء انھیں اسی دلدل سے نکالنے کیلئے آئے ہیں نہ کہ اسکی طرف دعوت دینے یا اس بارے میں اُن کی کوئی مدد کرنے کیلئے۔

اسی ایمان کی طرف نہج البلاغہ کے خطبہ۲ میں آیا ہے:

"واشهدان لااله الاالله وحده لاشريک له شهادةً ممتحنًا اخلاصها معتقدًا مصاصهانتمسک بهاابدًاماابقاناو ندخرها لاهاويل ما يلقانا فانها عزيمة الايمان. وفاتحة الاحسان ومرضاة الرحمان ومدحرةالشيطٰن واشهدان محمدًا عبده و رسوله ارسله بالدين المشهور. و العلم الماثوروالكتاب المسطور و النورالساطع والضياء الامع والامرالصادع ازاحةً للشبهات واحتجاجًابالبينات وتحذيرًا بالأيات وتخويفًابالمثلات"

ایمان بہ قرآن

بندے اور خدا کے درمیان عظیم ترین اور محکم ترین وسیلہ اس کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم ہے۔ آیات قرآن کریم اور کلمات نہج البلاغہ میں مکرر و متعدد جگہوں پر اس کا ذکر آیا ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِی أَنزَلَ إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمْ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ (انعام: ۱۱۴)

﴿وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا﴾ (انعام: ۱۵۵، ۱۵۶)

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِی لِلَّتِی هِیَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (اسراء: ۹)

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِی هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ (کہف: ۵۴)

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِی هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ قُرآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِی عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ (زمر: ۲۷، ۲۸)

﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (عنکبوت:۵۱)

﴿قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ﴾ (انعام:۱۹)

نہج البلاغہ میں قرآن کے وسیلہ ہونے کا ذکر

"کتاب ربکم فیکم مبیناً حلاله وحرامه" (خ:۱)

"وانزل علیکم الکتاب تبیاناً لکل شیءٍ" (خ:۸۶)

"قدامکن الکتاب من زمامه ،فهو قائده وامامه" (خ:۸۷)

"فانظر ایهاالسائل: فمادلک القرآن علیه من صفته فانتم به واستضی بنور هدایته ،وما کلفک الشیطان علمه ممالیس فی الکتاب" (خ:۹۱)

"و بقرآن قد بینه واحکمه، لیعلم العباد ربهم اذجهلوه، ولیقروابه بعد اذ جحدوا، ولیثبتوا بعد اذا نکروه. فتجلی لهم سبحانه فی کتابه من غیران یکونوا راوه" (خ:۱۴۷)

"وعلیکم بکتاب الله فانه الحبل المتین" (خ:۱۵۶)

"ان الله سبحانه انزل کتاباً هادیًا بین فیه الخیر والشر؛ فخذوانهج الخیر تهتدوا،واصدفواعن سمت الشرتقصدوا" (خ:۱۶۷)

"و لکم علینا العمل بکتاب الله تعالیٰ و سیرة رسول الله صلی الله علیه و آله. و القیام بحقه و النعش لسنته" (خ:۱۶۹)

"واعلموا ان هٰذاالقرآن هو الناصح الذی لایغش،والهادی الذی لا یضل والمحدث الذی لایکذب.وماجالس هٰذاالقرآن احد" (خ:۱۷۶)

"ثم انزل علیه الکتاب نوراً لا نطفاً مصابیحه، وسراجاً لایخبو تو قده، و بحراً لایدرک قعره،ومنهاجاً لایضل" (خ:۱۹۸)

❁ ایمان بہ آخرت

دین کا آغاز گرچہ اللہ کی وحدانیت، انبیاء اور کتب پر ایمان سے ہوتا ہے اور ایمان بہ آخرت تیسرے درجہ پر ہے لیکن انسان کو اس دنیا میں دین پر رکھنے والا واحد محرک ایمان بہ آخرت ہے، یعنی مرنے کے بعد اُس عالم میں زندہ ہونا ہے۔ جہاں اعمال کے بارے میں سوال وجواب، جزا وسزا ہوگا۔ اگر یہ ایمان نہ ہو تو انسان کے دین پر رہنے کا کوئی داعی اور

سبب نہیں بنتا۔ یہاں مرحوم شہید صدر نے ایک معضلہ مشکلہ اور منافقانہ عمل سے کشف نقاب کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں؛

”خود بھوکا رہ کر دوسروں کوکھلانا جسے قرآن نے خصاصہ کہا گیا ہے، خودمر کر دوسروں کوزندہ رکھنا جسے شہادت کہتے ہیں ۔ یہ سب اس صورت میں ممکن ہے جب ایمان بہ آخرت ہو۔لیکن جو خدمت خلق کے نام پر اپنے جینے کیلئے دوسروں کوموت کے گھاٹ اتارتے ہیں وہ عاقلانہ اور اختیار سے نہیں بلکہ کسی کے دھوکہ، فریب یا تشدد میں آکر کرتے ہیں۔“

اللہ نے اپنی ذات پر ایمان لانے کے بعد ایمان بہ آخرت کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے؛

﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ (بقرہ:۴)

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (بقرہ:۱۷۷)

﴿وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (نساء:۱۶۲)

﴿مَنْ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (توبہ:۹۹)

﴿إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ﴾ (سبا:۲۱)

﴿لاتَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (مجادلہ:۲۲)

﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ (معارج:۲۶)

ایمان بہ اصول ثلاثہ کے بعد، نوبت وسائل عملی کی پہنچتی ہے۔وسائل عملی کوقرآن وسنت کی اصطلاح میں فروع دین کہتے ہیں۔فروع دین اپنی جگہ عبادات، اجتماعیات، سیاسیات اور معاملات پر مشتمل ہیں۔عملی وسائل سے مراد انسان ایسے اعمال ہیں جنھیں انجام دینے کے بعد انسان کوقرب خدا حاصل ہوتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکٰوۃ، انفاق وغیرہ۔

ایمان اور عمل میں ربط

ایمان وعمل میں ارتباط کے چار مفروضے ہوسکتا ہے؛

۱۔ نہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ عمل، جیسے؛ ملحدین، کافرین اور مشرکین۔
۲۔ صرف ایمان رکھتے ہیں اور عمل سے گریز کرتے ہیں' جسے قرآن نے فاسقین و فاجرین کہا ہے۔
۳۔ تنہا عمل رکھتے ہیں اور ایمان نہیں رکھتے' جسے منافق کہتے ہیں۔ جو ظاہری طور پر خدمت گزار اور نیک تمنا اور اندر سے فنا و زوال کے خواہاں ہوتے ہیں۔
۴۔ ایمان بھی رکھتے ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں' یہاں ان دونوں میں ترکیب ہے' یہ دو عنصر غیر مربوط اور غیر مؤثر نہیں بلکہ دونوں ایک ہی عنصر مؤثر ہے۔ ایمان' عمل کی طرف دعوت دیتا ہے جبکہ عمل' ایمان میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

وسائل عملی

وہ تمام وسائل جنہیں ہم آگے بیان کریں گے، اِسی وسیلے کی توضیح وتفصیل ہوگی اور یہ اُنکا اجمال ہے۔

ایمان کے چند بنیادی اصول ہیں۔ ان بنیادی اصولوں کا ذکر قرآن کریم میں مکرر آیا ہے' جو تین ہیں۔ عالم اسلام کے محققین و ماہرین نے بغیر کسی اختلاف کے انھیں اصول اسلام قرار دیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار انسان کا دائرہ اسلام سے خارج ہونے کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح ان پر ایمان لائے بغیر اجتماعی' انفرادی' فلاحی یا دینی حوالے سے جتنے بھی سُود مند و ثمر بخش عمل انجام دیئے جائیں سب آخرت کے حوالے سے بے سود ہوں گے۔ سورۂ مبارکۂ ابراہیم کی آیت ۱۸ کے تحت یہ اعمال اُس راکھ کی مانند ہیں جو تُند و تیز ہواؤں کی زد میں ہے۔

لہٰذا عمل صالح اور آخرت کیلئے مفید اعمال وہی ہیں جو ان تین اصولوں کے محکم ستون پر قائم ہوں۔ اسی طرح ایمان بغیر عمل صالح کوئی معنیٰ نہیں رکھتا' وہ ایمان جو عمل صالح کا محرک نہ ہو وہ درحقیقت کثیر آیات کے تحت شرک وکفر کی نشانی ہے کیونکہ یہ اعمال رضائے خدا کی خاطر انجام نہیں دیئے گئے۔ یہ اعمال حسب تعبیر آیات قرآنی "من دون اللہ" (غیر اللہ کیلئے

انجام پائے ہیں، جسے گزشتہ صفحات میں شرک اصغر کہا ہے۔

دوسرا محرک؛ عمل ہے۔یعنی وہ اس ایمان کے بعد اللہ کی طاعت میں آتے ہیں۔جیسا کہ ان آیاتِ کریمہ میں آیا ہے:

۱۔ نماز

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلاتِهِمْ خَاشِعُونَ﴾ (مومنون:۱،۲)

﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ أُوْلَئِكَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (لقمان:۴،۵)

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى﴾ (اعلیٰ:۱۴،۱۵)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلاتِهِمْ يُحَافِظُونَ أُوْلَئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ﴾ (معارج:۳۴،۳۵)

﴿وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (جمعہ:۱۰)

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ﴾ (کہف:۲۴)

﴿فَاذْكُرُوا آلاءَ اللهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (اعراف:۶۹)

﴿وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (انفال:۴۵)

﴿كَلَّا لاتُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (علق:۱۹)

۲۔ روزہ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (بقرہ:۱۸۳)

﴿وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ﴾ (احزاب:۳۵)

۳۔ حج

حج دین اسلام کے فرائض و واجبات میں سے ہے۔اس کے تمام ارکان اور واجبات چاہے مکانی ہو یا زمانی، قرآن کریم میں بطور واضح مذکور ہیں۔حج، اللہ کے نزدیک کتنا مقام رکھتا ہے، مومن بندہ کس انداز ے میں اللہ کا ضیف اللہ بنتا ہے، اس بارے میں مولی امیر

المومنین علیؑ نے ذیل کے کلمات میں بیان فرمایا ہے؛

”و فرض علیکم حجَّ البیته الحرام، الذی جعله قبلة للانام، یردونه و رود الانعام، ویالهون الیه ولوه الحمام ، وجعله سبحانه علامة لتواضعهم لعظمته، و اذ عانهم لعزته ، و اختار من خلقه سمُاعاً اجابوا الیه دعوته ، و صدقوا کلمته ، و وقفوا مواقف انبیائه، وتشبّهوا بملائکته المطیفین بعرشه. یحرزون الارباح فی متجر عبادته ، ویتبادرون عنده موعد مغفرته ، جعله سبحانه و تعالی للاسلام علماً، وللعائذین حرماً، فرض حقّه، و اوجب حجَّه، وکتب علیکم وفادته ، فقال سبحانه؛ ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾“ (خ:۱)

حج کی بجائے عتبات کیوں نہیں جاتے

میرے اوپر عائد اعتراضات میں سے ایک حج بیت اللہ کو مکرر جانا اور زیارت عتبات مقدسہ کو نہ جانا ہے۔ یہ اعتراض بہت سوں کے اذہان میں ہے بعض نے اپنے ذہن میں رکھا جبکہ بعض نے اس کا اظہار کیا ہے جن میں سے ایک ہمارے برادر دوست عادل صاحب ہیں‘ ان کے اصرار کے ساتھ پیشکش بھی تھی کہ وہ تمام لوازمات سفر خود برداشت کریں گے اور اس میں وہ صادق بھی تھے لیکن میں نے ان کے اصرار پر واضح کیا کہ عتبات کو جاتے وقت حوزات علمیہ کے حافظان وحارسان‘ علوم عربی واصول کو کل اسلام قرار دینے والوں کے قرب وجوار سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی مجھے عقیدتی طور پر منحرف سمجھے اور دین میں میرا ساتھ نہ دے‘ صرف میرے پیٹ کا ساتھ دینے والوں سے مجھے توسل یا مدد لینی چاہیے‘ تو اس بارے میں اللہ فرماتا ہے؛

﴿وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا﴾ (کہف:۵۱)

وہ حضرات اس وقت میرے اوپر طیش وغیض میں ہیں‘ وہ دلیل و برہان کی جگہ مشت محکم کا استعمال کرتے ہیں‘ جو مجھے برداشت نہیں‘ میں اس وقت قربانی دینے کیلئے خود کو اتنا آمادہ نہیں پاتا۔

دوسرے دوست کتاب شناس‘ علماء وفقہا کے صحبت نشین‘ ہمارے میزبان محترم ہیں

جنھوں نے اس سال ہماری حج سے واپسی کے بعد کراچی نمائش کتب کے سلسلے میں تشریف لا کر ہمیں مہمان نوازی کا شرف بخشا' جناب آقائے انصاریان' صاحب انتشارات انصاریان ہیں۔انہوں نے اپنا پہلا سوال ہی اسی موضوع پر کرتے ہوئے صریح الفاظ میں کہا کہ آپ مسلسل حج پر جارہے ہیں اور ۸۔۱۰ سال سے زیارات عتبات مقدسات کو نہیں گئے۔ان کا یہ سوال استفہامی نہیں بلکہ سوال انتقادی وتقریری تھا۔ہمارے مخالفین نے ہمارے خلاف ان کے ذہن کو بہت سی چیزوں سے بھرا ہوا ہوگا کیونکہ قم میں اطراف عالم سے تشریف لانے والوں کیلئے ان کی دکان ایک قسم کی زیارتگاہ ہے' جہاں شخصیات پر تبصرہ ہوتا ہے' یہ ایک قسم کی صدا وسیما ہے۔یقیناً ہمارے ہاں سے جانے والے بعض علمائے اعلام نے ان کے کان بھرے ہوں گے کہ فلانی اب دشمن اہل بیتؑ ہو چکا ہے جو ان کی احوال پرسی اور سوالات سے معلوم ہوتا تھا۔اس سلسلے میں انہوں نے وقتاً فوقتاً مختصر عرصے میں بہت سے سوالات کیے۔ جن لوگوں نے میرے اوپر مصاب ڈھائے' پابندیاں عادکیں' تہمتیں لگائیں انہوں نے نہ تو ان کی تردید کی اور نہ مذمت بلکہ وہ انہی کا دفاع کرتے رہے اور اس سلسلے میں خود کو حق بجانب بھی سمجھتے رہے لہٰذا اپنے اعتراضات کو بیک وقت سوالات کی صورت میں پیش کر کے ہماری مہمان نوازی سے بھرپور استفادہ فرماتے ہوئے ایک اور حملہ رخصتی کے وقت بقول ایران دندان شکن اور درس آموز فرمایا' یہ انتہائی اور آخری غصہ کی افراغ تھی۔تنقید کا ارادہ لے کر تشریف لائے تھے بڑھاس نکال کر چلے گئے۔

ہم چونکہ کسی کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتے۔اور کسی کو بھی گھما پھرا کر معما گوئی میں الجھانے کی سیرت نہیں رکھتے ہیں کیونکہ ہماری بات' ہمارا ایمان' ہمارا دین نص قرآنی:

﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ﴾ (یوسف:۸)

کے تحت صداقت گوئی اور صراحت گوئی پر مبنی ہے' لہٰذا ہم نے واضح الفاظ میں ان سے کہا؛ حج کے تمام ارکان وواجبات کے بارے میں آیات محکمات ہیں اور یہ جو کہتے ہیں عمر میں حج ایک دفعہ واجب ہے' اس کے بعد زیارات حج سے افضل ہے' یہ اپنی جگہ بے بنیاد ہے جو کسی آیات وروایت سے مستند نہیں۔اگر زیارت امام حسینؑ حج وعمرہ سے بہتر ہے اس روایت

کی سند درست کر کے دے دیں ہم حاضر ہیں۔ کہنے لگے؛ پھر تو کچھ بھی نہیں بچے گا۔

گویا ساتویں صدی کے سید ابن طاوؤس ان کی آخری حجت ہے، جنھیں نکالنے کے بعد ان کے پاس کچھ نہیں بچے گا! سند کا ذکر کرتے ہی وہ اندر سے خفا ہو گئے۔ عام طور پر جن لوگوں نے دین کو حلقہ مفقود بنا رکھا ہے وہ اسناد کو محدث قمی یا کفعمی یا زیادہ سے زیادہ سید ابن طاووس سے اوپر لے جانے کیلئے تیار نہیں کیونکہ ان کتابوں کی مندرجات ترسیل مرسلات ہے۔

ہم ان سمیت دیگر دوستوں یا مخالفین کو جواب دینے کیلئے اپنے گھر کو مناسب نہیں سمجھتے کیونکہ وہ لوگ دلیل نہ ہونے کی وجہ سے غصہ استعمال کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں؛ کیا یہی مہمان نوازی ہے۔ جس پر ہمیں شرمندہ ہونا پڑتا ہے اس کے علاوہ ہمیں دلیل دینے کیلئے وقت درکار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم ایسے سوالوں کے جواب کیلئے اپنی کتابوں کی کچھ صفحات مختص کرتے ہیں۔ تاہم اختصار پر اکتفا کریں گے، اس سلسلے میں ہم دو زوایے سے بحث کریں گے:

حج، چندین لحاظ سے امتیازات کا حامل ہے؛

۱۔ کعبہ، قبلہ اول مسلمین ہے۔

۲۔ یہاں آنے کی دعوت دینے والا اللہ ہے۔ دعوت لانے والا انبیاءؑ اولیاءؑ اوصیاءؑ آئمہ اور صلحاء ہیں۔ دعوت نامہ قرآن ہے۔

۳۔ حج بیت اللہ، تمام عبادات کا مخلوط اور معجون ہے۔

۴۔ حج، اپنے آغاز سے انجام تک عزت و رونق اور قدرت مسلمین کا مظہر ہے۔

۵۔ حج، جہاد مساکین ہے، جو میدان جہاد سے معذور ہیں۔

۶۔ حج، کے تمام اعمال اور ارکان تا واجبات و مستحبات، نص آیات محکمات اور سنت و سیرت نبی کریمؐ سے ثابت ہے۔

۷۔ یہاں نبی کریم کے بعد تمام اصحاب، آئمہ، مسلمان، مومن طول تاریخ میں آتے رہے ہیں۔

۸۔ حج، ضروریات اسلام و عامۃ المسلمین ہے اس کے ارکان، مکان اور زمان متفقہ علیہ، بلا اختلاف ہے۔

۹۔ ایام حج، میں نص قرآن کے تحت حاجی کی ہر قسم کی جانی و مالی عزت امن الٰہی میں ہے اور ہر قسم کے لاحق خطرات سے محفوظ ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ (آلعمران:۹۷)

۱۰۔ یہاں استطاعت رکھتے ہوئے نہ آنے والوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے بلکہ کفر سے نزدیک قرار دیا ہے۔

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ (آلعمران:۹۷)

۱۱۔ حج، جہاد بدنی، خلوص قلبی، انفاق مالی، ہجرت مکانی اور وابستگان سے دوری کا مظہر ہے۔اس لئے معاشرے میں مظلوم، مقہور و محصور افراد یہاں پہنچنے کی سعی کرتے ہیں تا کہ ان کی پریشانیاں دور ہوں لہٰذا اطراف و اکناف عالم سے بہت سے مومنین، علمائے اعلام ہر سال حج بیت اللہ سے مشرف ہوتے ہیں۔ ہمارے پاکستان سے بھی بہت سے مومنین اور علمائے اعلام مشرف ہوتے ہیں لیکن غیر معلوم وجوہات کے تحت صرف ہمارا حج ہی بہت سوں کی آنکھوں کا کانٹا بنا ہوا ہے۔اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی مختلف ذرائع سے حج کو بنیاد بنا کر ہمیں مطعون کر رہا ہے۔

اہمیت زیارات

۱۔ میں نے اللہ یا اسکے رسول کی طرف سے زیارت کیلئے کوئی دعوت، آیات قرآن، نہ سنت و سیرت رسول، حتی آئمہ طاہرین کی طرف سے بھی نہیں دیکھی۔

۲۔ وہاں پہنچنے کے بعد کوئی عمل نہیں۔

۳۔ زیارات کیلئے جو شرائط درکار ہیں وہ میسر نہیں ہے۔راستہ زیارت ہمارے لئے

مامون ومحفوظ نہیں۔

عتبات مقدسہ کی زیارات کے بارے میں کوئی حکم' قرآن' سنت پیغمبرؐ و سیرت آئمہ طاہرینؑ میں موجود ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اگر کوئی روایت ہے بھی تو وہ کامل الزیارات کی روایات ہیں۔ جس میں حاضری دینے والوں کیلئے اجر وثواب کا تذکرہ تو ہے لیکن وہاں پڑھنے والی زیارات کا کوئی ذکر نہیں۔ زیارت عتبات مقدسہ کیلئے آیات نہیں' اگر تسامح کریں تو مستند روایات دیکھانے کی بات کرتے ہیں لیکن یہاں کامل الزیارات کی مشکوک قصہ' کہانیاں اور افسانوں کے علاوہ کوئی اور اسناد نہیں ملتی نہ ہی کسی امام کا بقصد زیارت کسی جگہ کا سفر کرنے کی خبر' کسی معتمد و مستند روایت یا تاریخ سے ملتی ہے۔

زیارت جہاں تک آئمہ طاہرینؑ' امیر المومنینؑ' امام حسینؑ' امامان عسکرینؑ' امام رضاؑ کے روضات مطہرہ پر حاضری کی بات ہے تو یہ ذوات نمونہ قداست وطہارت' مجسم ایمان وعمل ہیں' وہاں پہنچ کر ہماری توجہ ان کی حیات طیبہ پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ اپنی جگہ معقولیت رکھتی ہے اور شریعت بھی اس کی اجازت دیتی ہے لیکن ان کے ساتھ دیگر امام زادوں اور جعلی قبور پر حاضری دینا' جھوٹ اور اکاذیب پر مشتمل ہے۔ پھر مرشد کی جعلی کہانیاں' ان قرمطی حرکات کی تائید کرنا' حوصلہ افزائی کرنا' ان زیارتوں کو قرآنی' محمدی اور حج آئمہ طاہرینؑ کے برابر گردانا ظلم و ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے؟ لیکن یہاں ہمارے فقیہ عالی قدر فرماتے ہیں؛ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حج میں اعمال ہے' طواف ہے' سعی وصفا و مروہ ہے' وقوف عرفات ومزدلفہ ہے' رمی جمرات' بیتوتہ منی اور قربانی ہے۔ بتائیں زیارات میں کیا ہے؟ اگر اعمال وزیارات ہیں بھی تو ان کے بارے میں دیکھنا پڑے گا۔

زیارات عتبات پر جانے کیلئے امن سفری بھی ضروری ہے' چنانچہ حج کیلئے بھی یہ شرط ہے۔ عتبات پر جانے کیلئے اس وقت امن سفری میسر نہیں کیونکہ اس وقت حوزات کے سربازان' امام زمان میرے خلاف طیش وغیض میں ہے۔ انہوں نے عقائد کو نصاب میں نہیں پڑھا ہے' انہیں استادوں نے دلیل کی جگہ مکہ دیا ہے۔ ہم مکہ' گالی اور تذلیل سے

زیادہ ڈرتے ہیں، جس کا ایک چھوٹا سا نمونہ تجربہ آقائے انصاریان نے دکھایا۔ انہوں نے ہمارے ادارے میں ایرانی مسئولین کے سامنے ہماری تذلیل فرمائی، جب ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ یہ حشر ہو تو وہاں ہم کتنی تذلیل کی توقعات کریں۔ میرے خیال میں وہاں تذلیل کے ساتھ مکہ بھی ملے گا۔

دوسری وجہ کاروانوں کا سلوک ہے۔ اس وقت ان کاروانوں کو قافلہ قرمطیان (جو ایک زمانے میں حجاج کو لوٹتے تھے) کہنا غلط نہیں ہوگا تاہم سفر حج میں مشقت اور جہاد مالی کا بھی دخل ہے جسے بادل نخواستہ اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن زیارت عتبات میں یہ حکم نہیں۔ یہاں صرف تقاضائے ولایت و محبت مزور کی حد تک ہے ورنہ ان کاروانوں کے ساتھ تعاون کرنا آیات قرآن کے تحت ناجائز ہے۔ یہ تعاون ظالمین ہے، یہ لوگ دوستدار نہیں بلکہ دشمنان اہل بیتؑ ہیں جو یہ زائرین پر دوضربت لگاتے ہیں۔ ایک ان کے عقیدہ کو مسخ کرتے ہیں دوسرا ان کا مال لوٹتے ہیں۔

یہ قرمطیان عصر، کاروان کے نام پر حجاج کو لوٹنے کے بعد زیارات پر جاتے ہیں۔ معلوم نہیں وہاں اہل بیتؑ و آئمہ طاہرینؑ کے علاوہ کتنے امامزادوں اور خودساختہ افسانہ قبور کی زیارات کرتے ہیں۔ پتہ نہیں چلتا کہ مولا کے غلام، مولا کے مہمانوں کی رہنمائی کر رہے ہیں یا قرامطہ گوسفندوں کو ذبح خانوں میں ذبح کرنے کیلئے لے جا رہا ہے۔

میں ایک سفر مستحب کیلئے بھیڑیوں کا گوسفند نہیں بننا چاہوں گا۔ چاہے یہ مصارف میری جیب سے خرچ ہوں یا کسی اور کی، مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کیونکہ انسان، عبید احسان ہونا چاہیے ورنہ ناقدر قرار پاتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ

﴿وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ﴾ (بقرہ:۲۷۷)

﴿وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ (نساء:۱۶۲)

﴿وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي﴾ (مائدہ:۱۲)

﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾ (اعراف:۱۵۶)

﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ﴾ (توبہ:۷۱)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ (مومنون:۴)

﴿وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ﴾ (روم:۳۹)

۵۔تقویٰ

﴿وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اتَّقَى﴾ (بقرہ:۱۸۹)

﴿وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آلعمران:۱۳۰،۲۰۰)

﴿فَاتَّقُوا اللهَ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون﴾ (مائدہ:۱۰۰)

۶۔توبہ

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (نور:۳۱)

۷۔اطاعت

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (نور:۵۱)

﴿وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (توبہ:۷۱)

﴿وَمَنْ يُطِعْ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللهَ وَيَتَّقِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (نور:۵۲)

﴿وَمَنْ يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ (احزاب:۳۱)

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آلعمران:۱۳۲)

﴿وَمَنْ يُطِعْ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (فتح:۱۷)

۸۔جہاد

انبیاء کی بعثت کی بنیاد شرک ومشرکین سے جہاد ہے۔قرآن کریم میں جہاد کی دعوت تکرار، کثرت، تاکید اور خاص عنایت کے ساتھ دی گئی ہے، تاکہ زمین ان کی لوث نجاست

سے پاک ہو جائے۔

﴿لا یَسْتَوِی الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ غَیْرُ أُوْلِی الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُونَ فِی سَبِیلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِینَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَی الْقَاعِدِینَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَی وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِینَ عَلَی الْقَاعِدِینَ أَجْرًا عَظِیمًا﴾ (نساء:۹۵)

﴿إِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَالَّذِینَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِی سَبِیلِ اللهِ أُوْلَئِكَ یَرْجُونَ رَحْمَةَ اللهِ﴾ (بقرہ:۲۱۸)

﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَ الْیَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِی سَبِیلِ اللهِ لَا یَسْتَوُونَ عِنْدَ اللهِ﴾ (توبہ:۱۹)

﴿وَجَاهَدُوا فِی سَبِیلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ﴾ (توبہ:۲۰)

﴿إِنَّ اللهَ اشْتَرَی مِنَ الْمُؤْمِنِینَ أَنفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُونَ فِی سَبِیلِ اللهِ فَیَقْتُلُونَ وَیُقْتَلُونَ﴾ (توبہ:۱۱۱)

﴿وَجَاهِدُوا فِی سَبِیلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (مائدہ:۳۵)

۹۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ یَدْعُونَ إِلَی الْخَیْرِ وَیَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آلعمران:۱۰۴)

﴿كُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (آلعمران:۱۱۰)

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللهِ﴾ (توبہ:۱۱۲)

﴿یَا بُنَیَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَ انْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ اصْبِرْ عَلَی مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ (لقمان:۱۷)

اس بارے میں نہج البلاغہ میں بھی آیا ہے:

"و الجهاد منها على اربع شعب على الامر بالمعروف و النهى عن المنكر فمن امر بالمعروف شد ظهور المؤمنين" (ک:۳۱)

"والامر بالمعروف مصلحة للعوام، والنهى عن المنكر ردعاً للسفهاء" (ک:۲۵۲، ۳۷۴)

"لا تتركوا الامر بالمعروف والنهى عن المنكر فيولىٰ عليكم شراركم" (ک:۴۸)

ولائے اجتماعی

ایمان بہ اصول سہ گانہ کا تقاضا یہ کہ انسان دوسرے انسانوں سے دوستانہ تعلقات اور روابط انہی اصولوں کی بنیاد پر رکھے یعنی دوستی صرف ایمان رکھنے والوں کے ساتھ مخصوص رکھے ورنہ بصورت دیگر دین کا یہ ستون جلد ہی منہدم اور زمین بوس ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے مقتدر اور استعمار گر حکومتیں، دیندار حکومتوں میں تعلقات اور روابط کے دفاتر کھولتی ہیں، نمائندہ رکھتی ہیں تا کہ روابط اور تعلقات کو ایمان کے جادہ سے نکال کر مفادات کے جادہ پر سوار کریں۔ قرآن کریم اور نبی کریمؐ کی سنت اس کی سرسخت مخالف ہے، گرچہ روشن خیال فقہاء اور علماء اس کو وسعت قلبی اور شرح صدر کا نشانہ فرماتے ہیں۔

﴿لاتَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللهَ وَرَسُولَهُ﴾ (مجادلہ:۲۲)

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّئُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ﴾ (حشر:۹)

﴿رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ (آلعمران:۱۹۳)

﴿وَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِءٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (طور:۲۱)

وسائل اجتماعی وسیاسی

انسان کو ایسے معاشرہ اور ماحول کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے جس میں اللہ کا قرب و رضایت حاصل کرنے میں مدد ملے اور جہاں انسان آسانی سے عبادت و بندگی کے فرائض انجام دے سکے۔ یہ وسائل ایک ایسا نظامِ حکومت قائم کرتے ہیں جس کا بنیادی ہدف' احکامِ الٰہی کا نفاذ واجراء کرنا اور معاشرے کو رنگ الٰہی میں تبدیل کرنا ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی سورہ انفال آیت ۶۰ میں' دشمنان اسلام کو اپنی جگہ مرعوب ومرحوب رکھنے کیلئے ہر قسم کی طاقت کو بروئے کار لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جنگوں میں فتح وکامیابی کا سہرا ہمیشہ قوم کے اجتماع اور وحدت نمائی پر ہوتا ہے' اسی سے جہاد میں کامرانی حاصل ہوتی ہے اور اسی سے اندرون خانہ فرائض وواجبات کو فروغ ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے سورہ مبارکہ حج کی آیت ۴۱ میں فرمایا ہے؛

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

۱۰۔ عدالت

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (مائدہ:۸)

۱۱۔ افعالِ خیر

﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (حج:۷۷)

۱۲۔ راہِ اللہ میں انفاق

﴿وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ﴾ (توبہ:۹۹)

﴿وَ آتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَ السَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَ الْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا

﴿وَ أُوْلَئِکَ هُمْ الْمُتَّقُونَ﴾ (بقرہ:۱۷۷)

۱۳۔ عفو

﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَی﴾ (بقرہ:۲۳۷)

۱۴۔ عملِ صالح

﴿عِنْدَنَا زُلْفَی إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُوْلَئِکَ لَهُمْ جَزَاءُ﴾ (سباء:۳۷)

مصدر خاصه توسل

☆ صحیفه سجادیهء	امام زین العابدینؑ
☆ سلوك عرفان	آیت اللّٰه جواد ملکی تبریزی
☆ شرح الصحیفه السجادیه	محمد باقر بن محمد شفیع الحسینی
☆ شرح دعای صباح	آقا نجفی قوچانی
☆ شرح دعای صباح	مصطفیٰ بن محمد هادی خوئی
☆ شرح دعاء الصباح	الحاج ملاهادی السبزواری
☆ انیس اللیل در شرح دعای کمیل	شیخ محمد رضا کلباسی
☆ سراج الصعود لیمعارج الشهود	محسن بینا
☆ فصوص الحکم	محی الدین ابن عربی
☆ نصوص الحکم برفصوص الحکم	آیت اللّٰه حسن زاده آملی
☆ شرح دعاء مکارم اخلاق	استاد محمدتقی فلسفیؒ
☆ شرح دعاء عرفه	ملامحمد فاضل خراسانی
☆ وصال العارفین شرح دعاء عرفه	احمد زمر و دیان
☆ شرح دعاء ندبه	__________
☆ شرح دعاء افتتاح	__________
☆ عشق و رستگاری	__________
☆ فی رحاب دعاء افتتاح	آیة اللّٰه فضل اللّٰه
☆ في رحاب دعاء کمیل	آیة اللّٰه فضل اللّٰه
☆ شرح زیارت جامعه	آیة اللّٰه احمدالاحسائی
☆ العرفان الاسلامی	آیة سیدمحمدتقی مدرسی
☆ معرفت شناسی درعرفان	سیدحسین ابراهیمان
☆ شرح دعاء جوشن کبیر	محمدعلی رامهر مز ی
☆ تازیانه سلوك از	آیت اللّٰه استاد حسن حسن زاده آملی
☆ نور علیٰ نور۔	آیت اللّٰه حسن حسن زاده آملی
☆ اسماء اللّٰه الحسنی	عبد اللّٰه بن صالح بن الغصن
☆ اسماء اللّٰه الحسنی	دکتور حسن عز الدین
☆ اسماء و صفات	شیخ عماد الدین احمد حیدر

☆ اسماء اللّٰه الحسنی	محمد بن ابی بکر الزرعی دمشقی
☆ شرح اسماء اللّٰه الحسنی	دکتورة حصة بن عبد العزیز الصغیر
☆ اللّٰه اسم الاعظم	دکتور عبد اللّٰه بن عمر الدمیجی
☆ القول الاسنی فی شرح اسماء اللّٰه الحسنی	مجدی منصور شوری
☆ مقجم اسماء اللّٰه الحسنی	سید احمد محسب مرسی
☆ کتاب الدعا	مصطفی عبد القادر عطا
☆ فلاح السائل و نجاح المسائل	السید ابن طاؤوس
☆ شرح الاسماء و شرح دعا الجوشن الکبیر	الحاج ملا هادی سبزواری
☆ کمیل محرم اسرار امام علیؑ	ناموس عرفان
☆ اسماء الهی ازدید گاه قرآن و عرفان	رضا رمضانی گیلانی
☆ اسماء اللّٰه الحسنی	عبد العظیم ابراهیم فرج
☆ معرفت شناسی در عرفان	سید حسین ابراهیمیان
☆ خواص الاسماء الحسنی و شرح معانیها	ضیاء الدین الاعلیمی
☆ فی رحاب اللّٰه اصواء اعلی دعاء کمیل	عز الدین بحر العلوم
☆ الدعاء عند اهل البیت	محمد مهدی الآصفی
☆ تصحیح الدعاء	بکر بن عبد اللّٰه بن ابو زید
☆ موسوعة له الاسماء الحسنی	الدکتور احمد الشرباصی
☆ اصول النظام اجتماعی فی السلام	الامام محمد الطاهر بن عاشور
☆ الاسلام بین العلماء والحکام	عبد العزیز البدری
☆ آئین وهابیت	آیت اللّٰه جعفر سبحانی
☆ نقد بر آئین وهابیت	آیت اللّٰه جعفر سبحانی
☆ توسل او الاستغاثه بالارواح المقدسه	آیت اللّٰه جعفر سبحانی
☆ الشرک و التوحید فی القرآن الکریم	آیت اللّٰه جعفر سبحانی
☆ مبانی التوحید فی القرآن الکریم	آیت اللّٰه جعفر سبحانی

اختتامیہ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ
اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ
رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۙ ﴿۳۴﴾

(سورہ مبارکہ فاطر)

اختتامیہ

﴿وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (صافات:۱۸۲)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (مومنون:۲۸)

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى أَاللَّهُ خَيْرٌ﴾ (نمل:۵۹)

کسی چیز کا اختتامیہ' مختوم بہ کے تناسب سے ہوتا ہے ۔ یہ ان حساس اور جان لیوا موضوعات کا اختتامیہ ہے جن کے منظر عام پر آنے کے بعد میری ذات کا بھی اختتام خارج از امکان نہیں کیونکہ بعض کے نزدیک ان موضوعات کا خاتمہ ان کے دین و مذہب کا خاتمہ ہے' جن کے بقول اگر یہ سب غلط ہو جائے تو کیا بچے گا۔

میرا اختتام کسی فرد' گروہ یا کسی ایک مخصوص فرقہ سے نہیں بلکہ تمام فرقے بشمولیت لادینی طاقتوں کے ہے کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کوئی نقطہ افہام و تفہیم باقی نہیں رہا۔ میرے اور محاصرین کے درمیان نقطہ تفاہم کا فقدان ہے۔ دنیا میں نقطہ تفاہم' تین نقاط کے گرد گھومتی ہے۔ فتواء' فقہاء' احادیث نبی کریم' قرآن کریم کی آیات مصدر ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے دو کے بھی مصادر و مآخذ ہیں۔ کسی بھی نقطہ پر اتفاق نہ ہونا محاصرے کے نہ ٹوٹنے کا سبب ہے۔ اس نقطہ کے فقدان سے محاصرہ ٹوٹنے کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی ہے۔

جہاں نقطہ افہام و تفہیم نہ ہو وہاں تشدد ناگزیر ہے ۔ تشدد فکری' اقتصادی' اجتماعی' ذہنی' فکری غرض ہر قسم کی ہو سکتی ہے۔ ہمارے ساتھ تشدد فکری' اجتماعی' اقتصادی کا سلسلہ عرصہ دس سال سے جاری ہے ملک میں بلا تفریق دین و مذہب' مسلم و کافر' ہندو ارمنی' فاسق و فاجر سب کیلئے بلیغ النظر' وسیع القلوب کے دعویداروں نے عرصہ دس سال سے نو (۹) نانخوار' گھرانے کے ذریعے معاش' لقمہ حیات پر بجرم نشر عقائد و افکار قرآن و محمدؐ و اہل بیتؑ حصار اجتماعی کے ساتھ اقتصادی بھی لگائی ہوئی ہے۔

نقطہ تفاہم کا پہلا التقاء فقہاء و مجتہدین کے فتاویٰ ہیں؛
ان کے فیصلے پر اترے تو تفاہم کا امکان ہوسکتا ہے لیکن یہاں اس کا بھی فقدان رہا ہے۔
میرے مخالفین، مجتہدین کو وہاں تک مانتے ہیں جہاں تک وہ انہیں مال و مقام اور دیگران کے مقابلے میں امتیاز اور فخر و غرور کی اجرک پہنائیں یا زیادہ سے زیادہ نماز، روزہ کی حد تک وہ مجتہدین کو مانتے ہیں۔ دیگر مسائل اجتماعی، اقتصادی و معاشرتی میں وہ خود مجتہد ہیں یا اپنے علاقہ کے روایات پر عمل کرتے ہیں۔

ہم ان سے کہتے تھے جن ذوات کے نام سے آپ نے اپنے لئے اتنی دولت و ثروت اور مقام بنایا ہے کبھی ان کے ارشادات پر بھی عمل کرلیا کریں تو کہتے ہیں: مجتہدین کا یہاں کے مسائل سے کیا تعلق؟ ان مسائل میں ہم خود مجتہد ہے، ہمیں کسی کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں بطور مثال حضرت آیت اللہ خامنہ ای نے آج سے دس بارہ سال پہلے اپنے خطاب میں دین میں شامل بہت سی خرافات کے ختم کرنے کا حکم جاری فرمایا۔ انہی میں سے ایک قمہ زنی اور زنجیر زنی کو حرام قرار دینا تھا، جس کی حوزہ علمیہ قم میں مقیم تمام مجتہدین سوائے خراسانی اور تبریزی کے سب نے تائید کی۔ ہم نے ان کا فتویٰ آتے ہی دیگر مراجع امثال آیت اللہ سید محسن امین، آیت اللہ سید محسن حکیم، ان کے فرزند عزیز شہید محمد باقر حکیم کی عزاداری میں رائج خرافات کے بارے میں فتاویٰ کو کتاب کی صورت میں چھپایا۔ جو میرے گلے کا پھندا ثابت ہوئی۔ جبکہ آقائے خامنہ ای کے نمائندہ کبیر حضرت آقائے بہاء الدین سلمہ اللہ تعالیٰ، قائد محترم علامہ نقوی، دیگر وکلاء وفدائیان رہبر معظم اور صاحب مصانع خرافات نے فرمایا کہ اگر اس فتویٰ کو نہیں روکا گیا تو یہاں خون خرابہ ہوجائے گا، اس فتوی کو یہاں روکا جائے۔ یہاں تک کہ ایرانی مسئولین سے اس فتویٰ کی تردید کرائی گئی۔ حد تو یہ ہے کہ آقائے بہاء الدین کبھی فرماتے تھے کہ یہ فتویٰ صرف ایران کیلئے ہے اور کبھی کہتے تھے کہ زنجیر زنی اس میں شامل نہیں۔

عزاداری امام حسین میں رائج اور روز افزون خرافات کو روکنے کے بارے میں ہمارے نوابغ و نامدار، فقہائے گزشتگان و حاضران سب نے ان سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے

لیکن نصیریوں اور قرمطیوں نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ عزاداری ہماری اصول دین میں شمار ہوتی ہے اور اصول دین میں تقلید نہیں ہوتی، ہم اس میں آزاد ہیں۔ اس میں عوام کو مقامی علماء کی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے چنانچہ ۱۴۲۸ھ کو بلتستان میں پرچمی میلہ کے کھیل کا افتتاح مقتدر علمائے اعلام نے ہی کیا تھا۔

سب وشتم صحابہ بالخصوص خلفاء دوم واول

بہت کم اصحاب ایسے ہوں گے جو لعن وسبّ سے محفوظ رہے ہوں۔ یہ اہل بیت اطہارؑ سے وابستہ افراد کے گلے میں پھنسنے والی ہڈی اور گردن میں پڑنے والا پھندا بن گیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ سب موالیان و دوستداران اہل بیتؑ کے کھاتے میں پڑتی ہیں کیونکہ ابھی تک کسی نے یہ فرق واضح نہیں کیا کہ شیعہ اور دوستدار اہل بیتؑ میں کیا فرق ہے کیونکہ شیعہ میں تمام فرق ضالہ نصیری، اسماعیلی، غالی، قرامطہ و جارودی سب شامل ہیں، جن سے اہل بیت اطہارؑ نے برائت کا اعلان کیا ہے۔

یہی چیز اہل تشیع پر کفر کے فتوی کا سبب بنے ہے۔ یہ کسی بھی مسلمان کو برداشت نہیں ہوگا سوائے نام نہاد مسلمان فرقہ غالی، نصیری، اسماعیلی، قرامطہ کے جو لوگ ۲۳ سال نبی کریمؐ کے خلوت وجلوت، حضر وسفر، جنگ وسلم میں ساتھ رہے ہوں انھیں بدترین اور قبیح ترین کلمات کا نشانہ بنائیں۔ ہم نے اس بارے میں بڑے بڑے فقہاء جیسے آیت اللہ محمد حسین کاشف الغطاء، آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ کے فتاوی کے مطابق سبّ خلفاء کو ناجائز لکھا اور مجمع جہانی اہل بیتؑ کے پہلے اجتماع میں آیت اللہ فضل اللہ کے خطاب "اتحاد اہل بیتؑ کی نظر میں" کا ترجمہ نشر کیا، لیکن ان کے نائبین جو خمینی رہبر ما کہتے پھرتے ہیں اور وحدت کی پرتعیش محافل ومراسم میں شرکت کے موقع پر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں وہ یہاں آکر سبّ وشتم کی مزید حوصلہ افزائی بلکہ اسے تازہ کرتے ہیں۔

سبّ وشتم کے مذموم اور ناپسندیدہ عمل ہونے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں اور سنت رسولؐ میں اس کی مذمت بھی آئی ہے۔ اس فعل کے مذموم ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ سبّ

کرنے والے بہ بانگ دہل کہتے ہیں: ہم سب نہیں کرتے۔ یہ باتیں یہاں کے بعض علماء و دانشمندان کے منہ سے سنی گئی ہیں لیکن کسی محقق و ترجمان مذہب کی برجستہ شخصیت سے نہیں سنی تھی۔ تعجب ہے کہ ایک بڑے نامور محقق، مصلح، عالم دین، عقائد میں خرافات کے شاکی صاحب تفسیر کاشف، شارح نہج البلاغہ، فی ظلال نہج البلاغہ، علم اصول فقہ کے استاد علامہ جواد مغنیہؒ اپنی کتاب عقلیات اسلامیہ جلد ۲ ص ۴۷۷ پر لکھتے ہیں: امام رضاؑ سے منقول ہے:

ہمارے مخالفین نے ہمارے فضائل میں کچھ اخبار فضائل کے نام سے وضع کیا ہے جو تین قسم کے ہیں؛

۱۔ غلو پر مشتمل ہے۔

۲۔ ہمارے حق میں تقصیر ہے۔

۳۔ دوسروں کی برائیوں کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے انعام آیت ۱۰۸ میں منع کیا ہے۔

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم سب اصحاب کرتے ہیں۔ یہ ہمارے اوپر تہمت و افتراء ہے، ہمارے آئمہ نے فرمایا کہ سبّ شتم نہ کرو، تو ہم کیسے سبّ و شتم کر سکتے ہیں۔

افسوس و حیرت ہے کہ اتنے جہان دیدہ، مجلّات صحف پڑھنے والا عالم دین کیسے کہہ سکتا ہے کہ شیعہ سبّ نہیں کرتے؟ اگر آپ زندہ ہوتے (اللہ آپ کی مغفرت کرے) تو ہم یہاں آپ کو مجالس غضنفر تونسوی، اسماعیل دیوبندی، قاضی علوی سناتے تاکہ آپ کے بھی معلوم ہو جائے کہ شیعہ سبّ کرتے ہیں یا نہیں۔

سبّ و شتم کی مذمت کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ جنگ صفین میں امیر المومنین علیؑ نے اپنے اصحاب میں سے بعض کو معاویہ پر سبّ کرتے ہوئے سن کر فرمایا:

"انی اکرہ لکم ان تکونوا سبّابین ولکنکم لو وصفتم اعمالھم و ذکرتم حالھم کان اصوب فی القول وابلغ فی الغدر ،وقلتم مکان سبّکم وایاھم؛ اللھمّ احقن دمائنا ودماء ھم واصلح ذات بیننا وبینھم،واھدھم من ضلالتھم حتی یعرف الحق من جھلہ و یرعوی عن لغی والعدوان من لھج بہ"

(خطبہ:۲۰۴)

جب علیؑ، معاویہ کو سبّ کرنے پر راضی نہیں تو اس سے کہیں درجہ افضل ہستیوں پر سبّ کرنے پر کیسے راضی ہو سکتے ہیں۔ کسی بھی امامؑ اول سے آخر تک نے بھی ان کو سب نہیں کیا۔ امام حسینؑ نے جب یزید کے خلاف قیام کیا لیکن آپ نے کبھی بھی ان خلفاء کو تند و تیز لہجے کا نشانہ نہیں بنایا کہ ان کی وجہ سے ہمارے ساتھ اس طرح سے ہوا۔

لیکن یہاں فرقوں کا کہنا ہے: 'سبّ خلفا' ہماری فروع دین کا حصہ ہے اور ہم کسی مصلحت کی خاطر دین نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر یہی دیکھیے تو عبا پوش حضرات اس کا اعلان کیوں نہیں کرتے' کیوں تقیہ کرتے ہیں۔ یہاں فقہاء و مجتہدین کا نام صرف ایک سپر ہے جو عندالحاجہ اٹھایا جاتا ہے ورنہ یہ لوگ کسی بھی قسم کے فتویٰ' قرآن یا حدیث کے پابند نہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو یہاں مدعی ولایت فقیہ بنتے ہیں لیکن حرمین شریفین میں حاجیوں کو ان کی اقتداء میں نماز جماعت سے روکتے اور تشکیک پھیلاتے ہیں اور خود بھی نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں حالانکہ امام خمینی اور رہبر معظم کی اصرار کے ساتھ تاکید ہے کہ یہاں نماز جماعت میں شرکت میں مواظبت کریں۔

اگر ان سے سوال کریں کہ کسی چیز کو اصول دین یا فروع دین میں شامل کرنے کیلئے قرآن وسنت نبیؐ سے سند کی ضرورت ہے یا یہاں مصلحت فرقہ یا تشخیص مصلحت کرنے والوں کی تشخیص کافی ہے۔ تو جواب دیتے ہیں: ہر چیز دلیل سے نہیں ہوتی۔ جب کسی چیز کی دلیل نہیں ہوتی تو ادھر دلیل کا بدل تشدد ہوتا ہے۔

تشدد کی تمہید سبّ وشتم ہوتی ہے۔ سبّ وشتم جھوٹ' تہمت' گالی' لعن وغیرہ کو کہتے ہیں' طاقت' لاٹھی اور گولی کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں باطل ہو۔ یہ چیزیں آسانی سے مشاہدہ کی جاسکتی ہیں۔ اسلام ہر قسم کی طاقت وقدرت' جھوٹ' افتراء' تہمت' دھوکا' گالی اور مار پیٹ حتیٰ عیب جوئی تک سے گریز کرنے کا حکم دیتا ہے لہٰذا دین میں ہر قسم کی جبر' اکراہ' تشدد کو مکرر کثیر آیات میں مسترد کیا گیا ہے۔

قرآن کریم ہمیں اللہ سے لے کر ادنیٰ بندہ تک کے ساتھ گفتگو' افہام وتفہیم اور دلیل سے کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ جب بندہ کو حکم صادر فرماتا ہے تو اس کی دلیل بھی دیتا ہے۔ جب

بندہ اللہ کے مقابلے میں بت کو معبود قرار دیتا ہے تو اللہ اس سے دلیل کا مطالبہ کرتا ہے۔

قرآن کے بعد نبی کریمؐ، سیرت آئمہ طاہرینؑ، اصحاب کرام اور علمائے اعلام سب نے اپنے مدعی دلائل کے ساتھ پیش کیا اور اس کے مقابلے میں لوگوں سے دلیل کا مطالبہ کیا۔ آئمہ طاہرینؑ نے یہاں تک فرمایا: اگر ہم کوئی حکم تمہیں دیں تو اس کے بارے میں ہم سے دلیل طلب کرو۔

حق و باطل کے مختلف اسلحے

حق کا اسلحہ دلیل و برہان اور باطل کا اسلحہ جھوٹ، تہمت، افتراء، گالی اور گولی ہے۔

حق، ثابت کو کہتے ہیں۔ کائنات میں حق کہلانے کی مستحق صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ ہر وہ چیز جو اس ذات سے صادر ہوا ہے وہی حق ہے۔ حق وجود ہے، باطل عدم ہے۔ جو چیز حق سے ملتی ہے وہ ثابت ہے جو چیز ثابت ہے وہی حق ہے۔ جو چیز باطل ہے وہ عدم ہے۔

مدعی ثابت کرنے کی دلیل ہر ایک کی مختلف ہوتی ہے۔ حق، اپنے مدعی کو ثابت کرنے کیلئے فطرت انسانی، عقل عقلائی اور اسکے بعد آیات قرآنی سے استناد کرتا ہے۔ حق استدلال پر قائم ہے لہٰذا اصحابان حق ہمیشہ دلیل پیش کرتے ہیں اور دوسروں سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم کی اکثر آیات کریمہ میں اللہ نے لوگوں کو اپنی حقانیت کے دلائل دیئے ہیں اور لوگوں سے ان کے مدعی پر دلیل کا مطالبہ کیا ہے۔ باطل چونکہ دلیل نہیں رکھتا لہٰذا وہ خود کو منوانے کیلئے طاقت، قدرت، تشدد اور جھوٹ استعمال کرتا ہے۔

حق و باطل کی شناخت اس حوالے سے واضح و روشن ہے کہ جہاں دلیل پیش کی جائے اور دلیل کا مطالبہ کیا جائے حق وہیں ہے۔

دوسرا نقطہ تفاہم سنت رسولؐ ہے۔ لیکن کونسی سنت رسولؐ اس کا تعین ضروری ہے۔

آیا یہ وہ سنت ہے جس کا شیعوں نے روایت صحابہ سے بچنے کیلئے رواۃ غالیوں کے ذریعے انبار لگایا ہے۔ جسے کلینی نے کافی میں سولہ ہزار سے زائد تعداد میں جمع کیا ہے اور ان کی بھولی ہوئی حدیثوں میں سے پانچ ہزار حدیثیں صدوق نے اپنی من لا یحضر الفقیہ میں جمع

کی' ان کے بعد طوسی نے انہی چھوڑی ہوئی حدیثوں سے دو کتابیں تالیف کی۔ گیارہویں صدی میں مجلسی نے بقول بعض' حسن نیت کے ساتھ سچ جھوٹ کو یکجا اور شناخت کو غیر معقول کر کے اہل بیتؑ کے ماننے والوں پر گراں احسان کیا۔ کاش! یہ سلسلہ یہیں رک جاتا لیکن رکا نہیں۔ اس کے بعد ان کے شاگرد بر جستہ نے عوالم ترتیب دی' عوالم کے شکم میں گنجائش دیکھتے ہوئے ابطحی نے اس میں نئی احادیث شامل کی۔ اس کے بعد وسائل الشیعہ نے ان سب کی بچی ہوئی سے بیس جلد پر مشتمل وسائل الشیعہ ترتیب دی۔ ان کے بعد محدث نوری نے بھی اس پر بیس جلد احادیث ترتیب دے کر شیعوں کو قائلین تحریف قرآن کی صف مقدم میں کھڑا کر کے سر نیچا کر دیا۔ اتنی احادیث کی یکے بعد دیگر اضافے پر بھی انھیں شرم وحیاء نہیں آتی اور تحقیق کرنے والے کو یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ کہیں تم پرویزی تو نہیں۔

یا پھر سنت رسول کو توسیع دے کر تمام اصحاب کی سنت کو بھی مصدر و مآخذ قرار دینے والی احادیث جن کا مجموعہ' تیسری صدی میں سات لاکھ تک پہنچ گیا تھا۔ جس میں سے کاٹ چھانٹ کر کے بخاری نے صحیح ترتیب دی اور باقی تمام کو غیر مستند قرار دیا لیکن یہاں بھی بعد میں کتابیں تصنیف کرنے والوں نے انہی غیر مستند احادیث کو صحیح قرار دے کر جمع کیا۔

غرض حدیث سازوں نے قرآن پر انہی روایات کو حاکمیت دی ہوئی ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ دعویٰ کہ کونسی حدیث صحیح' کونسی صحیح نہیں' کونسی مقبول' کونسی مردود ہے' یہ سب سیلاب حدیث میں بہہ جائے گا۔ انہوں نے پہلے مرحلے پر لاکھوں کی تعداد میں احادیث وضع کر کے اس کا انبار لگایا پھر ان احادیث کو سلف صالح اور متقدمین سے آگے لے جانے پر پابندی لگائی۔ انکا کہنا ہے کہ ان احادیث کا اُن کی کتابوں میں ملنا یا ان کی توثیق و تائید کرنا ہی کافی ہے' دین ہم نے انہی سے لیا ہے' اگر ان کو رد کر دیں گے تو کوئی چیز بھی نہیں بچے گی۔

درحقیقت شیعہ' سنی کو نہ تو اہل بیتؑ سے واسطہ ہے اور نہ اصحاب سے۔ یہ لوگ قرآن کو پیچھے چھوڑنے کیلئے چوتھی' پانچویں صدی کی وضع کردہ احادیث کے مجامع کی حاکمیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جو اس مقولہ کا مصداق ہے کہ جھوٹ اتنا بولو کہ خود جھوٹ بولنے والے کو شک ہو جائے اور وہ تمیز نہ کر سکے۔ انہوں نے حدیث کا انبار لگا کر قرآن اور محمدؐ کو پیچھے چھوڑا ہے

اور قرآن و محمدؐ اور امت کے درمیان حدیثوں کی سدود بنائی ہیں۔ جھوٹی احادیث کی کثرت کے بعد انھیں محسوس ہونے لگا کہ اب اتنی جھوٹی احادیث کو کیسے چھپایا جائے‘ یہاں سے وہ مقولہ صادق آتا ہے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کیلئے دس جھوٹ اور بولنے پڑتے ہیں۔

اب یہ جھوٹے لوگ خود درک کرنے لگے ہیں کہ ایک شخص سے اتنی بے تحاشا منسوب احادیث لوگ کیسے برداشت کریں گے کہ انھیں اتنی احادیث کیسے حفظ ہوئی۔ ادھر انھیں ایک اور جھوٹ بنانا پڑا کہ پیغمبرؐ نے ابو ہریرہ کے حق میں دعا فرمائی تھی یا عبداللہ بن عمر کے حق میں دعا فرمائی تھی۔ پیغمبرؐ نے یہ دعائیں علیؑ‘ زہراؑ‘ ابن عباس‘ عمر بن خطاب‘ ابا بکر کے حق میں کیوں نہیں فرمائی‘ اپنے چچا کے حق میں نہیں فرمائیں۔

بہر حال حدیث سازوں کا امت اسلامی پر بہت احسانات جو اعداد و شمار سے باہر ہیں‘ ہم یہاں بطور خلاصہ ان کے اہم ترین احسانات میں سے تین احسانات‘ ان کی حوصلہ افزائی کیلئے ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ عقل اور قرآن کی ہدایات کے برخلاف رو رو کر روزی مانگنے والی توسل‘ جو ہمیں دیگر اقوام سے ممتاز کرتی ہے۔

۲۔ دین اللہ‘ دین محمدؐ‘ اسلام عزیز کو ہمیشہ کیلئے ناقابل عمل اور متنازع دین پیش کرنے میں ان کا بہت کردار رہا ہے۔

۳۔ امت اسلامی کو تتر بتر کر کے فتنہ عداوت و بغضاء مصداق ان آیات کریمہ کے قیام قیامت تک مبتلا کیا ہے۔

﴿قَدْ بَدَتْ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ﴾ (آلعمران:۱۱۸)

﴿وَ أَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ (مائدہ:۶۴)

حدیث سازوں کا قرآن کو گرانے پر اصرار

یہاں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام حق ہے اور فرقے باطل۔ فرقوں کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ فرقے تمام جہنمی‘ ایک ناجی ہے یا تمام ناجی ہیں بلکہ جو جتنا اصول عقائد

اور فروعات مسلمہ سے وابستہ ہے اتنا حق پر ہے، باقی اسی تناسب سے باطل ہے۔

فرقوں کی توجہ قرآن کریم سے برائے ارتباط ہے جبکہ ان کی تمام تر وابستگی احادیث سے ہے۔ اُن کا سارا سرمایہ احادیث مخلوط از صدق و کذب ہے۔ بچی کچی کسر شخصیات مخدوش مظنون و مشکوک پوری کرتی ہیں۔ باقی کام تشدد، تہمت اور افتراء کر دیتا ہے۔ اسی لئے آپ فرقوں کی کسی بھی شق کو اٹھائیں تو غم و غصہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو جائے گا، آنکھوں غصے سے سرخ ہو جاتی ہیں اور زبان میں طیش آجاتی ہے۔ کہتے ہیں؛ اس پر بات نہیں ہوگی، یہ ہماری مسلمات ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرقے بلا استثناء، راہ باطل پر گامزن ہے۔

فرقہ کوئی بھی ہو، دلیل و برہان سے خالی و عاری ہونے کی وجہ سے گالی، تہمت، افتراء اور تشدد کے راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنی صحت پر دلیل و برہان دینے سے قاصر ہیں بلکہ وہ فریق مخالف کے دلائل سننے سے بھی خوفزدہ رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ منطق اسلام سے دور، منطق مشرکین پر گامزن ہیں، جس طرح اس وقت کے مشرکین قرآن سے خوفزدہ رہتے اور اپنے لوگوں کو کہتے تھے:

﴿وَ قَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَ فِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ﴾ (فصلت:۵)

﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ (بقرہ:۸۸)

﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (نساء:۱۵۵)

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (فصلت:۲۶)

جہاں ان کی تبلیغات، تہمت، افتراء کارآمد نہیں ہوئیں وہاں وہ تشدد پر اتر آئے کبھی ساحر اور کبھی شاعر کہتے۔ جب یہ عمل کارآمد نہیں ہوا تو انھوں نے اجتماعی واقتصادی بائیکاٹ کے راستہ کو اپنایا جب یہ بھی کارآمد نہیں ہوا تو انھوں نے گھروں پر حملے شروع کر دیئے یہ طریقہ انھوں نے مکہ میں اپنایا۔ مدینہ میں ڈاکہ ڈالنے کی راہ کو اپنایا۔ آج اسی راہ پر فرقے گامزن ہیں۔

فرقوں نے قرآن و محمدؐ کو پیچھے چھوڑنے کیلئے احادیث کا انبار لگایا ہے۔ اگر ان احادیث کو تسلیم کریں تو نہ محمدؐ باقی رہتا ہے نہ قرآن محمدؐ۔ یہ جعلی حدیثیں دشمنان اسلام، مستشرقین کی دلی خواہشات پوری کرتی ہیں۔ انہی احادیث کو بنیاد بنا کر یہ لوگ بار بار پیغمبرؐ اور قرآن کی اہانت و جسارت کرتے ہیں اور اسی لئے انہوں نے ان احادیث کی تحقیقات پر پہرا بٹھایا ہوا ہے، ان پہرہ داروں کے نام یہ ہیں:

- مروی از اصحاب
- مروی از سلف صالح
- تواتر معنوی

سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد، اوزاعی، ابن المبارک، بخاری و مسلم وغیرہ۔ ان سے آگے تحقیق رک جاتی ہے۔ یہ قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے:

﴿بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ﴾ (زخرف:۲۳)

یعنی یہاں سے آگے تحقیق مت کرو ہم نے دین یہیں سے لیا ہے۔ جھوٹے انسان کو بولنے دو اس سے اس کے برے عزائم کا پتہ چلتا ہے مثلاً کہتے ہیں: ہم نے دین انہی سے لیا ہے۔ اس میں دو بڑے جھوٹ ہیں:

۱۔ وہ منکر رسالت محمدؐ ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دین انہی سے لیا ہے۔ وہ تو ان کیلئے مقدس ہیں لیکن محمدؐ ان کیلئے مقدس نہیں ہیں کیونکہ دین انھوں نے وہاں سے لیا ہے۔

۲۔ انھوں نے دین ان سے بھی نہیں لیا بلکہ ہزار سال بعد آنے والوں سے لیا ہے، جب یہ لوگ تین سو سال کا فاصلہ ہونے کی وجہ سے محمدؐ سے نہ لے سکے تو ان کے اور سلف کے درمیان ایک ہزار سال فاصلہ ہے۔ انہوں نے کیسے لیا ہے۔

ان باتوں سے ان کا مقصد یہ ہے:

۱۔ قرآن کریم اور محمدؐ ختمی مرتبت کو کسی بھی حیلہ و بہانہ، تعلیل، توجیہ کے ذریعے پیچھے کیا جائے۔ اُن کا نام نہ آنے دیا جائے۔

۲۔ فرقہ باطنیہ' بغیضہ' شغبیہ کے تمام منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچیں اور انہیں عملی جامہ پہنایا جائے۔

یہ تبصرہ فرقہ پرستوں پر ناگوار گزرے گا لیکن چشم حقیقت بین' لسان صدق رکھنے والوں کیلئے یہ روز روشن اور آفتاب نصف النہار کی مانند روشن ہے۔

فرقے اپنی رہن سہن' نشست و برخاست' جذبات واحساسات میں کس چیز کا زیادہ ذکر کرتے ہیں؟ کس کی یاد زیادہ مناتے ہیں؟ کس کی تعلیمات کو فروغ دینے کی بات کرتے ہیں؟

اہل تشیع کہتے ہیں: تعلیمات آل محمدؐ' تعلیمات اہل بیتؑ پر چل کر سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں۔ یہاں تعلیمات قرآن اور محمدؐ کا ذکر نہیں حالانکہ تعلیمات' قرآن کی ہے' تعلیم دینے والا محمدؐ ہے۔ کہتے ہیں اہل بیتؑ کی تعلیمات' محمدؐ کی تعلیمات ہیں۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ تعلیمات قرآن کی ہوں' معلم محمدؐ ہو اور نام آل کا لیں۔ یہ کہاں کی منطق ہے۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آل محمدؐ یا اہل بیتؑ سے ہماری مراد علیؑ' حسنینؑ' زہرا مرضیہؑ نہیں بلکہ میمون قداح کے اہل بیت ہیں کیونکہ ان کی حرکات علیؑ اور حسنینؑ سے نہیں بنتی۔

کبھی کہا جاتا ہے: صوفیوں کی تعلیمات پر چل کے سعادت دارین حاصل کر سکتے ہیں' صوفیوں کا پیغام' محبت کا پیغام ہے۔

کیا قرآن و محمد کی تعلیمات و پیغام میں سعادت دارین نہیں؟ کیا اللہ اور اس کے نبیؐ نے مسلمانوں کو آپس میں محبت رکھنے کا پیغام نہیں دیا؟ انھیں اللہ اور قرآن کا پیغام پسند نہیں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے پیغام میں شرک و کفر سے آمیزش ممکن نہیں جبکہ صوفی اسکی اجازت دیتا ہے کہ مسلمان' کافروں سے بھی محبت کریں۔ یہی پیغام باطنیہ ہے۔

ہم اصحاب' مہاجرین' انصار اور حیات دعوت اسلامی میں پیغمبرؐ کے سفر و حضر کے ساتھیوں پر کسی قسم کی نقطہ چینی نہیں کرتے' نہ ہی اُن سے نفرت و کراہت رکھتے ہیں۔ لیکن حق ہر چیز سے بالا ہے۔ یہ اصول ہمیں قرآن و سنت رسولؐ سے ملا ہے جس سے کچھ بھی مافوق نہیں۔ یہ بھی' ہم جیسے انسان ہی تھے۔ رسولؐ کی طرح معصوم از خطا و لغزش نہیں تھے۔ رسولؐ کی خطا و

لغزش کی اللہ نے ضمانت دی ہے۔ اللہ نے اصحاب رسولؐ یا امت رسولؐ کی خطا ولغزش کی ضمانت نہیں دی ہے۔

اس حقیقت کے تناظر میں سنت رسول پر گزرنے والی نشیب وفراز، افراط وتفریط، اتراؤ چڑھاؤ کو قرآن وسنت کے ترازو سے تولنا ہمارا دینی اور اسلامی فریضہ ہے۔ خاص کر جہاں احادیث، تضاد وتناقض کا موجب بنتی ہوں۔

ہم اس سلسلے میں پہلے حدیث سازوں کے ابلیسی فریب سے پردہ ہٹائیں گے کہ انہوں نے کس نیرنگ سے حدیث سازی کا شور چھوڑا ہے۔ اس بارے میں امت کے موقف کو حدیث تولنے کی ترازو سے تولیں گے؛

حدیث ساز، عدم تدوین حدیث کا غوغا، فریاد وفغان کرتے ہوئے کہتے ہیں پیغمبر اسلامؐ یا خلفاء نے حدیث لکھنے سے منع کیا تھا جس کی وجہ سے امت بہت سی احادیث سے محروم ہوگئی ہے۔

ہم اس مدعی کو سامنے رکھتے ہوئے اسے دوسرے مدعی سے جوڑ کر تولیں گے جس کے مطابق برجستہ ترین اصحاب سے غیر معقول وغیر مناسب تعداد میں احادیث منسوب کیا گئی ہیں، یہاں تک کہ وہ مکثرین حدیث کے نام سے معروف ہوگئے ہیں، ان شخصیات میں سے ایک ابو ہریرہ ہیں جن سے مروی احادیث کی تعداد، چاروں خلفاء سے مروی احادیث کی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی احادیث، پیغمبرؐ یا خلفاء کی ممانعت کے باوجود کیسے نقل ہوئیں؟ یہاں چند صورتیں بنتی ہیں؛

۱۔ نبی کریمؐ یا خلفاء کی طرف سے ممانعت تدوین حدیث بے بنیاد اور جھوٹ ہے۔ اگر ممانعت صحیح ہے تو ان ذوات کی جانب سے منقول احادیث جھوٹ ہیں۔ اگر یہ کہیں کہ لوگوں نے نبیؐ یا خلفاء کے منع کرنے کے باوجود اتنی احادیث نقل کی ہے تو کیا یہ نبی کریمؐ یا خلیفہ وقت سے بغاوت نہیں۔

۲۔ حدیث رسولؐ میں اصحاب اور اہل بیتؑ کو شامل کرکے توسیع دی جاتی ہے، اصحاب واہل بیتؑ چونکہ نبی کریمؐ کے حضر وسفر میں ساتھ رہے، ہولناک، جان لیوا جنگوں

میں شانہ بہ شانہ رہے ہیں، ان سے کذب وافتراء یا اپنی آخرت کو برباد کرنے والا عمل سرانجام دینا ناممکن ہے۔ لہٰذا انھیں عدول تسلیم کریں اور ان سے مروی احادیث کو احادیث صحیحہ قرار دیں چونکہ انہوں نے مستقل رسول اللہؐ سے نقل کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے لیکن سنت نبیؐ کے ساتھ اصحاب اور اہل بیتؑ کی سنت و سیرت کو بھی حجت گرادننے کی کوئی دلیل عقل، قرآن اور سنت سے نہیں بنتی۔

قرآن کریم میں تنہا نبیؐ کی خطا ولغزش سے محفوظ رہنے کی ضمانت دی گئی ہے۔ اصحاب اور اہل بیتؑ بھی خطا ولغزش سے محفوظ ہیں اس کی ضمانت اللہ نے نہیں دی، رسول بھی یہ ضمانت ازخود نہیں دے سکتا اور نہ ہی رسول کی ضمانت کافی ہے کیونکہ رسولؐ کو تکوینیات میں حق نہیں ہے۔

برفرض یہ ذوات خطا ولغزش سے پاک بھی ہو تو بھی ان کا قول کے حجت ہونے کی کوئی دلیل نہیں بنتی چونکہ قرآن کریم کی سورہ نساء آیت ۱۶۵

﴿رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾

اور امیر المومنینؑ کے ان جملات میں حجت، تنہا نبی کریمؐ کو گردانا گیا ہے۔

"حتی تمت بنبینامحمدحجة و بلغ المقطع عذره و نذره" "یہاں تک کہ ہمارے نبیؐ کے ذریعہ وہ حجت تمام ہوگئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرا دیا جانا اپنے نقطہ اختتام کو پہنچ گیا۔" (خطبہ:۹۱)

" ارسله علی حین فترة من الرسل، وتنا زع من الالسن، فقفی به اللرسل، وختم به الوحی" "اللہ نے آپ کو اس وقت بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور لوگوں میں جتنے منہ تھے اتنی باتیں تھیں، چنانچہ آپ کو سب رسولوں سے آخر میں بھیجا اور آپ کے ذریعہ سے وحی کا سلسلہ ختم کیا۔" (خطبہ:۱۳۳)

"بابی و انت و امی یا رسول الله! لقد انقطع بموتک ما لم ینقطع بموت غیرک من النبوة والانباء واخبار السماء" "یارسول اللہؐ! میرے ماں باپ

آپؐ پر قربان ہوں۔ آپ کے رحلت فرمانے سے نبوت' خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ قطع ہو گیا جو کسی اور کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا" (خطبہ:۲۳۵)

۳۔ اصحاب کی احادیث پیغمبرؐ سے وصل کی وجہ سے درست ہوں گی لیکن تابعین کی احادیث بھی حجت ہوں اس کی کیا منطق ہے؟ اگر قرآن نے تابعین صالحین کی تعریف کی بھی ہے تو تمام کی نہیں کی اور ان کی خطاء ولغزش سے پاک ہونے کی ضمانت بھی نہیں دی۔

۴۔ سلسلہ تقدیس' تعصیم اصحاب اگر یہیں رُک جاتا تو دل اتنی وسیع وعریض نہیں ہوتا لیکن یہاں اصحاب کو پہلے تابعین اور پھر سلف صالحین تک کھینچا گیا ہے کوئی ان کی احادیث پر بھی نقد وانتقاد' زیادہ سوال واستفسار' تحقیقات کے ترازو میں نہیں تول سکتا۔ سلف صالحین کی فہرست لمبی ہے۔

صاحب موسوعہ المیسرہ ص۱۰۷۲ پر نقل کرتے ہیں: سلف سے مراد اصحاب' تابعین' ان کے بعد آنے والے آئمہ اربعہ' سفیان ثوری' سفیان بن عیینہ' لیث بن سعد' اوزاعی' عبداللہ بن مبارک' بخاری' مسلم وصاحبان صحاح ستہ' ابن تیمیہ' ابن قیم' محمد بن عبدالوہاب اور ہر وہ شخص جو ان کی سیرت پر چلا ہے۔

اسی طرح کلینی' صدوق' بابویہ' ابن قولہ' طوسی' مجلسی' حر عاملی غرض ایک سو سال پہلے تک جتنے بھی علماء گزرے ہیں سب درجہ عصمت یا پھر اس کے نزدیک فائز ہیں۔ بدقسمت' متنازع شخصیات وہی علماء ہیں جو عصر حاضر میں موجود ہیں اور جن کیلئے ان سلف کے اقوال کے متعلق تحقیق کرنا شجرہ منہیہ ہے۔ علمائے اعلام اور فقہاء کے آپس میں فکر ونظر' مقیاس ومعیار سلوک میں شدت سے اختلاف پایا جاتا ہے جو نہج البلاغہ میں امیر المومنین کے خطبہ ۱۸ کے مصداق جلی ہے لیکن یہ پھر بھی کہتے ہیں؛

﴿بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ﴾

۵۔ حجیت مرسلات؛ ان ذوات سے مروی روایات متصل بہ رسول بھی حجت ہیں۔

۶۔ یہ قول ان خلفاء کرام کے ابتدائی خطبات کے بھی منافی ہے' جہاں وہ کہتے ہیں کہ

ہم تو تم جیسے بشر ہیں، اگر ہم صحیح بات کریں تو ہماری اتباع کرو، یہ اتباع حق ہے، اگر ہم غلط بات کریں تو ہماری اصلاح کرو۔

خلفاء کہتے ہیں کہ وہ غلطی کر سکتے ہیں جبکہ ان کے معتقدین کہتے ہیں کہ وہ غلطی نہیں کر سکتے۔ معتقدین ادیب لکھنوی ہے اور اصحاب عربی خالص۔

۷۔ احادیث نبیؐ کے ترجمے کو بھی حدیث کا درجہ حاصل ہے۔ قرآن کی حد تک توصیح ہے کہ اسکے تمام الفاظ وکلمات وحی ہیں اور اس بارے میں آیت بھی موجود ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا؛ میں اپنی طرف سے تبدیلی نہیں کر سکتا (یونس:۱۰) (حاقہ:۴۴) میں تابع وحی ہوں (انعام:۵۰)۔ قرآن نے جو جن و بشر کو تحدی کی ہے، اس میں رسول اللہؐ بھی بشر ہونے کے ناطے شامل ہیں۔ پیغمبرؐ از خود کوئی کلمہ وضع نہیں کر سکتے۔ نبی کریمؐ کے اقوال میں معانی اللہ کے اور الفاظ رسولؐ کے ہیں لہٰذا قول رسولؐ حجت ہے۔ لیکن اس کا ترجمہ، رسول کا قول نہیں بلکہ یہ مترجم کا قول ہے کیونکہ الفاظ کے لحاظ سے بھی آپؐ دیگران سے زیادہ افصح ہیں جہاں آپؐ فرماتے ہیں: "انا افصح من نطق بذات" لہٰذا ترجمہ قول ناقص ہے۔

۸۔ جن اقوال نبیؐ کو اصحاب وتابعین نے الفاظ کے قالب میں ڈھالا ہے وہ بھی حجت ہیں۔ اس فتویٰ کے تناظر میں قول رسول، پیغمبرؐ کے دور کے کلام شعراء سے بھی نیچے گر گئی ہے کیونکہ علماء نحوی نے شعراء اسلام کے اشعار کو اشعار عربیت کی صحیح کسوٹی اور معیار قرار دیا لیکن نحویین نے نبیؐ کے قول کو عربی قواعد کے شہادت کیلئے پیش کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ حدیث قول رسولؐ نہیں، الفاظ بعد میں آنے والوں کے ہیں، عرب مشرک کا قول حجت ہو گیا قول نبیؐ حجت نہیں ہوئی۔

۹۔ غوغائے منع تدوین حدیث: حدیث رسول کی تدوین کی ممانعت کا غوغا اور فریاد و فغان بلند کر کے احادیث جعل کرنے کا بازار گرم کیا گیا۔

تیسری صدی میں اسماعیل محمد بن محمد بخاری نے سات لاکھ احادیث میں سے سات ہزار حدیث چھانٹی، پھر مسلم بن حجاج نے دوبارہ ان کی چھانٹی کی، پھر ان کے بعد آنے والوں

نے انہی احادیث کو اہل بیتؑ سے منسوب کر کے ۱۶ ہزار احادیث جمع کی، پھر شیخ صدوق نے دوبارہ بغیر اسناد احادیث کا مجموعہ ترتیب دیا۔ ان کے بعد علامہ مجلسی نے انھیں دوبارہ جمع کیا، پھر صاحب عوالم ومعارف اور ان کے شاگرد نے دوبارہ انہی احادیث کو جمع کر کے ضخیم مجلدات تیار کیے۔ اس کے بعد بعض تملق وچاپلوسوں نے ان کے اس عمل خیانت کو اسلام کیلئے ارزندہ گردانا اور معترضین سے بچانے کیلئے مخلص کا تاج ان کے سر سجایا۔

- ان احادیث کا انبار لگانے کے بعد پہلے انھیں قرآن پر حاکم قرار دیا گیا پھر یکسر قرآن کو ترک کر کے احادیث سے استناد کا ڈنڈورا پیٹا گیا۔
- حدیث کی جگہ قرآن وسنت سے ماخوذ ومستنبط احکام پیش کرنے کا جھوٹا وعدہ دے کر قرآن وسنت کے خلاف فتویٰ صادر کرنا شروع کیا۔

۱۰۔ بخاری اور کلینی کی چھینکی گئی احادیث بھی اسی طرح حجت ہیں۔ سب سے پہلے لکھا گیا مجموعہ حدیث صحیح بخاری ہے جس میں محمد بن اسماعیل، صاحب بخاری کہتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب میں درج احادیث کو سات لاکھ احادیث میں سے چنا ہے۔ اس کے باوجود حدیث شناسوں نے اس کی بہت ساری احادیث کو ضعیف گردانا ہے۔ اسکے باوجود حدیث سازوں کا اصرار ہے اس میں موجود احادیث کو من وعن قبول کیا جائے۔

۱۱۔ اسی طرح اہل بیت اطہارؑ اگر آیہ تطہیر کے مصداق بن جائیں تو علیؑ، فاطمہ زہراؑ اور حضرات حسنینؑ مصداق نزولی ہیں۔ امام حسینؑ کے بعد دیگر آئمہ طاہرینؑ بھی اس آیت کے مصداق ہیں، اپنی جگہ ایک دعویٰ ہے۔ تاہم ان کو معصوم تصور کر بھی لے، تو بھی ان کا قول حجت نہیں ہوتا۔

۱۲۔ محمد بن اسماعیل کے بعد مسلم بن حجاج اور ان کے بعد یکے بعد دیگر علما آتے رہے جنھوں نے حدیث پر کتابیں لکھیں۔ یہ واضح کریں کہ انھوں نے یہ احادیث کہاں سے جمع کیں۔ یقیناً انھوں نے انہی احادیث کو جمع کیا ہے جنھیں بخاری نے ضعیف گردان کر چھوڑا تھا۔

۱۳۔ اصول کافی، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب مکمل ہونے کے بعد امام زمانہ کو تصدیق کیلئے بھیجی گئی اور امام نے اس کے بارے میں فرمایا: کافی ہمارے شیعوں کیلئے کافی ہے۔ امام زمان کے فرمان کے مطابق یہ کتاب شیعوں کیلئے کافی تھی اس کے باوجود شیخ صدوق نے مزید پانچ ہزار احادیث پر مشتمل کتاب لکھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیخ صدوق کی نظر میں کافی، کافی نہیں تھی لہٰذا انھیں مزید پانچ ہزار احادیث جمع کرنا پڑی۔ جن میں سے ڈھائی ہزار حدیث ترسیل مرسلات کر کے لکھی گئی ہیں۔ ان کے بعد شیخ طوسی آئے جنھوں نے تہذیب واستبصار کے نام سے مزید پانچ ہزار احادیث کا اضافہ کیا۔ یہ تمام آخر کہاں سے لکھی گئی ہیں؟ اگر کافی سے لکھی گئی ہیں تو تکرار ہیں، اگر کسی اور جگہ سے لکھی گئی ہیں تو وہ مصادر کون سے ہیں یا یہ کتابیں بے مصدر ہے۔

۱۴۔ گیارہویں صدی میں علامہ مجلسی تشریف لائے، جنہوں نے اصول کافی میں درج سولہ ہزار میں سے گیارہ ہزار احادیث کو ضعیف گردانا۔ یہ غنیمت ہے کہ انھوں نے تحقیق کی اور لوگوں کیلئے صحیح وغلط کی چھانٹی کر دی۔ لیکن کاش! یہ کام اپنے کتاب کے بارے میں بھی کرتے۔ اپنی باری میں دوبارہ غلطی سے پُر مجموعہ کتب لکھی۔ اس کا توجیہہ یوں کی جاتی ہے کہ ان کا مقصد جمع منقولات تھا، انھوں نے یہ کام حسن نیت کے تحت کیا ہے، وہ سب جمع کر کے آنے والوں کیلئے تحقیقات کا کام چھوڑا ہے۔ اگر انھوں نے یہ سب حسن نیت کے تحت تحقیقات کرنے والوں کیلئے چھوڑا ہے تو کیوں تحقیقات کرنے والے کے ہاتھ پر لاٹھی مارتے ہیں۔

ہر فرقہ اپنی جگہ تسلیم کرتا ہے کہ دوسروں کی مجموعہ احادیث غلطی سے پُر، جھوٹ اور اکاذیب پر مشتمل ہے۔ سنی کہتے ہیں کہ شیعوں کے پاس جو احادیث ہے وہ جھوٹی ہے جبکہ شیعہ کہتے ہیں کہ سنیوں کے پاس جو احادیث ہے وہ جھوٹی ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ان مجموعہ احادیث میں جھوٹ شامل ہے یعنی احادیث میں جھوٹ ہونا مسلم ہے۔ اسی لئے علماء نے احادیث کے جھوٹے ہونے پر کتابیں لکھیں ہیں۔ تو پھر احادیث کی تحقیق کرنے یا احادیث پر شک و

شبہ کرنے والوں کو منکر حدیث کا تمغہ دینے کا کیا مطلب ہے؟

علماء کا کہنا ہے؛ بعض زنادقہ نے احادیث جعل کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور دکان بنائی تو ہم نے علم حدیث شناسی اور راوی شناسی بنایا۔

روایت شناسی اور راوی شناسی کا علم آپ نے اس لئے بیانا ہے تا کہ صحیح اور غلط احادیث کی تمیز ہو سکے۔ لیکن جب ہم آپ کو اسی اصول کو اپنانے کی دعوت دیتے ہیں تو آپ اسے کس منطق کے تحت مسترد کرتے ہیں۔

کیا مسلمان قیام قیامت تک' تمام علوم عربیہ کے علاوہ علم رجال' تعدیل وجرح میں بھی مقلد ہیں۔ یہاں بھی از خود تحقیق نہیں کر سکتے۔ کیا قرضاوی' البانی' شلتوت اور خوئی کوئی بھی حجت نہیں ہے؟ کیا یہ حضرات حجت کی تقسیم کی بعد تشریف لائے تھے یا ان کی باری پر حجت کی تھیلی خالی ہو گئی تھی۔

ان سب مجموعات کو سامنے رکھنے کے بعد کوئی بھی شخص یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس مجموعہ احادیث میں جھوٹی احادیث کی تعداد کہیں گنا صحیح احادیث سے زیادہ ہے۔ جب مجموعہ احادیث میں جھوٹی احادیث کا مجموعہ زیادہ ہو' تو پھر بھی قرآن پر حدیث کی حاکمیت کیا منطق رکھتا ہے؟

تیسرا نقطہ قرآن کریم کی آیات ہے لیکن لوگوں نے اس قرآن کو حجت گردانے پر متفق ہونے کی بجائے اس سے روکنے کیلئے مختلف سدود بنا رکھے ہیں۔

- سد حدیثی
- سد تفسیر سلف
- سد تفسیر اہل بیتؑ
- سد اکتفاء بقرأت
- سد فتویٰ فقہاء۔ جو نا قابل گزر ہے۔

فرقوں سے بیزار ہوں

برادر اسلامی! ہم سب جانتے ہیں کہ حدیث مجعول کے تحت اسلام عزیز کے ۷۳ سے زائد فرقے اس روئے زمین پر موجود ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان میں سے ایک ناجی باقی

تمام جہنمی ہے۔ یا کہتے ہیں سب مسلمان ہے' مختلف مسالک' متعدد راستوں کی مانند ہے منزل ایک ہے۔ موسیٰ وفرعون دونوں اللہ پرست تھے طریقہ مختلف تھا۔ اگر حسینؑ اور یزید دونوں اسلام کے داعی تھے تو ان میں سے ناجی کون ہے؟ یا سب ناجی ہے تو دین فسطائیت ہے بلکہ یہ سب دین اسلام کو مطعون ومخدوش' ناقابل تاسی بنانے کی کاوش ہے۔

ان فرقوں میں سے تمام یا بعض کے اسلام کے دائرے میں ہونے یا خارج ہونے کی معیار وکسوٹی نامی کوئی چیز ہے۔ اس کسوٹی کو تلاش اور اس کا تعین کرنا ہوگا۔ وہ کسوٹی اسلام کے اصول ہے۔

عرصہ دس بیس سال سے مسلسل پیہم اپنے فرقہ کے عقائد' خاص کر تاریخ اہل بیت اطہارؑ حیات وسیرت مولا امیر المومنینؑ' زہرا مرضیہ سلام اللہ علیہا' خاص کر امام حسینؑ کی حیات وشہادت سے متعلق عربی وفارسی کتابیں خرید کر مطالعہ کیں۔ کوئی عالم دین یا دانشور مجھے بتائے کہ ہم سے زیادہ اہل بیتؑ سے متعلق کتابیں کس کے پاس ہیں۔ کس نے ان کے نام گرامی سے مجالس قائم کی۔

ہم اس بات پر فخر وناز کرتے تھے یہ مذہب' علم علیؑ' علم جعفر صادقؑ سے متصل ہے لیکن صد افسوس وحیرت اور ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ کوئی فرقہ یا مکتب ومذہب ایسا نہیں دیکھا' نہ سنا جو اپنے مدعی پیشواؤں کے سیرت وسنت کے نام سے دوسروں کے عقاید وافکار کو فروغ دیتا ہو اور دشمنوں کے راستے پر گامزن ہو۔ انہوں نے نام' علیؑ' فاطمہؑ' حسنینؑ کا لیا لیکن ہمیشہ ان کی سنت وسیرت کے خلاف چلے۔ ان کی نظر میں اہل بیتؑ سے مراد میمون قداح' حسن صفاح اور ان کے سیرت وکرداو تعلیمات ہے' یہ جھوٹ بولتے ہیں کہ اہل بیتؑ کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہی لوگ حقیقی معنوں میں دشمن اہل بیتؑ ہیں جو آئے دن' ہر سال فضائل اہل بیتؑ' مصائب اہل بیتؑ کے نام سے اہل بیتؑ کے چہرے کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ کبھی انھیں کیمیا دان' ریاضی دان' کبھی ریڈ کراس کے سیرت پر چلتے ہوئے آٹا' چاول' لباس پہنچانے والا ایدھی بناتے ہیں تو کبھی دشمن قرآن ومحمدؐ' شعراء' دشمن اللہ' لہو ولعب میں زہرا مرضیہؑ کی مہارت ومصروفیت ثابت کرتے ہیں (نعوذ باللہ)۔ کتنا جھوٹ اس گھرانے میں

پھینکا گیا ہے۔ یہ لوگ خط اہل بیتؑ کے خلاف اور ضد اہل بیتؑ پر قائم ہے۔ اہل بیت اطہارؑ کسی بھی وقت خلفا ثلاثہ کے خلاف نہیں بولے نہ کبھی طنز کیا۔ یہ لوگ کھلم کھلا امیرالمومنینؑ کے خطبات وکلمات نہج البلاغہ کے خلاف ہے۔ کتاب شریف نہج البلاغہ جس کے خطبہ میں خلیفہ دوم اور عثمان کی تعریف بیان کی گئی ہے۔ جس نہج البلاغہ میں حضرت نے خود کو اللہ کا بندہ خاضع و خاشع گردانا ہے انہوں نے اسکے مقابلہ میں بعض صوفیوں کی شطحیات امیرالمومنینؑ کے نام سے خطبہ اختراع کر کے علیؑ کو خالق ارض وسماء، رازق محی وممیت قرار دیا ہے۔

ہم تو انہیں ذوات پاک کے سنت و سیرت پر قائم تھے۔ میں یہاں ان علماء و دانشمندان، دانش جویان کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا جو اپنے مذہب کی حراست و نظارت، رقابت میں ذہین اور باریک بین ہیں کہ میری کتابیں ان کے اختراع شدہ مذہب کیلئے خطرہ ہے۔ اب سمجھ میں آیا کہ مدارس دینی میں قرآن، سیرت نبیؐ، سیرت آئمہ طاہرینؑ پڑھانے سے گریز کا کیا فلسفہ ہے۔ وہ لوگ تنہا ہم سے نہیں بلکہ قرآن، محمدؐ اور حضرات اہل بیتؑ کی سیرت سے بھی ڈرتے ہیں کیونکہ ان یہ لوگ انہی سے وظیفہ لے کر پڑھتے ہیں جن (مارکس) کے بقول اللہ، محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین نے انھیں ایک پنکھا، ایک کتاب، ایک کرسی تک نہیں دی۔

تاریخ، علم رجال اور فرق و مذاہب پر لکھی گئیں کثیر کتب کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تمام فرقے اپنی تاریخ پیدائش اور قرآن کریم کی آیات محکمات کے تحت بدون استثناء باطل ہیں۔ جتنے بھی فرقے موجود یا ختم ہو چکے ہیں ان کی تاریخ اور جائے پیدائش کے مطالعہ سے واضح و روشن ہوتا ہے کے یہ تیسری اور پانچویں صدی کے دوران، شام، سلیمہ بغداد، مصر اور ایران میں وجود میں آئے ہیں۔ ان فرقوں کی کوئی بھی شخصیت دوسری صدی سے پہلے نہیں ملتی۔

ہر وہ انسان جو دین اسلام پہ رہنے کا معتقد و عازم ہے اور جتنا عرصہ بھی اس دنیا میں فقر و مصیبت جھیلے دین کے ساتھ اس کو غنیمت سمجھتا ہے، ہر وہ انسان جو عالم و دانشمندی کا مدعی ہے، حلال خوری کا دعویٰ کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے جب اعلان خطر ہو یا دین کے کسی منشاء، مبداء، اساس کے بارے میں شکوک وشبہات ملیں تو عقلاً اس پر

فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس میں تحقیق کرے۔

سب جانتے ہیں کہ اسماعیلی شام میں وجود میں آئی۔ حنفی اور شافعی عراق میں، شیعہ اثنا عشری صفویوں نے ایران میں ایجاد کی کیونکہ ان سے پہلے آل بویہ جو فرقہ زیدیہ غالیہ کی ترویج کرتے تھے، غلوگرائی کی وجہ سے مذہب میں ان کو پذیرائی نہیں ملی چنانچہ چنگیزی سلسلہ حکومت کی چوتھی نسل سلطان خدا بندہ نے جبری اسماعیلی مذہب کا اعلان کیا اور اس طرح سلفیہ جزیرہ میں اور ظاہریہ اندلس میں وجود میں آئی۔

جو شخص دین محمد وہ دین جو مکہ میں وجود میں آیا اور مدینہ منورہ میں پروان چڑھا پر قائم ہے اس کے نزدیک تمام فرقہ سورہ آلعمران کی آیت کریمہ ۱۰۳ کے خلاف ہیں، جس میں اللہ نے حبل اللہ سے یک جمعی ہو کر تعصم کرنے اور سختی سے تفرقہ اور انتشار سے گریز و اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرقے اس وقت سختی سے انتشار پر تلے ہوئے ہیں، ہر فرقہ گروہوں میں بٹ چکا ہے اور مزید نطفے حمل ہو چکے ہیں۔ ہر فرقہ انتشار و افتراق کیلئے کمربستہ کھڑا ہے یہ فرقے ان آیات کریمہ کی مصداق ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ انہیں کتاب دی گئی اور حق دلیل و برہان سے واضح ہونے کے بعد وہ اختلاف پر اکڑ گئے ہیں۔ جیسے سورہ آلعمران آیت ۱۰۵، سورہ جاثیہ آیت ۱۷ اور سورہ بقرہ آیت ۱۷۶۔

ہو بہو اس وقت مسلمان فرقہ یہودیوں اور مسیحیوں جیسے ہو گئے ہیں۔ کوئی بھی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ تمام فرقہ اگر آیات قرآن کے سامنے پیش کریں گے تو وہ سب قرآن کے خلاف قرار پائیں گے۔ حدیث مستند بہتر عند الجمیع کے خلاف ہیں۔ تاریخ متفق علیہ اسلام کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہنا شرعی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ ہم کسی بھی فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہم فرقہ پرست نہیں ہیں۔ ہم سلفیہ متقدمیں پرست نہیں ہے۔ ہم قدامت پسند نہیں ہیں۔ ہم جدیدیت پسند دانشور بھی نہیں ہیں۔ ہم تقلید پرست بھی نہیں ہیں۔ ہم دلیل کے غلام ہیں اللہ کے بندے ہیں تابع قرآن وسنت رسول ہیں۔

اسلام کے دو اصول ہیں

اصول عقائد: ایمان بہ وحدانیت اللہ' ایمان بہ رسالت وخاتمیت محمدؐ ایمان بروز جزا۔

دوسرا اصول فروع دین: کے وہ ارکان جو قرآن کریم کے کثیر آیات اور سنت متواتر سے ماخوذ ہے' جسے مسلمات دین کہا جاتا ہے جیسے نماز پنجگانہ' زکات' حج بیت اللہ' روزہ رمضان۔

یہ دو اصول جس جس میں ہو' اسے فرقہ یا شاخہ اسلام کہیں گے۔ جو بھی ان کا عملی' عقیدتی یا فکری طور پر منکر ہو وہ اسلام سے خارج ہوگا۔

طاقت وقدرت اسلام کے سامنے بادل نخواستہ تسلیم ہونے والے مسیحی ومجوسی اور مدینہ منور میں نقض عہد و پیمان' عداوت وبغض رکھنے والے یہودیوں نے دین مقدس اسلام کو کونے پر لگایا ہے۔ اور یہ راستہ انھوں نے مراحل و درجات کے تحت طے کیا ہے جسے ہم قارئین کرام کی خدمت بطور اجمال پیش کرتے ہیں؛

ایمان وعمل میں انفکاک وجدائی؛ پہلے مرحلے میں یہ لوگ ایمان وعمل میں جدائی ڈالتے ہوئے ایمان بلاعمل کی طرف راغب کرتے ہیں اور ناجی ہونے کیلئے صرف ایمان کو ہی کافی گردانتے ہیں۔ عمل اور ایمان کے درمیان ختم نہ ہونے والی جنگ میں کوئی کہتا ہے کہ نجات تنہا ایمان میں ہے' ایمان خالص کے بعد عمل کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے۔ کوئی کہتا ہے: اہل بیتؑ سے محبت عمل کی جگہ لے لیتی ہے۔ کوئی کہتا ہے: خدمت خلق ایمان کی جگہ لیتی ہے' ایمان کی ضرورت نہیں وغیرہ۔

کسی نے صرف قرآن کی بجائے سنت رسول کہہ کر رسول کے نام سے اصحاب تابعین' سلفین' حکماء اولیاء کے اقوال کا انبار لگایا ہے۔ کسی نے اہل بیتؑ کی احادیث کا ڈھنڈورا پیٹ کر ان کو کیمیاء دان' ماہر فزکس' ریاضی دان' ایدھی بنا کر پیش کیا ہے۔ یہ سب دین اسلام سے محروم ہے رکھنے کی سازش ہے تا کہ مسلمان اس دین کے ثمرات سے محروم رہے۔

مصادر عمومی موضوعات متنوعه

المعجم المفهرس الآيات القرآن الكريم

☆ معجم المفهرس الفاظِ قرآن کریم	محمد فؤاد عبدالباقی
☆ معجم المفهرس الفاظ القرآن الکریم	محسن بیدارفر
☆ کشاف الموضوعی القرآن الکریم	دارالقرآن الکریم

لغات

☆ معجم القرآن	عبد الرؤف المصری
☆معجم مفردات الفاظ قرآن	راغبِ اصفهانی
☆ من اسرار اللغه فی الکتاب والسنته	محمود محمد طناحی
☆ الامصاح فی فقه الغه	عبد الفتاح الصعیدی ۔حسن یوسفی
☆ فقه اللغه	ثعالبی
☆ المعجم المجمعی	عبد الحسین محمد علی البقائی
☆ معجم ما استعجم	عبد اللّٰه بن عبد العزیز البکری الاندلسی
☆ مقائیس اللغه	ابی الحسین احمد بن فارس الرازی
☆ المعجم فلسفی	ڈاکٹر جمیل صلبیا
☆ لسان العرب	محمد بن مکرم بن منظور
☆ تاج العروس من شرح جواهر القاموس	محمد مرتضی الزبیدی
☆ المعجم اغلاط اللغویه معاصر	محمد عدنانی
☆ المورد الوسیط	ڈاکٹر وحی البعلبکی،منیرالبعلبکی
☆ الموسوعة العلمیه	محمد عدنان رفاعی
☆ المنجد	دار الاشاعت
☆ المنجد	دار المشرق
☆ المعجم علمی مصور	مکتبه الثقافة بالمدینه
☆ فرهنگ اصطلاحات معاصر	نجفی میرزائی

☆ لغت نامه دهخدا — علی اکبر
☆ قاموس المحیط — الفیروز آبادی
☆ فرهنگ اصطلاحات — اشفاق احمد ۔ محمد اکرم چغتائی
☆ محیط المحیط — پطرس البستانی
☆ پاپولر جدید لغات — اورینٹل بک سوسائٹی لاهور
☆ اظهر لغات جامع — محمد امین بهٹی
☆ جهان معاصر — انتشارات جاویدان
☆ الاروس — ڈاکٹر خلیل الجز
☆ المشوف المعلم — عبد الله بن الحسین البکری الحنبلی
☆ فرهنگ سخن — ڈاکٹر حسن نوری
☆ فرهنگ علوم فلسفی و کلامی — ڈاکٹر جعفر سجادی
☆ فرهنگ فارسی — ڈاکٹر محمد معین
☆ فرهنگ فارسی عمید — حسن عمید
☆ اصطلاحات عمومی — عبد الحسین سعیدیان
☆ فرهنگ فارسی پیام — ڈاکٹرسید محمود اختریان
☆ فرهنگ آصفیه — مولوی سید احمد دهلوی
☆ نور اللغات — مولوی نور الحسن نیر
☆ فیروز اللغات — مولوی فیروز الدین
☆ القاموس الوحید — مولانا وحید الزمان القاسمی کیرانوی
☆ قاموس الفاظ اصطلاحات قرآنی — امین حسین اصلاحی
☆ مترادفات القرآن — مولاناعبدالرحمٰن گیلانی
☆ لغات القرآن — محمد عبد الرشید نعمانی
☆ حسن للغات اردو جامع — اورینٹل بک سوسائٹی لاهور
☆ فرهنگ تلفظ — شان الحق الحقی
☆ قاموس مترادفات — وارث سر هندی
☆ بیان اللسان — قاضی زین العابدین سجاد میرٹهی
☆ مختار الصحاح — محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی
☆ شرح الفاظ القرآن — عبد الرشید گجراتی
☆ لغات کشوری — سید تصدق حسین رضوی
☆ لغات الحدیث — حضرت وحید الزمانؒ
☆ آئینه اردو لغت — خالد بک ڈپو لاهور
☆ فیروز اللغات — مقبول بیگ بدخشانی

☆ المعجم الوسيط	مکتبہ رحمانیہ
☆ اردو لغت(تاریخی اصولوں پر)	اردو لغت بورڈ کراچی
☆ اردولغت	اردو سائنس بورڈ
☆ اردو لغت	مرزا مقبول بیگ بدخشانی
☆ جامع الغات	خواجہ عبد المجید
☆ جدید نسیم اردو	مرتضیٰ حسین
☆ فرہنگ کارواں	فضل الٰہی عارف
☆ مصباح اللغات	مولانا عبد الحفیظ بلیاروی
☆ اعجاز اللغات جدید	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
☆ رابعہ اردولغت	سعید اے شیخ

تفاسیرقرآن

☆ الوجیز فی تفسیر القرآن	العزیز علی ابن حسین ابن جامع آملی
☆ التفسیر التبیان	الشیخ طوسیؒ
☆ التفسیر المجمع البیان	طبرسی
☆ التفسیر الشبّر	سید عبد اللّٰہ شبّر
☆ التفسیر الصافی	فیض کاشانی
☆ التفسیر دُرِ المنثور	جلال الدین سیوطی
☆ التفسیر الکبیر	علی امام فخرالرازی
☆ تفسیرجلالین	جلال الدین سیوتی
☆ ایسر التفاسیر	ابوبکر جابر الجزائری
☆ تفسیر الماد	ابو حیان توحیدی
☆ تفسیرالمنار	شیخ محمدعبدہ
☆ تفسیر الاثری جامع	ھادی معرفت
☆ من ھدیٰ القرآن	آیۃ اللّٰہ محمد تقی مدرس
☆ تفسیر المیزان۔	آیۃ اللّٰہ محمد حسین طباطبائی
☆ تفسیر الفرقان	آیۃ اللّٰہ محمد صادقی تھرانی
☆ التفسیر المنیر	الدکتور وھبہ الزحیلی
☆ تفسیرِ الشعراوی	الشیخ محمد متولی الشعراوی
☆ صفوۃ التفاسیر	محمد علی الصابونی
☆ من وحی القرآن	السید محمد حسین الفضل اللّٰہ

☆ تفسیرفی ظلال القرآن	سید قطب شهید
☆ تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات و السّو ر	البقا ئینی
☆ تفسیر النور الثقلین	الشیخ عبد علی بن جمعة الحویزی
☆ التفسیر البرهان	علامة هاشم بحرانی
☆ تفسیر ابن عربی	محی الدین ابن عربی اندلیسی
☆ تفسیرالکاشف	علامه جوادمغنیه
☆ تفسیرفتح القدیر	محمدعلی بن محمد الشوکانی
☆ تفسیر کاشف	باقر حجتی و عبد الکریم شیرازی
☆ مدخل التفسیر	آیت الله لنکرانی
☆ تفسیر الوجیز	وهبة الزحیلی
☆ المقطف من عیون التفاسیر	مصطفی الحصن منصوری
☆ منهج البیان فی التفسیر القرآن	السید ابن حسن الرضوی
☆ تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان	نظام الدین الحسن بن محمد القمی
☆ اعراب القرآن	د_زهیر غازی زاهد
☆ تفسیر جواهر القرآن	طنطاوی
☆ رموز الکنوز فی تفسیر الکتاب العزیز	عبد الرازق بن رزق الله
☆ تذکره الاریب فی تفسیر الغریب	ابن جوزی
☆ تفسیر مراغی	----------
☆ تفسیر مهمات القرآن	البلنسی
☆ التفسیر و المفسرون	الدکتورمحمدحسین الذهبی
☆ تفسیر غریب القرآن	سید احمد صقر
☆ التفسیر و المفسّرون فی ثوبه القشیب	محمد حسین ذهبی
☆ تفسیر ابن بادیس	علامه ابن بادیس
☆ التفسیر و المفسّرون فی ثوبه القشیب	آیت الله هادی معرفت
☆ تفسیر القرآن الکریم	صدر المتالهین
☆ زاد التفسیر	جمال الدین قریشی بغدادی
☆ تفسیرنوین	بانوئ ایران
☆ تفسیر به راء ی	آیت الله مکارم شیرازی
☆ تفسیر القرآن الکریم	محمد علی تسخیری و نعمانی
☆ تفسیرنمونه	آیت الله مکارم شیرازی
☆ پیام قرآن	آیت الله مکارم شیرازی
☆ منشور جاوید	آیت الله جعفرسبحانی

☆ تسنیم تفسیر القرآن — آیت اللّٰہ جواد آملی
☆ تفسیر روشن — علامہ مصطفوی
☆ تفسیر آسان — محمدجوادنجفی
☆ تفسیرتفہیم القرآن — ابواعلیٰ مودودی

مصادر حدیثی

☆ قواعد الحدیث من فنون مصطلح الحدیث — شیخ محمد جمال الدین قاسمی
☆ الحدیث مرسل بین القبول والرد — حصة بنتعبد العزیز الصغیر
☆ تدریب راوی فی الشرح تقریب النواوی — حافظ جلال الدین السیوطی
☆ سبب ورود الحدیث — دکتور محمد عصری زین العابدین
☆ السنة قبل التدوین — محمدعجاج الخطیب
☆ المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع — علی قاری هروی مکی
☆ قواعد فی علوم الحدیث — ظفر احمد عثمانی تهانوی
☆ معرفة انواع علم الحدیث — ابی عمرو عثمان بن عبد الرحمن شهرزوری
☆ منع تدوین الحدیث — علی شهرستانی
☆ النفحات السلفیة شرح الاحادیث القدسیه — محمد منیر الدمشقی
☆ منظومة الصبان فی علم مصطلح الحدیث — ابی عرفان محمد بن علی الصبان
☆ السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی — دکتور مصطفی السباعی
☆ الموضوعات فی الاثار و الاخبار عرض و دراسة — هاشم معروف الحسینی
☆ معجم الفاظ و عبارات الجرح و التعدیل المشهورة والنادرة — سیدعبد الماجد غوری
☆ علوم الحدیث و مصطلحه — دکتور صبیحی صالح
☆ اصول الحدیث علومه و مصطلحه — دکتور محمد عجاج الخطیب
☆ المختصر الوجیز فی علوم الحدیث — دکتور محمد عجاج الخطیب
☆ رسالة فی مصطلح علم الحدیث — ابو عباس احمد بن احمد البرنسی
☆ تیسیر مصطلح الحدیث — دکتور محمود طحان
☆ الاربعین النوویة — محمد بن صالخ العثیمین
☆ اللالی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه — جلال الدین عبد الرحمن السیوطی
☆ الفوائد المجموعه فی الحادیث الموضوعه — محمد بن علی شوکانی
☆ کتاب الموضوعات — ابی الفرج عبد الرحمن بن علی بن الجوزی

☆ علوم حدیث و اصطلاحات آن — دکتور صبحی صالح
☆ معرفة الحدیث — شیخ محمد باقر بهبودی
☆ دبستان حدیث — محمد اسحاق بهٹی
☆ تفهیم سنت — پروفیسر محمد اکرم نسیم حجبه
☆ لغات الحدیث — علامه وحید الزمان
☆ محاضرات حدیث — محمود احمد غازی
☆ انکار حدیث سے انکار قرآن تك — ابوزکریا سید عبد السلام رستمی
☆ علوم الحدیث — ڈاکٹر عند الرؤف ظفر
☆ حجیت سنت — عبد الغنی عبد الخالق

باطنی، قرمطی، نصیری، شیخی عقائد کے حامل افراد یہ کتابیں نہ پڑھیں

شیعہ علماء کا فیصلہ

قرآن سے پوچھو

انبیاء قرآن (حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مکتب تشیع اور قرآن

سوالات وجوابات معارف قرآن

قرآن اور مستشرقین

قرآن میں مذکر و مؤنث

قرآن میں شعر و شعراء

انبیاء قرآن (آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ)

انبیاء قرآن (موسیٰؑ، عیسیٰؑ)

اہل ذکر کے جوابات

قرآن میں امام وامت

تفسیر عاشورا

تفسیر سیاسی قیام امام حسین علیہ السلام

قیام امام حسین علیہ السلام کا جغرافیائی جائزہ

اسرار قیام امام حسین علیہ السلام

عزاداری کیوں؟

انتخاب مصائب ترجیحات۔ ترمیمات

مثالی عزاداری کیسے منائیں؟

عنوان عاشورا

قیام امام حسین علیہ السلام غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں

معجم کتب مؤلفین امام حسین علیہ السلام

حج وعمرہ قرآن وسنت کی روشنی میں

عقائد ورسومات شیعہ

مسجد

آمریت کے خلاف آئمہ طاہرین کی جدوجہد

افق گفتگو

مدارس دینی وحوزات علمیہ پر نگارشات

ہماری ثقافت وسیاست کیا ہے؟ اور کیا ہونی چاہیے؟

شکوؤں کے جواب

مجلہ اعتقاد (۱۔۲۔۳۔۴)

شکوہ جواب شکوہ

فصل جواب

جواب سے لاجواب

عوامی عدالت کے شمارے

مجلہ فصلنامہ عدالت (۱۔۲)

موضوعات متنوعہ (۱۔۲)

تعدد قراءات مترادف تحریفات

فرقوں میں جذور شرک والحاد

ادوار تاریخ اسلام